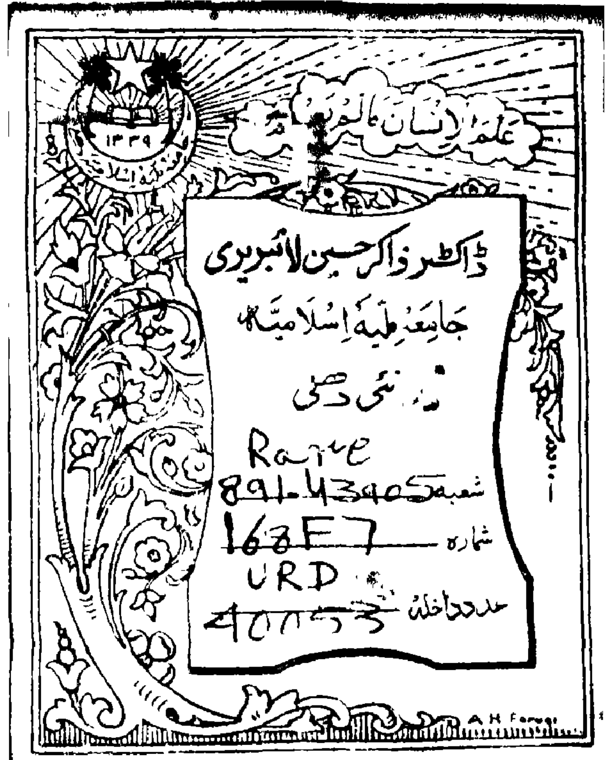


علم الانسان ما لم یعلم
ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی
Rare
شعبہ 891.4390
شمارہ 168F7
URD
عدد داخلہ

اُردو

جلد هفتم

حصۂ بست و پنجم

جنوری سنه ۱۹۲۷ ع

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

پانچ ہزار کا گراں بہا عطیہ

ہز ایکسلنسی راجۂ راجایان راجہ سر کشن پرشاد مہاراجہ

بہادر یمین السلطنت، جی۔ سی۔ آئی۔ ای

صدر اعظم دولت آصفیہ

ایک صاحب علم اور صاحب ذوق امیر ہیں۔ آپ کی علمی سرپرستی اور ہنر پروری مشہور آفاق ہے۔ اُردو کے دلدادہ اور اس کے ادیب اور شاعر ہیں۔ حال میں ہز ایکسلنسی نے از راہ قدر دانی و نوازش جناب نواب مسعود جنگ بہادر کے توسط سے انجمن ترقی اردو کو پانچ ہزار روپیہ سکۂ حالی کا گراں بہا عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ ہز ایکسلنسی کی اس فیاضانہ سرپرستی نے انجمن کے حق میں آب حیات کا کام کیا ہے۔ انجمن ہز ایکسلنسی کے اس احسان کی ہمیشہ ممنون رہے گی—

عبدالحق

سکریٹری انجمن ترقی اُردو

فہرستِ مضامین



تصنیفات شیخ فریدالدین عطار

از

[جناب حافظ محمود خاں صاحب شیرانی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور]

شیخ عطار کی تصنیفات کے متعلق عجیب و غریب بیانات دیے گئے ہیں، بعض نے ایک سو کتابوں کا اُن کو مالک مانا ہے، سب سے قدیم بیان یہ ہے، جو "مفتاح الفتوح" تالیف سنہ ۶۸۸ھ میں ملتا ہے، ہو ہذا:—

خدا رندش نوشتہ صد مجلد همه علمے کہ او ماند مخلد

شین ضمیر شیخ کی طرف راجع ہے "مظہرالعجائب" میں بھی یہی تعداد بتائی گئی ہے، چنانچہ :—

ز بحر علم دارم صد کُتب من درو بنہادہ ام اسرار لب من

لیکن دولت شاہ اور صاحب ہفت اقلیم نے صرف چالیس کتابیں اور رسالے اُن کی طرف منسوب کئے ہیں —

دولت شاہ نے شیخ کی مصنفات کے یہ نام دیے ہیں :—

(۱) تذکرۃ الاولیاء (۲) اسرار نامہ (۳) الہی نامہ (۴) مصیبت نامہ
(۵) اشتر نامہ (۶) مختار نامہ (۷) جوہر الذات (۸) وصیت نامہ
(۹) منطق الطیر (۱۰) بلبل نامہ (۱۱) گل و ہرمز (۱۲) سیاہ نامہ
(۱۳) ہیلاج نامہ (۱۴) اخوان الصفا (۱۵) حیدر نامہ —

صاحب هفت اقلیم نے ذیل کی فہرست دی ھے :—

(۱) الٰہی نامہ (۲) اسرار نامہ (۳) مصیبت نامہ (۴) وصلت نامہ
(۵) بلبل نامہ (۶) پندنامہ (۷) جواہر نامہ (۸) بےسر نامہ
(۹) خسرونامہ (۱۰) ولد نامہ (۱۱) حیدر نامہ (۱۲) اشتر نامہ
(۱۳) جوہرالذات (۱۴) مظہرالعجائب (۱۵) منطق‌الطیر (۱۶) گل و ہرمز
(۱۷) شرح‌القلب (۱۸) تذکرۃالاولیاء (۱۹) اخوان‌الصفا (۲۰) دیوان
(۲۱) لسان‌الغیب (اگرچہ فہرست میں نام شامل نہیں لیکن انتخاب کلام دیا ھے)

قاضی نوراللہ شوستری کے ہاں یہ نام آتے ھیں :—

(۱) منطق‌الطیر (۲) الٰہی نامہ (۳) اسرار نامہ (۴) مظہرالعجائب

حاجی خلیفہ کے ھاں ذیل کی کتابیں ھیں۔—

(۱) اسرار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) بلبل نامہ (۴) پند نامہ
(۵) تذکرۃالاولیا (۶) جوہرالذات (۷) حیدر نامہ (۸) خسرو نامہ
(۹) ستر نامہ (۱۰) منطق‌الطیر (۱۱) مصیبت نامہ (۱۲) مظہر العجائب
(۱۳) وصلت نامہ —

ڈاکٹر اسپرنگر کی فہرست کُتب‌خانۂ اودھ میں یہ کتابیں مذکور ھیں:—

(۱) دیوان (۲) حقائق‌الجواہر، اس کا پہلا شعر ھے —

اے خدائے سرّ ہر انساں توئی کاشف راز حقائق جاں توئی

(۳) بیسر نامہ (۴) مصیبت نامہ (۵) اسرارالشہود (۶) جوہرالذات
(۷) اشتر نامہ (۸) خسرو نامۂ کبیر (۹) خسرو نامۂ صغیر (۱۰) مظہرالعجائب
(۱۱) منطق‌الطیر (۱۲) بلبل نامہ (۱۳) وصلت نامہ (۱۴) پند نامہ
(۱۵) خیاط نامہ (۱۶) کنزالحقائق (۱۷) ھفت وادی (۱۸) الٰہی نامہ
(۱۹) اسرار نامہ —

گیارھویں قرن ھجری کا ایک کلیات* کتب خانۂ بانکی پور میں ھے' جس میں حسب ذیل کتابیں ملتی ھیں :-

(۱) جوھرالذات (۲) مظہرالعجائب (۳) منطق الطیر (۴) حلاج نامہ (یا) منصور نامہ (۵) مصیبت نامہ (۶) لسان الغیب (۷) خیاط نامہ (۸) مفتاح الفتوح (۹) کنزالحقائق (۱۰) ھفت وادی (۱۱) اشتر نامہ (۱۲) پند نامہ (۱۳) دیوان

کلیات کے علاوہ اس کتب خانے میں یہ کتابیں اور ھیں :-

(۱۴) اسرار نامہ (۱۵) بلبل نامہ (۱۶) بے سر نامہ (۱۷) وصلت نامہ۔

اسی کتب خانے کے فہرست نگار مولوی عبدالمقتدر صاحب نے ذیل کی فہرست علاحدہ دی ھے :-

(۱) اسرار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) مصیبت نامہ (۴) جوھرالذات (۵) اشترنامہ (۶) مختار نامہ (۷) حیدر نامہ (۸) بے سر نامہ (۹) سیاہ نامہ (۱۰) منطق الطیر (۱۱) گل و ھرمز (یا) خسرو نامہ (۱۲) پند نامہ (۱۳) وصلت نامہ (۱۴) وصیت نامہ (۱۵) بلبل نامہ (۱۶) اسرارالشہود (۱۷) گل و خسرو (۱۸) مظہرالعجائب (۱۹) خیاط نامہ (۲۰) کنزالحقائق (۲۱) ھفت وادی (۲۲) لسان الغیب (۲۳) مفتاح الفتوح (۲۴) منصور نامہ (۲۵) کنزالبحر —

انڈیا آفس لائبریری کے ایک کلیات نمبری ۱۰۳۱ میں مثنویات ذیل شامل ھیں :—

(۱) اشتر نامہ (۲) خسرو و گل (۳) بلبل نامہ (۴) پند نامہ (۵) منطق الطیر (۶) ھفت وادی (۷) بے سر نامہ (۸) کنزالاسرار (۹) دیوان

---

* فہرست بانکی پور' نمبر ۴۶' صفحہ ۹۳ -

(۱۰) وصلت نامه (۱۱) مفتاح الفتوح (۱۲) اسرار نامه (۱۳) کنز الحقائق
(۱۴) الٰہی نامہ (۱۵) مصیبت نامه (۱۶) لسان الغیب (۱۷) جوهر الذات
(۱۸) مظہر العجائب —

اسی کتب خانے میں ایک ستۂ عطار* هے، اس کی تاریخ کتابت سنه ۸۰۷ هجری و سنه ۸۱۲ هجری کے درمیان، هے اور مثنویات ذیل پر شامل هے :-
(۱) اشتر نامه (۲) اسرار نامه (۳) خطبۂ الٰہی نامه (۴) بلبل نامه
(۵) مصیبت نامه (۶) وصلت نامه—

پروفیسر سراج الدین (آذر) کے کلیات میں یه کتابیں هیں :-
(۱) جوهر الذات، بر متن (۲) دیوان بر حاشیه (۳) مختار نامه، حاشیه (۴) دیباچۂ گل و هرمز، اشاعت اول (حاشیه) (۵) منطق الطیر، حاشیه (۶) هیلاج نامه، متن
(۷) اسرار نامه، حاشیه (۸) اشتر نامه، متن (۹) الٰہی نامه، حاشیه
(۱۰) مصیبت نامه، متن (۱۱) وصلت نامه، حاشیه، خاتمے کے اشعار نقل هونے سے ره گئے هیں (۱۲) گل و هرمز، متن (۱۳) بلبل نامه، حاشیه (۱۴) نزهت الاحباب، حاشیه (۱۵) مفتاح الفتوح، حاشیه، صرف دیباچه منقول هے—

عطار کے معلومه کلیات میں یه نسخه سب سے قدیم هے اور صحت کے اعتبار سے متوسط درجے کا هے - اِس کی تاریخ کتابت سنه ۸۵۷ هجری هے —

ستۂ عطار† (ضمیمۂ فہرست کتب فارسیه برٹش میوزیم لائبریری) سنه ۸۸۹ هجری کا نوشته هے، اِس میں یه کتابیں داخل هیں :-
(۱) مختار نامه (۲) الٰہی نامه (۳) منطق الطیر (۴) مصیبت نامه (۵) اسرار نامه
(۶) وصلت نامه —

سنه ۱۲۸۹ هجری میں نولکشور نے جو کلیات چھاپا هے، اُس میں کتب ذیل

---

* فہرست انڈیا آفس نمبر ۱۰۳۴، صفحه ۹۱۸ † نمبر ۲۳۶، صفحه ۱۵۹ —

شامل ہیں :-

(۱) جوہر الذات، (جلد اول صفحہ ۲ - ۲۹۸، ایضاً جلد دوم صفحہ ۳۰۰ - ۵۸۲) (۲) ہیلاج نامہ، صفحہ ۵۸۴ - ۷۷۰ (۳) الہی نامہ، صفحہ ۷۷۷-۹۴۳ (۴) مختار نامہ صفحہ ۹۴۹-۱۰۴۷ (۵) منطق الطیر، صفحہ ۱۰۵۰-۱۰۶۵ (۶) بلبل نامہ، صفحہ ۱۱۶۸-۱۱۸۴ (۷) نزہت الاحباب، صفحہ ۱۱۸۶ - ۱۱۹۵ (۸) مفتاح الفتوح، صفحہ ۱۱۹۸-۱۲۲۱ (۹) بے سر نامہ، صفحہ ۱۲۲۴-۱۲۲۹ (۱۰) پند نامہ، صفحہ ۱۲۳۲-۱۲۵۷—

کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد کی فہرست میں عطار کی ایک اور تصنیف ملتی ہے، اُس کا نام 'آغاز عشق' ہے۔ مطبع مسیحائی نے ایک اور مثنوی موسوم بہ اسرار نامہ طبع کی ہے—

اس طرح عطار کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہوئی :—

(۱) آغاز عشق (۲) اسرارنامہ (۳) اسرار نامہ (طبع مسیحائی پریس) (۴) اشترنامہ (۵) اسرارالشہود (۶) اخوان الصفا (۷) الہی نامہ (۸) بے سر نامہ (۹) بلبل نامہ (۱۰) پند نامہ (۱۱) تذکرۃ الاولیاء (۱۲) جوہرالذات (یا) جواہر نامہ (۱۳) حلاج نامہ (یا) منصور نامہ (۱۴) حقائق الجواہر (۱۵) حیدر نامہ (۱۶) خسرو نامہ (یا) گل و ہرمز (۱۷) خیاط نامہ (۱۸) دیوان (۱۹) سیاہ نامہ (۲۰) شرح القلب (۲۱) کنزالاسرار (۲۲) کنزالبحر (۲۳) کنزالحقائق (۲۴) لسان الغیب (۲۵) منطق الطیر (۲۶) مصیبت نامہ (۲۷) مختار نامہ (۲۸) مظہرالعجائب (۲۹) مفتاح الفتوح (۳۰) نزہت الاحباب (۳۱) وصیت نامہ (۳۲) وصلت نامہ (۳۳) ولد نامہ (۳۴) ہیلاج نامہ (۳۵) ہفت وادی—

مذکورۂ بالا مختلف فہرستوں سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ شیخ عطار کا کلام خود اُن کے اپنے زمانے میں مدوّن نہیں ہوا تھا۔ اُن کی وفات ایسے زمانے میں ہوئی جب کہ چنگیزی طوفان ایران کو زیر و زبر کر رہا تھا، اس لیے اس عہد میں بھی اِس کے جمع کیے جانے کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ آٹھویں صدی کی کوئی چیز

کسی کتب خانے میں موجود نہیں- نویں صدی کی متعدد چیزیں ملتی ہیں' اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس عہد میں عطار کی تصنیفات اہل ذوق جمع کرنے لگے ہیں- اور چونکہ کوئی قدیم کلیات موجود نہیں ہے' اس لیے اپنے اپنے مجموعوں میں مختلف مثنویات جمع کر رہے ہیں' اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف مجموعوں میں مختلف چیزیں شامل ہوگئی ہیں' کلیات ایک طرف' قدیم مجموعے ایک دوسرے سے نہیں ملتے نہ اُن میں سے ترتیب کا خیال ہے' جیسا اور شعرا کے کلیات میں دیکھا جاتا ہے. اِس انتشار اور ابتری کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ عطار کے کلیات میں دیگر شعرا کی تصنیفات بھی شامل ہوگئیں' دوسرا یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے خاص خاص مقاصد کے مد نظر اپنی تالیفات شیخ کے کلام میں شامل کردیں- اس لیے ضروری ہوا کہ ایک سرسری نظر ایسی کتابوں پر ڈالی جائے- میرا تبصرہ اُنہیں کتابوں پر محدود ہوگا' جو میری نظر سے گذر چکی ہیں —

(۱) آغاز عسق

کتب خانۂ آصفیہ' حیدرآباد' دکن کی فہرست میں یہ کتاب درج ہے' جس کا نمبر ۱۵۵ ہے فہرست نگار نے اس کا نام "آغاز عشق" رکھا ہے- در حقیقت یہ کوئی نئی مثنوی نہیں ہے' بلکہ عطار کے خسرو نامہ کا ابتدائی حصہ ہے- یہ ایک معما ہے کہ اِس کا نام 'آغاز عشق' کیوں رکھا گیا —

(۲) اسرارالشہود

ڈاکٹر اسپرنگر فہرست نگار* کتب خانۂ اودھ اور مولوی عبدالمقتدرخاں فہرست نگار† کتب خانۂ بانکی پور اور مطبع خادم التعلیم لاہور (جنہوں نے سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس کو طبع بھی کردیا ہے) عطار کی تصنیف بیان کرتے ہیں اور بعض قلمی نسخوں میں بھی عطار کی طرف منسوب ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ

* فہرست صفحہ ۳۵۰ — † فہرست صفحہ ۹۴

شیخ شمس الدین محمد لاھجی اسیری نور بخشی شارح گلشن راز کی تصنیف ھے' جو سید محمد نور بخش کے مرید ھیں۔ یہ کتاب سنہ ۸۸۳ھ کے گرد و پیش میں لکھی گئی ھے - مطبوعہ کتاب کے صفحہ ۹ پر ملاحدہ عنوان کے تحت میں مصنف اپنے پیر کی مدح شروع کرتا ھے جس میں اشعار ذیل آتے ھیں :—

آں محمد نام عیسی مرتبت　　مالک معنی را سلیماں منزلت

آمدہ از غیب نامش نوربخش　　بود چوں خورشید بامش نوربخش

صفحہ ۱۰ پر ایک شعر میں اس کا تخلص اسیری موجود ھے :—

ھر یکے در دور خود گشتہ جنید　　چوں (اسیری)دیدہ آزادی زقید*

صفحہ ۹۲ پر ایک حکایت میں مصنف اپنے بعض حالات دیتا ھے ' جن سے معلوم ھوتا ھے کہ جب جذبۂ عشق الہی اس پر غالب آجاتا ھے' ایک امثال سے اپنے آئندہ پیر سید محمد نور بخش کا نام سن کر اصفہان سے روانہ ھوتا ھے :—

صبحدم پنہاں ز خویش و اقربا　　بہر طوف کعبۂ صدق و صفا

آمدم بیروں ز شہر اصفہاں　　یک تن تنہا پیادہ بہر آں

تا مبادا خویش و یاراں پیشتر　　مانعم آیند و کارم بد شود

مصنف یہ سفر غرۂ ماہ رجب سنہ ۸۴۲ھ کو اختیار کرتا ھے —

سال تار بخش بود بے کیف و کم　　ھشتصد و چھل و دو بے بیش و کم

صفحہ ۹۴

سید محمد نور بخش بانی فرقۂ نور بخشیہ [سنہ ۷۹۵ھجری و ۸۶۹ ھجری] قاین میں ولادت پاتے ھیں اور خواجہ اسحق ختلانی کے مرید ھیں' جو سید علی ھمدانی کے مرید تھے - خواجہ نے آپ کو "نور بخش" کا خطاب عطا کیا ' ختلان میں

---

*فرقۂ نور بخشی پر پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے نے ایک نہایت فاضلانہ مضمون اورنٹیل کالج میگزین (بابت سنہ ۱۹۲۵ ع کے پہلے اور دوسرے نمبر میں لکھا ھے - میں نے یہ شعر اسی مضمون سے حاصل کیا ھے —

ایک ھنگامے کے موقعے پر خلیفۃالمؤمنین بغداد ئےجانے پر شاہرخ پاشاہ نےآپ کو ہرات میں قید کردیا، سنہ ۸۲۶ ھجری میں آپ نے بھاگ کر اِس قیدسے رھائی پائیاور ایک عرصے تک بغداد، بصرہ اور کردستان میں سیاحت کے بعد آپ نے گیلان میں سکونت اختیار کی اور شاہرخ کی وفات پر (رے) تشریف لے آے، جہاں تاحین وفات قیام پذیر رہے —

(۳) اسرار نامہ

یہ وہ اسرار نامہ نہیں ھے، جو عطار نے بحر ھزج مسدس میں لکھا ھے اور عام فہرستوں میں اُس کا افتتاحیہ ھے * —

بنام آں کہ جاں رانور دیں داد خردرا در خدادانی یقیں داد

بلکہ یہ اور اسرار نامہ ھے جو بحر رمل مسدس میں ھے، اس کے پہلے دو شعر ھیں :—

افتتاح نامہا از نام تو ھر دو عالم جرعہ نرش از جام تو

آں خدا وندے کہ در عرض وجود ھر زباں خود را بہ نقشے وانمود

اورخاتمے کا بیت ھے :—

دیدۂ حق بیں اگر بودے مرا او رخ از ھر ذرہ بنمودے مرا

یہ کُل آٹھ صفحوں کا رسالہ ھے اور سنہ ۱۲۶۷ھ میں مطبع مسیحائی میں چھپ چکا ھے - اُستادانہ کلام ھے - مسائل تصوف کو مختصراً چھیڑا گیا ھے کہ دنیا میں خدا کے سوا کچھہ نہیں - ذرّات عالم اُس کے مرآت ھیں اور اُسی کے عشق میں مست ھیں- عجز و انکسار زاردِ راہ عشق ھے، طالب کو ھشت بہشت اور کونین سے کوئی سروکار نہیں۔ از روے معنی انساں جان عالم ھے، اور اُس کا دل لوح محفوظ ھے۔

---

* پرو فیسر آزر کے کلیات میں پہلے دو شعریوں ھیں :—

بنام آں کہ از خاک آدمی کرد ز کفلے و ز دودے آدمی کرد

جہاں دارے کہ جاں را نور دیں داد خرد را در خدا دانی یقیں داد

نور و ظلمات کا برزخ انسان ھی ھے اور انسان ھی مقصود عالم ھے - انسان اگر اپنی حقیقت شناخت کرلے تو کائنات کی حقیقت معلوم کرسکتا ھے۔ دل جام جم اور عرش رحمانی ھے، عشق کیا ھے؟ یہی قطرے کا دریا بنا لینا ! —

عشق چبود قطرہ دریا ساختن　　از دو عالم باخدا پرداختن

شیخ عطار کے مقابلے میں اس کی زبان زیادہ صاف اور منجھی ھوئی ھے۔ محض اهل مطبع کی شہادت پر اس کو عطار کا کلام نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ نہ وہ کسی کلیات میں شامل ھے اور نہ کوئی تذکرہ نگار اس کا ذکر کرتا - علاوہ بریں حاجی خلیفہ غالباً اِسی مثنوی کو مولانا جلال الدین رومی کی طرف منسوب کرتا ھے۔ کشف الظنون صفحہ ۹۵ جلد اول طبع مصر سنہ ۱۳۱۱ ھجری)—

۴) کنزالحقائق

اکثر تذکرہ نگار اس تصنیف کے متعلق خاموش ھیں - نویں صدی کے کلیات میں شامل نہیں لیکن دسویں اور گیارھویں قرن ھجری کے کلیات میں موجود ھے، چنانچہ ایتھے انڈیا آفس کی فہرست* میں اور ریو برٹش میوزیم کے ضمیمۂ† فہرست کتب فارسی میں اور مولوی عبدالمقتدر خاں بانکی پور کی فہرست میں‡ اس کو عطار کی تصنیف مانتے ھیں اور شعر ذیل افتتاحی بیان کرتے ھیں :-

بنام آنکہ جاں را نور دیں داد　　خرد را در خدا دانی یقیں داد

لیکن یہ شعر اسرار نامۂ عطار کا افتتاحیہ ھے - ڈاکٹر اسپرنگر نے کتب خانۂ اودہ کی فہرست⊕ میں اور آئیو ناف نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست△ میں بیت ذیل افتتاحی لکھا ھے :-

بنام آنکہ اول کرد و آخر　　بنام آنکہ باطن کرد و ظاہر

---

* صفحہ ۶۱۵، نمبر ۱۰۳۱ —　　‡ نمبر ۲۳۵، صفحہ ۱۵۹ —

† صفحہ ۶۸ —　　⊕ صفحہ ۳۵۶ —　　△ صفحہ ۲۱۲، نمبر ۴۷۷ —

کنزالحقائق کا میرے پاس بھی ایک نسخه هے جس کا پہلا شعر اسپرنگر اور آئیونات کے نقل کردہ شعر کے مطابق هے - فہرست نگاروں نے اسی کتاب کا ایک اور شعر نقل کیا هے یعنی :-

چو گفتم اندر و چندیں دقائق　　نہادم نام او کنزالحقائق

یہ شعر خفیف سے اختلاف کے ساتھه میرے نسخے میں موجود هے - پہلے مصرع میں 'اندرو' کی بجاے 'اندریں' اور دوسرے میں 'نام او' کی جگه 'نام وے' هے —

اِس مثنوی میں حمد و نعت کے بعد حضرت علی کی منقبت علحدہ عنوان سے چلتی هے - "سبب نظم کتاب" میں شاعر کہتا هے کہ میرے چند دوستوں نے اسرار طاعت کے متعلق مجھه سے سوالات کئے، میں نے اُن کی فہم کے مطابق جوابات کو نظم کر دیا اور اُس کا نام کنزالحقائق رکھه دیا هے - میرا مقصد نظم کہنے سے اظہار لیاقت نہیں هے - چھه ماہ کے عرصے میں، جب کہ سنه ۷۰۹ هجری تھا، یه کتاب ختم هوئی -

مرا مقصود ازیں جز معرفت نیست　　خداداند که اظہار صفت نیست

ز هجرت هفصد و نه شد، نہادم　　اساسش را بشش مه نظم دادم

اِس مثنوی کے بعض زیر بحث عنوان یه هیں -

تحقیق ایمان و اسلام - شہادت - طہارت - صلوٰۃ - زکوٰۃ - روزہ - حج - جہاد نفس - شیطان - عشق - دنیا - بہشت و دوزخ - جان - عیسیٰ و دجّال - شناخت و تحقیق - عہد مہدی - آب حیواں - صراط وغیرہ —

نسخهٔ هذا، نہر والہ گجرات میں سنه ۱۰۲۸ هجری میں نقل هوا تھا، جیسا که ورق اول کے صفحهٔ الف کے ایک فقرے سے معلوم هوتا هے - اس کے مصنف کا نام اسی صفحے میں عبارت ذیل میں یوں لکھا هے :--

"کنزالحقائق پہلوان محمود بن پوریاے ولی"

اس عبارت سے معلوم هوتا هے که مصنف کا نام پہلوان محمود هے - عبارت منقولهٔ بالا

کا راقم خواہ محب اللہ ہو، جس کی مہر پاس ہی لگی ہوئی ہے یا کوئی اور شخص، مگر اِس میں شک نہیں کہ وہ مصنف کی شخصیت سے بخوبی واقف تھا، کیوں کہ اُس مثنوی کے ساتھ ھی مثنوی ''گُلشن راز'' اسی کاتب کے قلم کی لکھی ہوئی ملحق ہے۔اس پر محب اللہ نے صاف لکھا ھے ''گُلشن راز من محمود چبستری در سنہ ۷۱۷ھ این در نظم سفتہ'' با وجودیکہ دونوں مثنویوں میں مصنفین کا نام 'محمود' عام ہے اور دونوں اُسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن وہ مغالطہ نہیں کرتا، پہلے کو پہلوان محمود کہتا ہے اور دوسرے کو محمود چبستری —

کنزالحقائق کے متن کی شہادت بھی محب اللہ کے بیان کی مؤید ہے، مصنف نے ایک سے زیادہ موقعے پر اپنا نام محمود دیا ہے۔ مثلاً حمد کے خاتمے کا یہ شعر :—

خدا وندا بحق نیک مرداں　　　که مارا عاقبت محمود گرداں

تحقیق صلوٰۃ کے ذیل میں یہ بیت آتی ہے :—

برو جان پدر بشنو ز محمود　　　کزینش جز حقیقت نیست مقصود

اور زکوٰۃ کے ذکر میں :—

بیاموز ارندانی این طریقت　　　ز محمود (از) زکوٰۃ دین حقیقت

اور بہشت و دوزخ کے بیان میں :—

بہشت و دوزخت ... که مقصود　　　کہ بشناسی بمعنی گفت محمود

یہ بھی یاد رہے کہ حاجی خلیفہ کے ہاں بھی یہ کتاب پہلوان محمود خوارزمی کی تصنیف بتائی گئی ہے (کشف الظنون جلد اول صفحہ ۳۳۳ طبع مصر)

فرہنگ آنندراج میں انجمن آرائے ناصری کے حوالے سے لفظ '' لت '' کی تشریح میں اسی شاعر کی ایک رباعی درج ہے، یہاں اُس کو پہلوان محمود مشہور بہ پوریائے ولی خوارزمی لکھا ہے، رباعی :—

آنیم که پیل برنتا بد لت ما　　　برچرخ زنند نوبت شوکت ما

گر در صف مامور چهٔ گیرد جاے   آں مورچه شیر گردد از دولت ما

جلد سوم صفحه ۹۱

مذکورهٔ بالا وجوه کی بنا پراس کتاب کو عطار* کی تصنیف نہیں مانا جاسکتا

(۵) مفتاح الفتوح

اکثر کلیات میں موجود ہے اور تمام فہرست نگار عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی دیباچهٔ تذکرة الاولیاے عطار طبع یورپ میں انڈیا آفس کے ایک نسخے سے جس کا نمبر سہواً ۵۵۹ دیتے ہیں ' اشعار ذیل نقل کرکے بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی زنجانی کی تصنیف ہے :—

بسال ششصدو هشتاد و دو چار   شهور سال را بد آخر کار†

ز ذوالحجه گزشته بد ده وپنج   که مدفوں کردم اندر دفترایں گنج

(صفحه یو)

"مفتاح الفتوح" دراصل غزلیات کے ایک مجموعه کا نام هے' جس کو زنجانی مذکور نے ایک منظوم دیباچے اور اُس تعلی کے ساتھه که وه شیخ عطار کے روحانی فیضان اور اُنهیں کے طرز میں لکھه رها هے ' شایع کیا هے - اس کا دعویٰ هے که ' شیخ نے خواب میں آکر مجھکو اِس تصنیف کا حکم دیا هے '' لیکن راقم اس قدر بد عقیده واقع هوا هے که اس ادعائی فیضان میں سرقے کا پهلو دیکھتا هے بات یه هے که اس زنجانی نے ایک منظوم دیباچه لکھه کر شیخ عطار کی چونسٹھه غزلیات پر قبضه کرلیاهے' کیوں که مفتاح الفتوح کی جس قدر غزلیات هیں' دیوان

---

* والهٔ داغستانی "ریاض الشعرا" میں پهلوان محمود کے متعلق بیان کرتا هے که: اُن کا تخلص قتالی هے ' پدر محترم کی تقلید میں کشتی گیری کو اپنا پیشه بنالیا۔ ریاضت جسمانی کے ساتھه ساتھه ریاضت روحانی میں بھی سبقے سر کرده اور ولی کامل تھے ' اصل میں اوَر کلیج سے تعلق رکھتے هیں - مثنوی کنزالحقائق سنه ۷۰۳ ھ میں تصنیف کی ' سنه ۷۲۲ھ میں انتقال کیا اور خیوق خوارزم میں مدفون هیں —

† پروفیسر آذر اور نول کشور کے کُلیات میں یه اشعار نهیں ملتے —

عطار سے اُڑائی گئی ہیں اور دلاوری یہ کی ہے کہ عطار کا تخلص نک بحال رہنے دیاہے، ساتھ ہی پردہ دری کے خوف سے یہ ہدایت کردی ہے کہ کتاب کو اغیار کی نگاہ سے دور رکھنا :—

وصیت کردم اے یارِ یگانہ   کہ از ناساز پوشی ایں ترانہ

وہ اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "میں نے ایک شب ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا، اُنھوں نے فرمایا کہ تم اپنے دوستوں کے لئے ایک رسالہ نظم کردو اور اُس کا نام مفتاح الفتوح رکھہ دو" :—

مرا گفتا چو بر خیزی تو از خواب   کتابے جمع کن از بہر احباب
سخن کو اندرو روشن بہ برہاں   تو مفتاح الفتوحش نام گرداں
(کلیات صفحہ ۱۲۰۰، نولکشور)

جب میں بیدار ہوا تو کاغذ، قلم، دوات لیکر لکھنے بیٹھا، لیکن کچھہ نہ لکھہ سکا۔ اِس کوشش میں دو ہفتے گزر گئے اور میں نے اپنے آپ کو اس کام کے بالکل نا قابل پایا۔ بھلا کہاں میں اور کہاں یہ قیل و قال، اور نہ میری یہ مجال کہ بغیر اجازت کے کوئی کام کروں، اس لئے مناسب ہے کہ اس کوشش سے دست بردار ہوجاؤں۔ آں حضرت * نے سو مجلدات ہر علم پر لکھے ہیں، نہ اُنھوں نے کسی سے پڑھا اور نہ کسی سے تعلیم پائی، جو کچھہ لکھا، الہام خداوندی سے لکھا —

نکردم بے اجازت کار ہرگز   نگویم ایں سخن زنہار ہرگز
خداوندش نوشتہ صد مجلّد   ہمہ علمے کہ او مانند مخلّد
نہ برکس خواندہ، نے از کس شنیدہ   بالہام از خدا بروے رسیدہ
(ایضاً صفحہ ۱۲۰۰)

---

* آں حضرت سے مراد شیخ عطار ہیں، گویا انھوں کے ارشاد اور فرمان سے کتاب مفتاح الفتوح تالیف ہوئی ہے —

میں اس فکر میں رہا کہ دیکھئے غیب سے کیا اطلاع دی جاتی ہے۔ آخر ایک روز مجھ پر حالت طاری ہوئی، اس بیخودی کے عالم میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں: "اے مسکین تو آرایش لفظ و عبارت کے درپے نہ ہو اور معانی کو ضروری سمجھ کر انھیں کی تقریر پر اکتفا کر"۔

درین اندیشه بودم گاه و بیگاه | که تا خود چون کنند از غیبم آگاه
بخود بودم فرو رفته یکے روز | بدم در سینهٔ تاب و جگر سوز
در آن دم حالتے دیدم نهانی | که شد بر خاطرم کشف معانی
در آن حیرانی و حیرت که بودم | بسمع دل ازان حضرت شنودم
که اے مسکین نگهدار این اشارت | مده آرایش لفظ و عبارت
تو تقریر معانی کن درین کار | بجان و دل معانی دوست میدار

(ایضاً صفحه ۱۲۰۱)

اب میں جان و دل سے اُن کے ارشاد کا پابند ہوگیا اور جو کچھ لکھتا ہوں انھی کے فیضان میں لکھتا ہوں اور میں تو محض بہانہ ہوں۔ شعر گوئی اُن کے طرز کے بغیر نہ صرف بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ اب چونکہ آنحضرت نے اجازت دے دی ہے، میں بڑی تیزی کے ساتھ شعر لکھ سکتا ہوں اور میری طبیعت سے اعلیٰ شعر ڈھلنے لگے ہیں: -

بجان گفتم که دم مفتاد رایش | سرم بادا فدائے خاک پایش
سخن ز آنجاست اے مرد یگانه | بهانه دان مرا اندر میانه
سخن بے طرز او بے ساز آید | اگر گوئی بکارے باز ناید
اجازت چونکه شد زانحضرت پاک | همی گویم سخن گستاخ و چالاک
چو زانحضرت اجازت شد چه باکم | نکو آید سخن از طبع پاکم

(کلیات صفحه ۱۲۰۱، طبع نولکشور)

اس دیباچہ کے بعد غزلیات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کی تمام غزلیں

دیوان عطار سے لی گئی ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ مقدس سرقہ اب تک طشت از بام نہیں ہوا۔

(۹) وصلت نامہ

اس کے کئی نسخے نویں قرن کے لکھے ہوئے آج بھی موجود ہیں۔ معلومہ نسخوں میں سب سے قدیم وہ ہے، جو انڈیا آفس* کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی تاریخ کتابت سنہ ۸۱۲ ہجری ہے۔ فہرست نگار عطار کا تسلیم کرسکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ایک مقام پر شیخ عطار† کا بیان کیا ہے، دوسرے موقعے پر شیخ بہلول‡ کا لکھا ہے۔ نولکشور نے مثنوی حضرت شیخ بہلول کے نام سے اس کو چھاپ بھی دیا ہے۔ اور سنہ ۱۲۹۷ ہجری میں بار دوم طبع کیا ہے۔ ابتدائی شعر ہے:-

ابتدا اول بنام کردگار — خالق هفت و شش و پنج و چهار

شیخ لقمان سرخسی اس کتاب کی مرکزی شخصیت ہیں، جن کو بایزید، جنید اور منصور سے مقدم بتایا گیا ہے۔ گویا ایک طرف وہ بایزید اور امام جعفر صادق متوفی سنہ ۱۴۹ ہجری کے، اور دوسری طرف شیخ ابو سعید ابوالخیر متوفی سنہ ۴۴۰ ہجری کے ہم عصر مانے گئے ہیں اور اُن کی عمر ۱۷۳ سال بتائی گئی ہے:—

شیخ لقمان آں زماں با بایزید — بود باقی تا بدور بو سعید

عمر او صد بود و هفتاد و سه سال — دائما درقرب بود و در وصال

(مثنوی بہلول صفحہ ۲۲ نولکشور)

اس کتاب کے خاص مضامین یہ ہیں :- حمد و نعت، تخلیق آدم، حکایت بلال، حکایت از روے رموز، حکایت سلطان محمود (سلطان ایک ویرانہ میں جاتا ہے وہاں ایک دیوانہ رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شیخ لقمان سرخسی ہیں۔ جو حسین سے

---

* فہرست صفحہ ۹۱۸، نمبر ۱۰۳۴   † فہرست کتب خانۂ اودھ صفحہ ۳۵۵

‡ ایضاً صفحہ ۳۷۰۔

ملنے آے تھے' اُس نے اناالحق آشکارا کہا تھا۔جب لقمان پہنچے' وہ مرچکا تھا اور فرشتے اُس کو غسل دے رہےتھے اور نماز جنازہ کے بعد ایک سبز صندوق میں رکھہ کر آسمان کی طرف لے گئے'وغیرہ وغیرہ)' حکایت بہلول در بغداد' حکایت آوردن بایزید پوستین امام جعفر صادق(امام جعفر شیخ بایزید کےهاتهہ اپنا پوستین لقمان سرخسی کے لیے بھیجتے ھیں) حکایت منصور (منصور نامہ والی حکایت ھے' اور آئندہ اوراق میں مذکور ھے) حکایت فتح سومنات (جب محمود نے ایک لاکھہ فوج کے ساتھہ سومنات پر حملہ کیا'مشرک قلعہ بند هوکر لڑے اور سنگ باری سے سلطانی فوجوں کا بیحد نقصان کیا۔محاصرہ چھہ ماہ تک قائم رہا'لیکن غنچۂ مقصود نہ کھلا۔ایک دن سلطان نے جذب الهی میں دعا کی۔اُسی حالت میں اُس پر بے خودی طاری هوگئی' عالم رویا میں دیکھتا ھے کہ ایک نورانی صورت بزرگ تشریف لاے ھیں' ایک خشت اُن کے هاتهہ میں ھے۔وہ خشت اُنهوں نے قلعہ کی دیوار پر کھینچ ماری جس سے دیوار ٹوٹ گئی' اتنے میں شاهی لشکر میں ایک شور مچ گیا۔سلطان کی آنکهہ اِس شور سے کھل گئی'ایاز خاص نے آکر دیوارٹوٹنے کی مبارک باد دی' اور کہنے لگا کہ غیب سے ایک خشت آکر ایسی لگی کہ دیوار ٹوٹ گئی سلطان نے فرمایا: وہ خشت میرے پاس لاؤ۔جب لائی گئی تو دیکھا کہ اس پر حضرت لقمان سرخسی کا نام کندہ تھا۔سلطان شکریے میں شیخ سے ملنے جاتا ھے' لقمان محمود سے پیشین گوئی کرتے ھیں کہ مجھہ سے ڈھائی سو برس بعد شیخ محمد پیدا هوں گے)' حکایت شیخ محمد مذکور و مرید ا و ابو بکر' حکایت برناے ظریف' حکایت بوذر و صحابی' منزل خوف و رجا' حکایت یحیی علیہ السلام و عیسی علیہ السلام' منزل انس و هیبت' حکایت بایزید و سائل' منزل انس و جلیس' حکایت درویش مسافر و ابو سعید' منزل جمال با جلال' حکایت لقمان و پیر بخارا' در مناجات و ختم کتاب

وصلت نامہ کے اُن بعض بیانات سے جن کو اوپر درج کر آیا هوں'

واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ عطار کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی ، کیونکہ اس میں خوارق کی ایسی فضا پیدا کر دی گئی ہے ، جو عطار کی طبعیت کے بالکل نا موافق ہے ، اس کے اکثر بیانات افسانوی حیثیت رکھتے ہیں اور تذکرۃ الاولیاے عطار کے بیانات کے خلاف ہیں - مثلاً شیخ لقمان سرخسی کو جو وجاہت یہاں دی گئی ہے ، وہ تمام روایات کے خلاف ہے - شیخ عطار نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کے حالات میں اُن کے متعلق اِس قدر لکھا ہے کہ " وہ عقلاے مجانین میں سے تھے - ایک روز پوستین کے پیوند لگا رہے تھے کہ شیخ ابوسعید (جو ابھی طالب علم تھے) آنکلے ، لقمان نے کچھہ نجاست اُن پر پھینک دی ، اُنھوں نے خوشی سے اس کو برداشت کر لیا - اِس پر لقمان نے کہا : لڑکے! میں تجھے اِس پوستین کے ساتھہ سی دوں؟ - ابوسعید نے جواب دیا آپ کی خوشی - پھر کچھہ ٹانکے بھر کر بولے : ابوسعید! میں نے تجھے سی دیا ہے - اب لقمان اُٹھے اور ابوسعید کا ہاتھہ پکڑ کر لے چلے - راستے میں پیر ابوالفضل حسن ملے ، کہنے لگے : اے ابوسعید تمھارا راستہ ادھر نہیں ہے - اِس پر لقمان ابوسعید کا ہاتھہ اُن کے ہاتھہ میں دیکر چلتے بنے " (تذکرۃ الاولیاے عطار ، صفحہ ۳۲۴ ، جلد دوم)

امام جعفر صادق کا با یزید کے ہاتھہ شیخ لقمان کے لئے پوستین بھیجنا تاریخی لحاظ سے نا ممکن ہے - جعفر صادق اور شیخ لقمان کے زمانوں میں جو فرق ہے ، ظاہر ہے - نہ لقمان کی درازی عمر کے متعلق کوئی روایت موجود ہے - رہا فتح سومنات کا واقعہ ، اس کے متعلق شیخ عطار اپنے تذکرے میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ . فتح سومنات شیخ ابوالحسن خرقانی کے خرقے کی برکت سے حاصل ہوئی تھی ، جو شیخ نے بر وقت ملاقات سلطان کو دیا تھا ، اُن کے الفاظ ہیں : —

" پس سلطان برفت بغزا ، درآں وقت بسومنات شد ، بیم آں افتاد کہ شکستہ خواہد شد - نا گاہ از اسپ فرود آمد و بدوشہٗ شد وروے بر خاک نہاد و آں پیرا ہن شیخ را بردست گرفت و گفت الٰہی بحق آبروے خداوندایں خرقہ کہ مارا

بریں کفار ظفردهی که هرچه از غنیمت بگیرم بدرویشان دهم - ناگاه از جانب کفار غبارے و ظلمتے پدید آمد، تاهمه تیغ دریکدیگرنها دند . ومی کشتند و متفرق می شدند تاکه لشکر اسلام ظفر یافت - و آں شب محمود بخواب دید که شیخ می گفت آبروے خرقۂ ما بردی بردرگاہ حق ۰ اگر دراں ساعت درخواستی جملۂ کفار را اسلام روزی کردے " —

(تذکرۃ الاولیاء صفحه ۲۰۹ - ۲۱۰ جلد دوم مرتبۂ نکلسن)

اِس بیان کی تائید تاریخ فرشته و تاریخ بناکتی وغیرہ سے هوتی هے - اب شیخ عطار ِصلت نامے میں (اگر وہ اِس کے مصنف هیں) اسی واقعه کو غیر ذمه دارانه طریقے پر لقمان سرخسی کی طرف منسوب نهیں کرسکتے —

پیر بخارا کی حکایت بھی اِسی قسم کے خوارق سے لبریز هے - پیر یه معلوم کر کے که شیخ لقمان سرخسی نماز نهیں پڑھا کرتے ، اُن کی هدایت کے لئے بخارا سے روانه هوتے هیں ، مگر اِس شان کے ساتھه که مع اپنے مریدوں کے شیروں پر سوار هیں اور کوڑوں کی بجاے هاتھوں میں سانپ هیں - لقمان نے جب از روے کشف معلوم کیا که پیر بخارا اس تجمّل کے ساتھه اُن کی هدایت کے لئے آتے هیں تو یه بھی ایک دیوار پر بیٹھه کر اُن کے استقبال کو روانه هوے - میں کہتا هوں کیا یه خرافات عطار کی طرف منسوب کی جاسکتی هے - یه افسانے ایسے عہد کی یادگار هیں جب که دنیا میں انقلاب مغول کے بعد اوهام پرستی اور خوش عقیدگی کی لهر دوڑ گئی هے ، پاک باز اور فرشته صفات صوفیوں کی جگه اوباش اور عیّار لے لیتے هیں اور بزرگوں کی کرامات و خوارق کی تشهیر سے اپنی دکان فروشی کرتے هیں - لقمان سرخسی کی شعبدہ بازیوں کی نمایش سے جو هم " وصلت نامه " میں پڑھتے هیں ، عطار کو کوئی فائدہ نهیں پهنچ سکتا تها - یه قصے صرف لقمان کی قبر کے مجاور کو فائدہ پهنچا سکتے هیں —

وصلت نامه کے مختلف اشعار سے ثابت هوتا هے که اس کے مصنف شیخ بهلول هیں ، چنانچه :

نام او کردم بوصلت نامه من ز آنکه وصلت دیده ام از خویشتن
هر که میخواهد که او واصل شود درد بہلولش همه حاصل شود

(مثنوی حضرت شیخ بہلول صفحه ۳، طبع نولکشور سنه ۱۲۹۷ ھ)

گفتهٔ بہلول از جاناں بود هرچه گوید آیت و برهاں بود
گفتهٔ بہلول را توحید داں دائمش در ترک و در تجرید داں

(ایضاً صفحه ۲۹)

هست بہلول از قدم تاسر گناه رحمتت کرده است پیشیں رهلما (کذا)
محو گرداں اے خدا بہلول را وارهاں از خویشتن ایں گول را

(ایضاً صفحه ۳۰)

بلکه شیخ بہلول نے ایک مقام پر شیخ عطار کی منطق الطیر سے ایک شعر بھی نقل کردیا ہے اور حواله بھی دے دیا ہے، کہتے ہیں: —

آنچنانکه گفت عطّار امیں در کتابِ منطق الطیر از یقیں
سایه در خور شید گم گردد مدام خود همه خور شید گردد والسلام

(ایضاً صفحه ۲۹)

یہ حواله پروفیسر آذر کے کلیات (نوشتهٔ سنه ۸۵۷ ھ) میں موجود ہے۔ صرف اِس قدر فرق ہے که شعر عطار میں 'گردد' کی بجاے 'بینی' ہے۔ کلیات عطار، طبع نولکشور (صفحه ۱۰۷۷ منطق الطیر) میں بھی ملتا ہے۔ لہذا میں اِس شہادت، نیز انداز کلام و بیان کی بنا پر (جو عطار سے بالکل مختلف ہے) وصلت نامه کو شیخ بہلول کی تصنیف مانتا ہوں۔ یہ بھی واضح رہے که وصلت نامے کے بعض جدید نسخوں میں ایک دو شعر ایسے بھی ملے ہیں، جن میں عطار کا تخلص موجود ہے، مثلاً پروفیسر آذر کے وصلت نامه مشمولهٔ کلیات (سنه ۸۵۷ ھ) اور مثنوی شیخ بہلول (نولکشور) میں ایک شعر ہے: —

درد آمد رهبر راہ عیاں عاشق بیدرد کے باشد رواں
(صفحہ ۲۶)

گیارھویں صدی کے ایک قلمی نسخے میں اس کو یوں بدل دیا ھے —

درد آمد بردر راہ عیاں عاشقست عطار بیشک در جہاں

لیکن یہ ایک بے باکانہ تقلیب ھے اور ھمیں عطار کے تخلص کی موجودگی سے مرعوب نہیں ھونا چاھیے - عطار کے نام پر وصلت نامے کے انتساب کی غلطی نویں صدی ھجری سے پیشتر واقع ھوی ھے - اُس وقت سے اب تک یہ مثنوی شیخ ھی کی مانی جاتی ھے اور یہ بات کاتبوں کے ذھن میں ھمیشہ موجود رھی ھے، اس لئے تعجب نہیں اگر کسی دل چلے کاتب نے اس پر عطار کے نام کی مُہر لگانی چاھی ھو - خوش قسمتی سے پروفیسر آذر کا وصلت نامہ ایسی تقلیب سے پاک ھے اگرچہ "گفتۂ بہلول از جادان بود" الخ اور اس کے ھم ردیف شعر میں غلطی سے بہلول کی بجائے عطار لکھاگیا ھے، لیکن صاف معلوم ھوتا ھے کہ وہ سہو ھے —

رھے شیخ بہلول * مجھکو افسوس ھے کہ میں سر دست اُن کا سراغ نہیں لگا سکتا

---

* میں یہ مضمون (تصنیفات عطار) ختم کرچکا تھا کہ پروفیسر آذر نے ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست "مجموعۂ کرزن" مرتبۂ ڈبلیو آئیو ناف جو اسی سال چھپی ھے، نہایت مہربانی کرکے میرے پاس بھیجدی - فہرست مذکور میں (صفحہ ۱۹۴) ایک وصلت نامہ نمبر ۲۰۶، نوشتۂ سنہ ۱۰۹۶ ھجری کا مذکور آتا ھے، اُس کے خاتمے پر مصنف کا نام شیخ الشیخ شیخ بہلول مرقوم ھے —

فہرست نگار کا بیان ھے کہ (۱) خاتمہ کے علاوہ متن میں کئی موقعوں پر بہلول تخلص ملتا ھے (۲) ایسے اشعار کی جگہ جن میں عطار کا تخلص آتا ھے، خالی چھوڑدی گئی ھے (۳) وصلت نامہ کے اڑتالیسویں شعر —

عاشقا این دم در آور سرجان تایابی سر عشق لا مکان،

کو افتتاحیہ شعر بنادیا گیا ھے (۴) دیباچے کے آخری شعر —

گفت وصلت نامہ را عطار پیر ختم گرداں یا الٰہی دستگیر،

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

وہ کوئی غیر معروف شخص معلوم ہوتے ہیں - (ر. و) نے ایک دیوان اور وصلت نامہ اُن کی طرف منسوب کرتے ہوئے فہرست برٹش میوزیم میں لکھا ہے کہ اُن کا انتقال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰)

کو بالکل اُڑادیا ہے اور (۵) اس کے مقابل شعر کے مصرع -

درد پہلو یش ہمہ حاصل شود '

کو تقلیب کر کے مصرع

درد بہلولش مگر حاصل شود

میں تبدیل کردیا گیا ہے (۶) مختصر یہ ہے کہ شیخ بہلول نہایت چالاک سارق ہے لیکن اُس کی دلاوری اِن اشعار میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے —

آں چنا نم گفت عطار امیں — در کتاب منطق از نور یقیں

سایہ در خورشیدگم گردد مدام — خود ہمہ خورشید گردد والسلام

قطرہ اندر بحر دریا اوفتد — در در خورشید والا اوفتد

یہ مصرع اصل میں یوں ہے :- "ذرہ بر خورشید والا اوفتد"

(محمود شیرانی)

گفتۂ عطار خود از مغز بود — لیک اندر صد لباس لغز بود

گفتۂ بہلول از جاناں بود — ہرچہ گوید آیت برہاں بود

گفتۂ بہلول را توحید داں — دائماً در ترک و در تجرید داں

(۷) مثنوی ہذا بالخصوص حلاج کے افسانے سے تعلق رکھتی ہے —

میں ان بیانات کے پڑھنے کے بعد بھی (جن کے ذکر کرنے میں تقدیم و تاخیر کا گنہگار ہوں) اپنے قدیمی نظریہ پر قایم ہوں اور اب بھی مصر ہوں کہ مثنوی ہذا عطار کے شایان شان نہیں' نہ وہ اُن کے انداز میں مرقوم ہوئی ہے - اُس کی اکثر حکایات افسانوی نوعیت کی ہیں' جن کا عطار کے قلم سے نکلنا دشوار ہے - نمبر (۴) میں جو شعر درج ہے الحاقی ہے' نہ کلیات آذر میں موجود ہے' نہ نولکشور کی مثنوی میں - اُس کی زبان کی خامی میرے بیان کے بغیر ظاہر ہے - نمبر (۵) میں مصرع کو "درد پہلو یش ہمہ حاصل شود" پڑھنا شعر کو مہمل بنادینا ہے (۶) شیخ بہلول کے خلاف سرقہ کا الزام بے حقیقت ہے' بلکہ میں یہ کہونگا کہ ایسی خام اور سقیم نظم کا عطار کی طرف منسوب ہونا سخت ظلم ہے - (۷) کتاب میں منصور کی صرف ایک حکایت ہے' زیادہ حکایات شیخ لقمان کی ہیں - پوری فہرست مضامین گزشتہ سطور میں آچکی ہے -

سنہ ۹۷۰ هجری سے پیشتر ہوا ہے۔ (ریو) کے ذہن میں غالباً شیخ بہلول دریائی ہیں جو شاہ حسین خاں مشہور بہ لال حسین کے پیر تھے - شیخ محمود المعروف بہ محمد پیر نے اپنی مثنوی "حقیقت الفقرا" میں جو شاہ حسین کے حالات و کرامات میں ہے لکھا ہے کہ: شیخ بہلول شاعر بھی تھے اور مثنوی "آداب فقر" اُن کی یادگار ہے —

نظم آداب فقر زوست میاں ہمچو آیات مصحف از عثماں

لیکن اُن کا انتقال سنہ ۹۸۳ ھ میں ہوتا ہے:—

چوں شداو واصل دعائے احد بود هشتاد و سہ د گر نہصد

اسی صدی میں ایک اور بہلول ملتے ہیں جن کا پورا نام فریدالدین احمد جہانگیر نہیں ہے اور بقول "گلزار ابرار" سنہ ۹۴۷ ھ میں وفات پاتے ہیں - لیکن یہ تلاش بے سود ہے، کیونکہ ہمیں جس بہلول کی ضرورت ہے وہ کم از کم آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں —

(۷) منصور نامہ (یا) حلاج نامہ

انڈیا آفس، بوڈلین اور بانکی پور کے کتب خانوں میں موجود ہے اور فہرست نگار شیخ کی تسلیم کرتے ہیں، فاتحہ کا شعر ہے :—

بود منصور اے عجب شوریدہ حال در رہ تحقیق اورا صد کمال

اکثر نے "منصورا ے" کو الف کے اسقاط کے ساتھ لکھا ہے - یہ مثنوی علاحدہ چھپ بھی گئی ہے اور قلمی بھی ملتی ہے - اس میں منصور کے خلاف فتویٰ لگنے اور دار پر چڑھائے جانے کے حالات درج ہیں، جو ہیلاج نامہ سے ملتے جلتے ہیں —

لکھا ہے کہ وہ پچاس سال تک اسرار پوش رہا - پھر اُس نے "اناالحق" کا نعرہ لگا کر اپنا راز فاش کردیا، اهل تقلید نے فتویٰ مانگا، تین سو ستّر عالموں نے کفر کا فتویٰ لگا دیا - بغداد میں ایک سنسنی پھیل گئی - جب خلیفہ کو اس امر کی طلاع ہوئی، اگرچہ منصور کا درست تھا، کیوں کہ اُس کی کئی تصنیفات پڑھ چکا تھا،

لیکن عوام اور جہلا نے خوف سے اُس نے منصور کے قید کئے جانے کا حکم دے دیا۔
جب منصور قید خانے میں لایا گیا، جیل میں اُس وقت چار سو قیدی تھے۔
منصور نے آتے ہی اُن سے کہا کہ: تم اپنے اپنے گھر چلے جاؤ۔ قیدی بولے: ہم لوگ بھاری
بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے، ہیں کیسے جاسکتے ہیں؟- منصور نے اُن کے قریب آکر
اپنا ہاتھ ہلایا، قیدیوں کی بیڑیاں کٹ کر گر گئیں۔ اُس وقت قیدیوں نے عرض کی:
قید خانے کے دروازے بند ہیں ہم باہر نہیں نکل سکتے۔ منصور نے ایک اشارہ کیا
اور دیوار میں چار سو رخنے نمودار ہوگئے، قیدی اِن منفذوں سے باہر نکل گئے۔قیدخانے
کے مہتمم نے جب یہ کیفیت دیکھی، آکر اس کے قدموں میں گر پڑا۔ منصور نے اس کو
بھی چلے جانے کا حکم دیا۔ داروغۂ جیل کے جانے کے بعد منصور مناجات الٰہی میں
مشغول ہوگیا —

شبلی جنید کے پاس گئے اور منصور کے قید ہونے کی اطلاع دی۔ جنید اپنے
شاگردوں کو لیکر قید خانے پہنچے، وہاں جاکر دیکھا کہ مخلوق کثرت سے جمع
ہو رہی ہے۔ اجازت لیکر اندر گئے اور منصور کو ملامت کرنے لگے کہ: تم نے یہ کیا
دیوانگی اختیار کی ہے، جو بات تم کہتے ہو وہ ہمارے پیشوا رسول اللہ نے بھی نہیں
کہی، اناالحق کہنا کفر محض ہے۔ منصور نے جواب دیا: تم اِن اسرار سے بےخبر ہو،
رسول اللہ نے "من رآنی" فرمایا، "لی مع اللہ" کہا۔ خود خدائے پاک نے "نحن اقرب"
فرمایا، تم مبتلائے تقلید ہو، واصلین کے مرتبے کیا جانو۔ اِس پر ملاقات ختم ہوئی
اور جنید باہر آگئے۔ لوگوں نے اُن سے فتویٰ طلب کیا، اُنھوں نے کہا: میں ظاہر پر
حکم دیتا ہوں، باطن سے واقف نہیں۔ بعد ازاں شبلی منصور کے پاس گئے، کہنے
لگے: اے شیخ تو نے اپنا راز کیوں فاش کردیا، اگر سر کی خیر چاہتے ہو تو سر کا
ترک کہو۔جواب میں منصور نے کہا: میں منصور نہیں ہوں، بلکہ :—

من خدایم من خدایم من خدا　　فارغم از کبر و کین و از ہوا

اول و آخر ظاہر، و باطن میں ہوں۔ میں سر توحید کو آشکارا کرنے آیا ہوں،

تاکہ بقائے حق میں باقی رہوں، مصطفیٰ میرے پیشوا ہیں اور راہِ یقین کے رہنما ہیں - لیکن تم اِن غوغائیوں سے میرے لئے ایک روز کی مہلت مانگ لو، کیونکہ میرا ایک مخلص دوست جس کا نام شیخ کبیر (عبداللہ خفیف) ہے، کل تک یہاں پہنچنے والا ہے اور مجکو اُس سے ایک ضروری راز کہنا ہے، اُس کے بعد میں دار کے لئے طیار ہوں۔ دوسرے دن شیخ کبیر آئے اور سیدھے منصور کے پاس گئے۔ ملامت کے لہجے میں کہنے لگے:"اے- توحید پرست! تونے سرحق کو کیوں فاش کیا، تو پچاس سال صاحب اسرار رہا، اب کیا ہوگیا کہ اِس قدر بیخود ہوگیا" - منصور نے کہا: "تم کو معلوم ہے کہ بحر معنی بے نہایت ہے اور اناالحق تو اُس کی ایک ادنیٰ سی موج ہے- تم سے اگر لوگ فتویٰ مانگیں تو دیدینا" شیخ کبیر نے جواب دیا: "میں فتویٰ نہیں دے سکتا":—

شیخ گفتا آں چہ گفتی نے رواست   من ھمیدانم کہ ذات تو خداست

چوں دھم فتویٰ زجہل و از گماں   من عیاں دیدم خدا را ایں زماں

منصور نے کہا: خیر میرے کہنے سے دے دینا- شیخ کبیر اُس کے بعد چلے آئے - عوام نے فتویٰ طلب کیا، شیخ نے کہا: منصور نے کہلا بھیجا ہے کہ میں واجب القتل ہوں، مگر میری رائے ہے کہ وہ اہلِ ظاہر کے نزدیک واجب القتل ہے، مگر باطن کے حال سے میں واقف نہیں - اِس کے بعد سب لوگ جمع ہوگئے - منصور آیا اور سولی پر چڑھ گیا، اناالحق کے نعرے لگانے لگا - حالت یہ ہوئی کہ سنگ و خشت، دار اور رشتہ تک سے اناالحق کی آوازیں آنے لگیں - ایک ظالم نے آکر اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا - منصور نے اپنا لہو بھرا ہاتھ چہرے پر مل لیا - شبلی نے دریافت کیا کہ تمنے ہاتھ منہ پر کیوں ملا؟، اُس نے جواب دیا: میں نماز عشق ادا کرنا چاہتا ہوں اور یہ اُس کا وضو ہے- شبلی نے پھر سوال کیا کہ: تصوف کا کوئی رمز بیان کرو - اس نے کہا اپنے آپ کو سب سے کمتر دیکھنا - ایک مرتبہ اور پوچھا کہ طریق عشق کا پتہ دو - منصور کا جواب تھا:—

گفت عشق ایں جا بود گردن زدن　　بعد از انش آتش اندر سوختن

ان الفاظ کے ختم ہونے پر اس کا سر کاٹ دیا گیا - جب سر کٹکر گرا، اُس سے انالحق کی آواز برابر آرہی تھی - تب منصور کے جسم کو جلا دیا اور ہوا اُس کی خاک اڑا کر پانی میں لیگئی —

منصور نامے میں یہ قصہ ہے، جو مختصراً یہاں بیان ہوا - اِس مثنوی کے ہیلاج نامہ سے، جہاں یہی قصہ ایک نہایت دراز طریقے پر بیان ہوا ہے، قدیمی تعلقات معلوم ہوتے ہیں —

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ منصور نامہ درحقیقت کوئی علحدہ مثنوی نہیں ہے، بلکہ وصلت نامہ کی ایک حکایت ہے، جو مطبوعہ وصلت نامہ میں صفحہ ۱۴ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۰ پر ختم ہو جاتی ہے - نول کشور نے سنہ ۱۲۹۷ ھ میں وصلت نامہ کو بار دوم چھاپ ہے، لیکن اُس کا نام مثنوی حضرت شیخ بہلول رکھا ہے - پروفیسر آذر کے وصلت نامہ مشمولہ کلیات میں بھی یہ حکایت موجود ہے —

منصور نامے کے متعلق ایک حیرت خیزامر یہ ہے کہ وہ اشتر نامۂ شامل کلیات پروفیسر آذر میں بھی موجود ہے، جہاں خاتمہ پر " در رفع شدن ہستی منصور و پیدا شدن حق و ختم کتاب۔ " کی سرخی کے تحت میں پوری حکایت درج ہے - آخر سے تقریباً ایک صفحہ جو اصل قصے سے علاقہ نہیں رکھتا یا تو کاتب اتفاقیہ ترک کر گیا ہے، یا مختصر کرنے کی غرض سے نکال دیا گیا ہے - یہاں یہ سوال ہوتاہے کہ آیا منصورنامہ اصل میں وصلت‌نامہ کا ایک حصہ ہے، یا اشترنامہ کا - اِس کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ فی الواقع وصلت نامہ کا ایک جزو ہے اور اشتر نامہ میں اُس کا ایراد غیر موزوں واقع ہوا ہے کیونکہ عین منصور نامے کے قبل قریب قریب منصور کی یہی حکایت ایک وسیع پیمانہ پر شروع کی جاتی ہے، جس میں منصور قیدیوں کو رہا کر کے اور داروغۂ قید خانہ کو روانہ کر کے قید خانے میں تنہا مناجات میں مصروف ہو جاتا ہے - مناجات کے اختتام کے بعد

باقی حکایت کو ختم کئے بغیر منصور نامہ شروع ہو جاتا ہے، اور منصور نامے
ختم پر اشتر نامہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ بہر حال منصور نامہ کو علحدہ تصنیف، ماننے میں
ہم حق بجانب نہیں، اگرچہ وصلت نامے کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے شیخ بہل
کی تصنیف ہے —

(۸) بے سر نامہ

امین احمدرازی کی فہرست میں شامل ہے۔ تمام فہرست نگار عطار
مانتے ہیں اور چھپ بھی چکا ہے۔ اس کا پہلا شعر ہے: —

من بغیر تو نہ بینم درجہاں   قادرا پروردگارا جاوداں

یہ ایک ترجیع بند ہے اور ہر بند کے ترجیعی ابیات یہ ہیں: —

من خدایم من خدایم من خدا   فارغم از کبروکینہ رز ہوا

شر بے سر نامہ را پیدا کنم   عاشقاں را درجہاں شیدا کنم

بے سر نامہ میرے خیال میں کسی علحدہ وجود رکھنے کا مستحق نہیں
اُس کی تعمیر کا اکثر مواد منصور نامے سے لیا گیا ہے، فرق یہ ہے کہ
نامہ کا موضوع منصور ہے۔ لیکن بے سر نامہ میں یہ منصب شیخ عط
دیدیا جاتا ہے جو کبھی صیغۂ متکلم اور کبھی صیغۂ غائب میں دکھائے گئے
بے سر نامے میں اصل قصے کی ترتیب، واقعات کی کوئی پروا نہیں کی گئی
نہ نفس قصہ سے سروکار رکھا گیا، اصل مقصد اتنا ہے کہ منصور کا درجہ عطار
جائے اور حدیث دار ورسن کی تجدید کی جائے۔ اس کتاب کو شیخ عطار کی
منسوب کرنا انسانی فہم و شعور پر بیداد توڑنا ہے، اس کے اثبات کیلئے
کسی کد و کاوش اور تحقیق و تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسقدر جاننا
کہ بے سر نامہ منصور نامے کی ایک مسخ شدہ شکل ہے۔ فارسی ادبیا
ایسے دلیرانہ سرقے کی مثال مشکل سے ملیگی۔ میں بخوف طوالت بے س
سارے گورکھ دھندے کو سلجھانا نہیں چاہتا، صرف بعض امثال پر قناعت کرتا

بیسر نامه	منصور نامه (از ابتدائے حکایات)
(۱) بود عطارے عجب شوریدہ حال در رہِ تحقیق اوراصد کمال	(۱) بود منصورے عجب شوریدہ‌حال در رہ تحقیق اورا صد کمال
(۲) حال او حال عجب بود اے پسر نے چو حال ایں کسان بے خبر	(۲) حال اوحال عجب بود اے پسر نے چو حال ایں خسیسان بےخبر
(۳) در رموز سرحق بے بردہ بود نے کہ ہمچوں ماؤ تو در پردہ بود	(۳) او رموز سرحق بے بودہ بود نے کہ چوں ما راہ را گم کردہ بود
(۴) او یقین‌خویش حاصل کردہ‌بود در یقین خویش واصل گشتہ بود	(۵) او یقین خویش حاصل کردہ بود در یقین خویش و اصل گشتہ بود
(۵) در علوم دیں وقوفے داشت او ہیچ علمے را فرونگذاشت او	(۸) در علوم دیں و قوفے داشت او ہیچ علمے را فرونگزاشت او
(۶) عالماں ازعلم او در ماندہ اند عارفاں از عرت او وا ماندہ اند	(۹) عالماں از علم او در ماندہ اند عارفاں از عرف او وا ماندہ اند
(۷) عاشقاں از عشق او حیراں‌شدند ہردم از نوع دگر بریاں شدند	(۱۰) عاشقاں از عشق اوگریاں شدند ہر دم از نوع دگر بریاں شدند
(۸) بعد پنجہ سال او اسرار یافت از فریدالدیں لقب عطار یافت	(۱۴) بود پنجہ سال او اسرار پوش ناگہاں از وے بر آمد صد خروش
(بند ششم بیسر نامۂ قلمی)	(مثنوی * حضرت شیخ بہلول صفحہ ۱۴ طبع نولکشور سنہ۱۲۹۷ھ)
(۷) مردماں گفتند ایں چہ کردۂ روے خود در خوں چرا آلودۂ	(۱۳) شبلیش گفت‌ایں زماں چہ دیدۂ دست در ساعد چرا مالیدۂ

* میرے پاس منصور نامہ علحدہ بھی ہے، مگر قلمی ہے اس لئے اس کے اشعار مثنوی شیخ بہلول مطبوعہ سے نقل کر رہا ہوں —

بےسر نامہ

(۸) گفتم ایندم میگزارم من نماز
پس بخوں سازم وضوے پاکباز

(۹) ایں نماز عشق را آنجا وضو
راست ناید جز بخونِ خوبرو

(۱۰) بعدازاں گفتند مرا اے مردِ کار
از تصوف ایں زماں رمزے بیار

(۱۱) گفت(کذا) کمترزیں کہ می بینی نہ بیں
تا ترا در راہ حق باشد یقیں

(۱۲) بار دیگر گفتم اے صاحب نظر
از طریق عشق دہ مارا خبر

(۱۳) گفت ایں جا بس بود گردن زدن
بعد ازاں در سوختہ آتش زدن

(۱۴) انیکہ گفتم ایں چنیں شد حال من
منتشر شد در جہاں احوال من

بند دهم)

(۲) پیشواے ماست همچوں مصطفیٰ است
لاجرم تو آنچه گوئی کے رواست

(۳) بعد از آں عطار گفت اے کور و کر
وز رموز سِر عشق اے بے خبر

(۴) توبه بندے صورتے در ماندۂ
کے تو حرف حق احمد خواندۂ

منصور نامه

(۱۵) گفت ایندم میگزارم من نماز
پس وضو سازم بخوں اے پاک باز

(۱۶) کیں نماز عشق را ایں جا وضو
راست ناید جز بخوں اے خوبرو

(۱۷) بعداز آں شبلی بگفت اے مرد کار
از تصوف ایں زماں رمزے بیار

(۱۸) گفت کمترزیں کہ می بینی بہ بیں
تا ترا در راہ حق باشد یقیں

(۱۹) باردیگر گفت کاے صاحب نظر
ازطریق عشق دہ مارا خبر

(۲۰) گفت عشق ایں جا بود گردن زدن
بعد از انش آتش اندر سوختن

(۲۲) ایں بگفت و ایں چنیں شد حال او
منتشر شد در جہاں احوال او

(صفحه ۱۸ - بیت ۱۴ - ۲۲)

(۵) پیشواے ماهمه چوں مصطفیٰ است
لاجرم آنچه تو گفتی نیست راست

(۸) بعد ازاں منصور گفتش شو بدر
از رموز سِرّ معنی بے خبر

(۹) تو برهنه صورت واماندۂ
کے تو هرگز حرف احمد خواندۂ

بے سر نامه

(۵) "لی مع الله" گفت احمد درمیاں
تو کجا دانی که هستی بے نشاں

(۶) وازمن گفتست احمد ازصفا (کذا)
تو کجا دانی که هستی بیوفا

(۷) تو صورت همچو کافر ماندهٔ
واصل حق را تو کافر خواندهٔ

(۸) خرقهٔ ناموس را پوشیدهٔ
وانگهی طاوس را کوشیدهٔ

(۹) بت پرستی میکنی در زیر دلق
می نمائی خویش را صوفی بخلق

(۱۰) تو سلوک راه را گم کردهٔ
لاجرم در صد هزاراں پردهٔ

(۱۱) وامکاهی کردهٔ این خرقه را
می فریبی هر زماں این فرقه را

(۱۲) در خودیء خود گرفتار آمدی
لاجرم در عین پندار آمدی

(۱۳) راه تجرید و فنا راه تو نیست
تو سخن کم گوے کآں راه تو نیست

(۱۴) رو که در تجرید ماندی مبتلا
سرّ توحید از کجا تو از کجا

(۱۵) رو که راه بے نشاں راه تو نیست
عقل تو از راه معنی در شکیست

(بند هشتم- بے سر نامه قلمی)

منصور نامه

(۱۰) "من رآنی" گفت احمد درمیاں
توکجا دانی که هستی بے نشاں

(۱۱) "لی مع الله" گفت احمد ازصفا
تو کجا دانی که هستی بیوفا

(۱۳) تو ز صورت همچو کافر ماندهٔ
واصل حق را تو کافر خواندهٔ

(۱۴) خرقهٔ ناموس را پوشیدهٔ
وآنگهی طاوس را کوشیدهٔ

(۱۵) بت پرستی میکنی در زیر دلق
می نمائی خویش را صوفی بخلق

(۱۶) تو شکوک راه خود وا کردهٔ
لاجرم در صد هزاراں پردهٔ

(۱۷) وامکاهی پردهٔ این خرقه را
می فریبی هر زماں این فرقه را

(۱۸) درخودی خود بگرفتار آمدی
لاجرم درعین پندار آمدی

(۱۹) راه تجرید وفنا راه تو نیست
تو سخن کم گوے کآں راه تونیست

(۲۰) رو که در تقلید ماندی مبتلا
سر توحید از کجا و تو کجا

(۲۱) رو که راه بے نشاں راه تو نیست
عقل تو از راه معنی در شکیست

(مثنوی شیخ بهلول ص۱۹، بیت ۲۰۵)

بیسر نامے کے کل دس بند ھیں - نولکشور کے بیسر نامۂ (مشمولۂ کلیات)
میں' بندوں میں بے ترتیبی ھے اور متن بھی بے حد غلط ھے ' اس لئے میں نے
بے سر نامۂ قلمی مملوکۂ پروفیسر آذر سے کام لیا ھے --

(۹) خیاط نامہ

اس کی ابتدا ھے :-

بنام آنکه هستی زو نشان یافت نفوس ناطقه زو نور جاں یافت

اور کتاب کا نام اس بیت میں واقع ھوتا ھے —

چو بر کاغذ نهادم نوک خامه نوشتم نام ایں خیاط نامه

اکثر فہرست نگار مثلاً اسپرنگر ' ایتھے ' عبدالمقتدر خاں اور آئیونات' شیخ
عطار کی طرف منسوب کرتے ھیں' لیکن حاجی خلیفہ (کشف‌الظنون جلد اول صفحہ
۴۷۲ طبع مصر سنہ ۱۳۱۱ ھجری) اس کو خیاط کا شانی کی تصنیف بیان کرتا ھے۔
فہرست نگار خیاط کو بہ تخفیف تشدید 'یا' پڑھتے ھیں' لیکن بیت مذکورۂ بالا میں
یا پر تشدید موجود ھے - مجکو اِس مثنوی کے مطالعے کا موقعہ نہیں ملا --

(۱۰ کنزالاسرار

اِسٹورٹ نے اِس کا نام " کلت کنزالمخفی " لکھا ھے - ڈاکٹر ایتھے نے ' کنزالبحر'
ایک اور نام بتایا ھے - اُس کے خاتمے میں یہ شعر آتا ھے —

رساند نفع را بر خاص و عام ایں که در ششصد نود نه شد تمام ایں

اگرچہ نسخوں میں "ششصد نود نه " ملتا ھے' لیکن ڈاکٹر ایتھے نے اس کو سہو کاتب
پر محمول کرکے اُس کا نسخہ 'پنجصد نود نه ' یا ' ششصد نواز ده ' تجویز کیا ھے *
جو قابل قبول نہیں - میرزا محمد کہتے ھیں: " و اتیه در فہرست کتب فارسیه
دیوان هند .... بیت کنزالاسرار را حمل بر غلط بودن نسخه کرده است و ایں

---

*فہرست کتب فارسیۂ انڈیا آفس نمبر ۱۰۳۱ (۸)

سہواست .... و ایں .... کتاب از عطار نیست .... و " کنزالاسرار معلوم نیست از کیست *" آئیو نان اس معاملے میں میرزا محمد سے بالکل متفق ہے۔ کنزالاسرار کا میرے پاس بھی ایک نسخہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے مصنف کا تخلص تربتی ہے، اُس نسخے میں تاریخ تصنیف سنہ ۶۹۹ ھ کے بجاے سنہ ۷۹۹ھ دی گئی ہے، چنانچہ خاتمے کے چار بیت یہاں نقل کردئے جاتے ہیں :—

گناہ من فزوں از کف دریاست　　فزوں تر هم ز اوراق شجرهاست
گناہ تربتی از حد بروں است　　که من از چه می گویم فزونست
بیا مر ز و بنقد آں بلدۂ حق　　دهد ایں نسخه را با خاق رونق
رساند نفع هم برخاص و عام ایں　　که در هفصد نودنه شد تمام ایں

بہلول کی حکایت کے آخر میں بھی شاعر اپنا تخلص لایا ہے :—

نصیحت هاے مسکیں تربتی را　　بگوش خود بگیرد مرد دانا
بناداں هرچه می گوئی دریغ است　　ازآں که آفتابش زیر میغ است

اس نسخہ کی ابتدا میں نثر کا ایک دیباچہ بھی ہے، جو اِس طرح شروع ہوتا ہے :—

" الحمد لله رب العالمین، والعاقبة للمتّقین، ولاعدوان إلا على الظالمین۔ قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: من حفظ علی أُمّتی اربعین حدیثاً مما یحتاجون الیه کتب الله فقیهاً عالماً۔ وبر امید ایں وعدہ هر که یاد دهد أمت من (کذا) چهل حدیث را که ازاں چیز که محتاجند آدمیاں بآں چیزها، نویسد خداے تعالی ویرا فقیه عالم"

پہلے صفحے میں اُسی طرح سے کئی حدیثیں نقل ہیں اور اُن کا فارسی ترجمہ بھی ساتھ ساتھ دیدیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ساتھ والا ورق موجود نہیں ہے، جس میں دیباچے کا بقیہ حصہ ہونا چاہئے۔ تاهم اِس قدر صاف سمجھ میں آتا ہے

---

*مقدمۂ انتقادی تذکرۃالاولیاے عطار صفحہ ۳۰۔

کہ مصنف نے اُس مثنوی میں چہل حدیث بیان کی ہیں اور احادیث کے مناسب حال حکایات بھی درج کردی ہیں۔ بہرحال "کنزالاسرار" شیخ عطار سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی —

۱۱- وصیت نامہ

دولت شاہ نے شیخ کی تصنیفات کی فہرست میں اِس کو شامل کیا ہے* اِستیورٹ نے اپنی فہرست میں اُس کا نام ' اوسط نامہ ' بتایا ہے† - پروفیسر‡ میترا نے ' مثنوی مصباح ' لکھا ہے اور فہرست نگار عطار کی تصنیف مانتے ہیں۔ اِس مثنوی کا پہلا شعر ہے :—

اے بنامت کار هارا افتتاح   نیست بے نام تو در امرے فلاح

لیکن اِس مثنوی کے ایک شعر سے جو پروفیسر میترا نے فہرست کُتب§ فارسیهٔ ریاست کپورتهلا سنہ ۱۹۲۵ع میں نقل کیا ہے : معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۸۵۲ ھ کی تصنیف ہے' وہ یہ ہے :—

چوں گذشت از هجرت خیرالانام   هشتصد و پنجاه و دو ایں شد تمام

اِس لئے همیں ماننا چاهئے کہ اس کتاب سے عطار کو کوئی تعلق نہیں

(۱۲) مظهرالعجائب

دولت شاہ اس تصنیف سے واقف نہیں - امین احمد رازی' قاضی نوراللہ شوستری اور حاجی خلیفہ اِس کا ذکر کرتے ہیں - معلومہ نسخوں میں سب سے پُرانے برتش میوزم§ اور بانکی پور⊕ کے کُتب‌خانوں میں ہیں' اِن پر کوئی

*تذکرۂ دولت شاہ صفحہ ۱۹۰ مرتبۂ پروفیسر براون -

†منقول از فہرست کتب فارسیۂ انڈیا آفس-

‡ دیال سنگھ کالج لاهور میں عربی اور فارسی کے پروفیسر اورپنجاب یونیورسٹی میں لیکچرر ہیں-

§ صفحہ ۱۰۴ و نمبر ۱۸۴ -

§ ایڈ نمبر ۱۶۶۲۱ ' صفحہ ۵۷۹' جلد دوم ' فہرست کتب فارسیہ-

⊕ نمبر ۴۶' صفحہ ۲۵ (۲) ' فہرست کتب فارسیہ -

تاریخ نہیں، لیکن فہرست نگار وں کی راے میں گیارھواں صدی کے نوشتہ ہیں اِس سے گمان گزرتا ہے کہ "مظہرالعجائب" گذشتہ تصنیفات کے مقابلے میں سب سے کم عمر ہے - تمام فہرست نگار حسب معمول عطار کی تصنیف مانتے ہیں —

جب میں اِس کتاب کے تبصرے کے لئے آمادہ ہوا تو لاھور میں اُس کا ایک نسخہ تک موجود نہ تھا، مجبوراً میںنے اپنے حلاّل مشکلات پروفیسر سراج‌الدین آذر کی خدمت میں دستگیری کی التجاکی، اُنھوں‌نےکوشش کر کے تھوڑھی عرصے میں تین نسخے مہیّا کردئیے، میں اُن کی اِس مہربانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں- اِن میں سے ایک نسخہ یار علی نے کلکتہ * میں ۱۵ جمادی‌الاول سنہ ۳۳ عالمگیری موافق ۱۱۲۰ھ میں نقل کیا تھا - اس نسخہ کے ۶۶۲ صفحات اور فی صفحہ تیرہ، چودہ، پندرہ یا سولہ سطریں ہیں، اِس لئے اشعار کی تعداد تخمیناً نو یا دس ہزار کے در میان ہوگی - ابتدا کا شعر ہے

آفرین جان آفرین جان جان زآں کہ ھست او آشکارا ھم نہاں

چونکہ کتاب چھپی نہیں ہے، اس لئے اِس کے بعض عنوان یہاں نقل کئے جاتے ہیں :—

در بیان کتاب خویش - روایت نجم‌الدین کبری، در آمدن سید کائنات بحجرۂ علی علیہ السلام - گفتن نے نجم‌الدین کبری را حال خود - سپردن پدر شیخ

---

* سنہ ۱۷۰۰ع مطابق سنہ ۱۱۱۲ھ کے قریب ایسٹ انڈیا کمپنی نے دیہات سوتانتی، کالی کتا اور گوبند پور شہزادہ عظیم‌الشان صوبہ دار بنگال سے خرید کر کلکتہ کی بنیاد ڈالی - تعجب ہے کہ ایسے ابتدائی زمانے میں مسلمان کاتب کلکتے پہنچ جاتے ہیں- مگر تاریخ جلوس عالمگیری اور تاریخ ھجری آپس میں مطابق نہیں ہیں- سنہ۳۳ جلوس عالمگیری سنہ ۱۶۹۰ع مطابق ۱۱۰۲ھ کے مطابق ہے، جب کہ کلکتہ کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا، سنہ ۱۱۲۰ھمیں اورنگ زیب زندہ نہیں تھا، کیوں کہ سنہ ۱۱۱۸ھ میں وفات پاچکا ہے - اگر کاغذ، خط اور سیاھی کی شہادت کا لحاظ کیا جاے تو نسخۂ ھذا کی تاریخ تیرھویں قرن ھجری کی ابتدا میں ماننی پڑیگی-

رابهعلم ' دیدن شیخ پیر سالک و رسیدن بسید ناصر ' آوردن جبرئیل سیبی بنزد سید کائنات ' درآتش رفتن بوذر غفاری با امیرالمؤمنین ' در واقعۂ پیرسالک که پیش شیخ آمد - قصۂ جنگ خندق - شکستن ایاز گوهر رابفرمان سلطان محمود ' قصۂ سید با شیروغلام - دربیان اهل مناصب - قصۂ شقیق بلخی و امام موسیٰ کاظم و هارون الرشید - قصۂ پادشاہ احمد ' قصۂ خواجہ ابرار و امام ابوبکر - قصۂ حکیم و پیر عراقی - پنددادن شیخ حسین فرزند را - قصۂ پادشاہ عادل وامیران ظالم - قصۂ عیّاران خراسان و بغداد - سوال کردن پیر سالک از عطار - سوال از شیخ شبلی - در واقعۂ خواجۂ نیشا پوری ورفتن شیخ —

اس کتاب ¹ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ذو بحرین ہے ' یعنی صفحہ ۳۴۷ تک بحر رمل مسدس میں اشعار ملتے ہیں اور شعر: —

گنہگارم زفعل بد گنہگار خداوندا توئی دانای اسرار

سے بحر ہزج میں طبع آزمائی کی جاتی ہے ' اور بیت:

باز نقلی هم ز شبلی گویمت سرّی ازاسرار غیبی گویمت (ص ۵۸۵

سے دوبارہ رمل کی طرف مراجعت کی جاتی ہے اور خاتمے ² تک یہی وزن رہتا ہے —

چند کلمے جوہرالذات اور مظہرالعجائب کے تعلقات کی نسبت کہنے مناسب معلوم ہوتے ہیں ' اگر چہ دونوں کتابوں میں زبان اور مضمون کے لحاظ سے کوئی اتحاد نہیں ' تا ہم صاحب "مظہرالعجائب" مصر ہے کہ جوہرالذات میری تصنیف ہے '

---

¹ علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مقدمۂ تذکرۂ "عطار" میں اور پروفیسر براون نے جلد دوم "تاریخ ادبیات ایران" میں شیخ عطار کے اکثر حالات اسی کتاب کے حوالے سے نقل کر کے اس کو ایک نا واجب امتیاز دے دیا ہے —

² ایک مقام پر چند صفحات کے لئے پھر بحر بدل دی گئی ہے - اس قسم کی اور مثالیں بھی ہوں تو کوئی تعجب نہیں —

اور قدم قدم پر اس کا اعلان کرتا ھے اور سینکڑوں موقعوں پر دونوں کتابوں کا نام ساتھہ ساتھہ لاتا ھے اور دعویٰ کرتا ھے کہ اگر چہ مینے سوکتا بیں لکھی ھیں ، لیکن "جوھر" اور "مظہر" اِن میں نہایت قیمتی اور چوتی کی کتابیں ھیں : —

جو ھر ذاتم جہانرا جاں بود ز آنکہ او از معنئِ قرآں بود
مظہر من را لسان الغیب داں اوست اسرارِ دو عالم رازباں (ص ۶۲۰)
ز مظہر گردي تو انسان کامل زجوھرِ ذاتِ من گردی تو واصل (ص ۵۳۲)
مظہرم می خواں و جو ھر گوشدار تا بیابی در معنیٔ بیشمار (ص ۱۲۳)

اِن بیانات سے خیال پیدا ھوتا ھے کہ دونوں کتابیں ایک ھی مصنف سے علاقہ رکھتی ھیں ، لیکن اِن کی زبان ، انداز کلام اور تاریخی معلومات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ھوتا ھے کہ دونوں کتابوں کے مصنف دو مختلف شخص ھیں ، مثلاً ، الفاظ "حقیقت" اور "جاکاہ" وغیرہ جو صاحب جوھر کے لئے عصائے پیری کا حکم رکھتے ھیں ، مظہر میں مطلق غیر حاضر ھیں ۔ بعض باتیں ان میں مشترک ھیں ، مثلاً : مظہر میں "ابا" کا استعمال خال خال موقعوں پر نظر آتا ھے ، مگر جو ھر کے مقابلے میں بہت کم ھے ۔ ادائے مضمون میں ، دونوں کتابوں میں ، بے ترتیبی اور طوالت کا ڈھنگ موجود ھے ۔ دماغی قابلیت اور شاعری کے لحاظ سے دونوں مساوی ھیں ، صرف انیس بیس کا فرق ھے ۔ ایک ھی لفظ یا فقرے کی تکرار سے اشعار کی ابتدا ھونا جو "جوھرالذات" کا خوفناک پہلو ھے "مظہر" میں اس سے بھی وسیع پیمانے پر نظر آتا ھے ۔ ناصر خسرو کو دونوں کتابوں میں ایک قابل حرمت حیثیت حاصل ھے ۔ "جو ھر" میں حضرت علی کا ذکر نہایت احترام اور توقیر کے ساتھہ ملتا ھے ، لیکن وہ عقیدت اور خلوص غیر حاضر ھے ، جو مظہر میں نمودار ھے ، یہاں حضرت علی کو وھی رتبہ حاصل ھے ، جو "جو ھر" میں منصور کو دیا گیا ھے ، تاھم صاحب مظہرالعجائب کہتا ھے : —

از برائے روح احمد جو ھرم وز برائے روح حیدر مظہرم ۔

اس سے میں خیال کرتا ہوں کہ مصنف مظہرالعجائب نے غالباً "جوھرالذات" کو دیکھا تک نہیں، کیونکہ یہ کتاب جس کا "ھیلاج نامہ" ایک سلسلہ ہے' درحقیقت منصور کے لئے لکھی گئی تھی - "جوھرالذات" میں روا داری کی روح موجود ہے اور تمام فرقوں حتیٰ کہ گبر و ترسا و یہود کو بھی مساوی مان لیا گیا ہے - مظہر میں مذہبی جوش غالب ہے اور مصنف سوائے اپنے عقیدے کے لوگوں کے سب پر تبرا بھیجتا ہے - جو ہر میں منصور کی طرح دار پر چڑھائے جانے کی آرزو بیحد زبردست ہے' لیکن صاحب مظہر کو عام انسانوں کی طرح اپنی جان عزیز ہے —

یہاں مظہر کی بعض خصوصیات لسانی بیان کی جاتی ہیں

ابا' بمعنی با :-

آں امامے کو بحق اسرار گفت　　هم ابا منصور هم بادار گفت (ص ۴)

رو تواین بیعت ابا مظهر به بند　　تاشوي درملک معنی سر بلند (دیگر)

زانکه حیدر در درون یار گفت　　هم ابا منصور هم بادار گفت

باشش' بمعنی سکونت :-

اے برادر علم معنی دانش است　　زاں سرا در کوے معنی باشش است (دیگر)

هر کرا باشد سعادت رهنموں　　جاے باشش باشدش شاپور و توں

زائده' بجاے زائیده :-

خود نظامی بود از من زائده　　داده ام او را بمعنی فائده

قبولند = مضارع :-

اگر من راستی گویم ملولند　　طریق راستی را کے قبولند

رافض بجاے رافضی :-

اے منافق تو مرا رافض مخواں　　زآنکه هستم من محب خانداں

هر که رافض خواندم ملعوں شود　　همچوسگ دایم سرش درخوں شود

روافض بجاے رافضی :-

زنا دانی روافض خوانیم تو ز دین مصطفی میرا نیم تو

خارج بجاے خارجی :-

ازیں مردم بسے دیدیم خارج ازاں کردیم شاں از دوست خارج

تذکیرہ بجاے تذکرہ :—

کتابے را کہ تذکیرہ نامست مر او را شربت کوثر بجامست (دیگر)

محبان علی خواهی بدانی بذکر اولیا تذکیرہ خوانی

بعض اسالیب ایسے موجود هیں' جن سے معلوم هوتا هے کہ مثنوی مولانا روم مصنف کے زیر مطالعہ رهی هے—

(مظهرالعجائب) (مثنوی معنوی- طبع نولکشور سنه۱۹۰۰ء)

استون بجاے ستون :—

چار یارند لیک در مذهب یکند گرچہ تقلید ست استون جہاں

چار استون شریعت بیشکند هست رسواهر مقلد زامتحاں (ص۴۸۶)

خانۂ در شرع احمد ساختند پر پئے غیر است سر از بہر من

چار استوں اندرو پرداختند خانۂ سمع و بصر استون تن (ص۳۰۸)

اشکست بجاے شکست —

گفت ایں در را چرا اشکست تو اے در ازا شکست خود برسر مزن

بعد ازیں خواهد شدن اشکست تو کز شکستن ر ر شنی خواهد شدن (ص۳۱۰)

اشکاف بجاے شکاف —

مرا خود طاقت اشکاف نبود پس کنیزک آمد ازا شکاف در

چنیں ز جرے بہ او اطاف نبود دید خاتوں را بمردہ زیر خر (ص۴۲۴)

اس کے علاوہ سلطان محمود کے حکم سے ایاز کے گوهر توڑنے کی حکایت دونوں مثنویوں میں عام هے - مولانا روم کی غزل کا ایک مشهور شعر هے :—

من ز قرآں بر گزیدم مغز را پوست را پیش سگاں انداختم

مظہر العجائب میں یوں آتا ہے :—

روز قرآں مغز گیرد پوست ماں   پوست را انداز پیش کرگساں

شیخ عطار کی عادت کے برخلاف مصنف مظہر العجائب اپنے متعلق بہت کچھ کہنے سننے کا عادی ہے۔ چنانچہ سب سے زیادہ حکایتیں اُس نے اپنے ہی متعلق لکھی ہیں۔ یہاں وہ جستہ جستہ حالات دیے جاتے ہیں جو کتاب ہذا کے دوران میں مختلف مقامات پر بکھرے ہوے ہیں—

اپنے نام کے لئے کہا ہے :—

ہست نام من محمد با فرید   کشتہ عطار معانی بر مرید

من زباب علم عطار آمدہ   لاجرم گویاے اسرار آمدم

اور حسینی ہونے کا دعویٰ ہے :—

حسینی ام ازاں دامن بکینی   یزیدی کشتنی در خون نشینی

جاے ولادت نیشاپور اور تونی الاصل ہیں :—

خود مرا مولد بہ نیشاپور بود   لیک اصل من ز تون طور بود (دیگر)

اصل من از تون و نیشاپور جاے   باشدم در مشہد سلطاں سراے (دیگر)

اصل من از تون و نیشاپور زہری   خاک طوس است جوہر من از علی

ایام طفلی میں جب تون میں قیام تھا برابر آٹھ ماہ ایک شدید بیماری میں مبتلا رہے۔ مرض روز بروز ترقی کرتا گیا حتیٰ کہ والدین اُن کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ کفن آگیا اور قبر طیار ہوگئی۔ بوجہ اشتداد مرض بے ہوش تھے' اِس عالم میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ آے اور محبت کے لہجے میں اُن سے کہا — میاں لڑکے تو رو مت! ہم تمہیں اچھا کرنے آے ہیں - تم زندہ رہوگے اور تمہارا کلام بہت مقبول ہوگا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر اُن کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے: صاحبزادے! تم ہمارا نام بھی جانتے ہو؟ سنو! میں علی ہوں۔ تم مجھ کو تو تون' طوس' کاشان' حلہ' نیشاپور' سبزوار' روم' نجف' آمل اور ساری میں تلاش کرنا۔

مریض نے اپنا سر حضور کے قدموں پر رکھ دیا۔ آنحضرت کے جانے کے بعد پسینہ آیا اور خدائے پاک نے صحت عطا کردی۔ اس حکایت کا پہلا شعر ہے :-

من ندم در توں بوقت کودکی   گشته بیمار و گذشته از خودی   (ص ۶۱۴)

ایک حکایت میں بیان کرتے ہیں کہ : جب والد نے مجھ کو تعلیم کے لیے بٹھایا تو میرا استاد بھی میرا ادب کرتا تھا، وہ ایک فاضل شخص تھا، حکمت لقمان و تصوف میں کامل۔ جفر روحانی طریقے سے بے واسطہ امام جعفر سے سیکھی تھی۔ نجم الدین کبریٰ کئی مرتبہ اُس سے ملنے آئے، لیکن وہ فخرالدین (رازی) سے ناخوش تھا۔ تین سو باستھد عارف اُس کی خدمت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔ ایک روز وہ اُستاد جس کا نام زبان پر لانا گستاخی سمجھتا ہوں کہنے لگا کہ: میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ دروازے سے کوئی شخص داخل ہوا، جب قریب آیا تو میں نے پہچان لیا کہ رسول اللہ ہیں۔ میں دوڑ کر آپ کے قدموں میں گر گیا۔ اب میں نے جو دیکھا تو آپ کے ہمراہ حضرت علی بھی تھے رسول اللہ نے فرمایا: جانتے ہو میرے ساتھ کون ہیں؟ میں نے عرض کی: اے ختم الانبیا! پہچانتا ہوں، یہ وہی ہیں جو میرے ایمان ہیں اور آپ کے بعد امام ہیں، تمام آفاق اِنہی کی ذات کے پرتو سے روشن ہے، تمام نبیوں کے امام اور پیشوا یہی ہیں، آدم یہی ہیں اور عیسیٰ ابن مریم اور منصور بھی یہی ہیں۔ تب رسول(ص) نے فرمایا : تم اولیاؤں کی سی باتیں کرتے ہو۔ اُس کے بعد ارشاد فرمایا کہ صبح کے وقت تمھارے پاس ایک امیر مع ایک بچے کے آئے گا، اُس کو تم میرا جام اسرار پلادینا، کیونکہ وہ عطار ہوگا، اور عالم پر ہمارے اسرار کھولے گا —

او بود عطّار و عطر افشاں شود   بوے معنیش همه در جاں دود

تم کو چاہیئے کہ عرفانیات میں اُس کو درس دو، نہ زهدیات میں۔ ہم نے اُس کو علم سلطانی، انفاس حکیمی، جفر حیدری، تخت اولیا، تاج انبیا، سِر او کشف اور نور من عرف، عطا کیا ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ جب میں نے استاد سے یہ خواب سنا،

میرے جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی، میں ولایت کے لیے بے تاب ہوگیا اور مختصر یہ کہ جب مرشد نے بدرجۂ غایت مجھ کو وارفتہ دیکھا، ارشاد کیا کہ: علوم صوری کو دل سے بھلا دو۔ میں حکم بجا لایا اور پورے ایک چلے شیخ کی خدمت میں رہا اور اپنے مقصد پر فائز ہوگیا۔ بعد میں اجازت لے کر رخصت ہوا اور عزلت نشین ہوگیا۔ اس حکایت کی ابتدا ہے:—

چوں پدر ایں بندہ را تعلیم کرد   اوستادم هم مرا تعظیم کرد

ایک موقعے پر کہتے ہیں کہ میں نے سات سو دس کتابیں پڑھی ہیں، تب کہیں جاکر علم الہی حاصل ہوا —

هفصد و ده من کتب را خوانده ام   تا معانی حدا دا فسته ام   (ص ۲۶۳)

دوسرے موقعے پر یہ تعداد ایک ہزار بتائی ہے :—

دو پانصد خود کتاب اولیا را   دوبارہ خواندہ ام خود اولیا را

ایام طفلی میں سترہ سال تک مشہد میں رہے اور مزار امام رضا پر راتوں کو اوراد و وظائف پڑھتے رہے، آخر روح امام نے اُن کا مقام نیشاپور تجویز کیا۔

بوقت کودکی من هفتده سال   بمشهد بوده ام خوشوقت و خوشحال

بحال کودکی بر آستانش   به شب ها خوانده ام ورد زبانش

مرا از روح او آمد مددها   دگر گفتا که شا پور است ترا جا

جس زمانے میں "مظہر" لکھی جا رہی تھی، اُس وقت ایک سلطان ابوالقاسم حکمراں تھا۔ اُمرا نے اُس کو ظلم کے راستے پر چلایا۔ اُن کے پیر نے اُمرا کو سمجھایا، لیکن اُنھوں نے پادشاہ کو ظلم سے نہیں روکا۔ شیخ ناراض ہو کر چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد سلطان نے کسی ملک پر چڑھائی کی، اُس ملک کے ایک حقیر سردار نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو تباہ کر دیا۔ اِسی سلسلے میں ترکوں کے متعلق ایک پیشین گوئی کی ہے کہ میرے بعد ترک دنیا کو تباہ کر دینگے اور بہت جلد، بعد اُن کی سلطنت بھی تباہ ہو جائیگی —

بعد من ترکاں کنند عالم خراب　　بس دل مسکیں کہ سازندش کباب
بر ندارد سلطنت شاں در جہاں　　عاقبت ویراں شود شاں خانماں (ص ۳۳۹)

متعدد موقعوں پر ناصر خسرو کا ذکر کیا ہے، بلکہ اُس کی حمایت بھی کی ہے: —

ناصر خسرو کہ اندوہے گرفت　　رفت او خود گوشۂ کوہے گرفت
ناصر خسرو ز سر آگاہ بود　　نے چو تو خود مرتد و گمراہ بود
ناصر خسرو بحق پے بردہ بود　　از میان خلق بیروں رفتہ بود
یار او یک غار بود و تار بود　　او بنور و نار حق درکار بود

اسی حکیم کی ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک روز ایک پیر سالک مجھسے ملنے آیا۔ اثنائے گفتگو میں میں نے اُس سے کہا کہ کوئی عجیب قصہ آتا ہو تو سناؤ۔ پیر سالک نے کہا کہ آج میں وہ قصہ سناتا ہوں جو میں نے ایسے سالک سے سنا ہے جو حکیم ہونے کے علاوہ منصور حسینی کی طرح شاہ تھا (یعنے شاہ ناصرخسرو)

از کمال حکمت او آگاہ بود　　اوچو منصور حسینی شاہ بود (ص ۷۶)

اُس نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ بغداد میں میرا گذر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص سر بسجدہ ہے اور چاروں طرف خلائق کا ہجوم ہے، وہ شخص مناجات میں مشغول تھا، جب مناجات ختم ہوئی، افسر نے جلاد سے کہا بڑھو اور اپنا کام کرو۔ جلّاد اُس کو ایک بلند طاق پر لےگیا اور وہاں سے گرادیا، وہ شخص گر کر مرگیا اور اُس کی لاش آگ میں جلا دی گئی۔ میںنے مقتول پر وجہ سیاست دریافت کی۔ مجھسے کہا گیا کہ دجلے کے کنارے کچھہ لوگ جمع تھے، اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے عقیدے اور مسلک کے مطابق گفتگو کر رہا تھا۔ کسی نے کہا: سب کی اصل حضرت آدم ہیں۔ دوسرے نے کہا: رسول اللہ ہیں۔ ایک نے کہا: نبوت کو فضلیت ہے۔ دوسرے نے کہا: نبوت پر ولایت کو شرف حاصل ہے۔ اِس پر سوال اُٹھا کہ ولایت کس کا حق ہے۔ مقتول نے کہا: حضرت شاہ ولایت کا، جو افضل ہیں

اور جو اِس پر یقین نہیں رکھتا، کافر ہے ۔ مصنف کی دینی حرارت ذیل کے اشعار سے واضح ہوتی ہے :—

خود خدا قفلے ترا برجاں زدہ   راہ دینت بیشکے شیطاں زدہ

ز اں نمی دانی امام خویش را   بیشکے افتادی از مادر خطا

بستر مادر ترا خود پاک نیست   گر ترا مردود گویم باک نیست (ص ۸۰)

جب لوگوں نے اُس سے ایسی باتیں سنیں، زدو کوب کی، ہاتھ باندھ دیے اور شیخ (قاضی) کے پاس لے گئے ۔ شیخ تمام گفتگو سنکر سخت طیش میں آیا، بولا کہ : یہ شخص رافضی ہے، کیونکہ باجماع اہل سنت، ولایت پیغمبر کا حق ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ تھے، ولی نہیں تھے :—

ایں ولایت حق پیغمبر بود   پیش اہل سنت ایں باور بود

او خلیفہ بود، کے بود او ولی   ویں ولایت رانبی دارد نبی

لیکن دیکھو میں بھی اُس کو کیسی سزا دیتا ہوں - یہ کہکر اور خچر پر بیٹھ کر، بار گاہ خلافت کی طرف روانہ ہوا - حاجب نے شیخ کی آمد کی اطلاع خلیفہ کو دی - خلیفہ نام سنتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور استقبال کرکے لایا - شیخ نے تمام ماجرا بیان کیا - خلیفہ نے کہا : یہ تو ایک خفیف معاملہ ہے، میں نے ایسے ہزاروں انسان قتل کئے ہیں، فرزندان علی تک کو نہیں چھوڑا - اُسی وقت ایک ترک امیر کو، جس کا نام "اصیل مرد گیر سمرقندی" تھا، حکم دیا کہ جاؤ پہلے اس مجرم کو قتل کرو اور پھر اُس کی لاش کو جلا دو - شیخ نے اس موقع پر یہ اضافہ کیا کہ تمھیں اِس کار نیک میں بڑا ثواب ملیگا —

جب ناصر خسرو نے یہ ماجرا سنا، اُس کو بیحد رنج ہوا، تب اُس نے بد دعا کی : —

چوں بدید آں ناصر خسرو چناں   گفت بینائی و دانا بیگماں

گفت یارب تو بحق جد من   دور گرداں شاں ز صدق جد من

ناصر خسرو کا بیان ہے کہ میں ایک شب اپنے گوشے میں ملول و غمگیں بیٹھا تھا کہ اتنے میں غیب سے میرے کانوں میں آواز آئی کہ خدا کا عذاب اِس شہر پر نازل ہونے والا ہے، تو یہاں سے نکل جا :—

یک شبے بودم بکنجے درد مند   با دل مجروح و جان مستمند
یک ندا آمد بگوشم کاے حکیم   خیز رو زیں شہر من بیروں سلیم
کز خدا آمد بلاے بے حساب   اوّلش رنج آید و آخر عذاب (ص ۸۲)

میں علی ا لصباح اِس شہر سے نکل کھڑا ہوا - آخر شہر میں ایسی وبا پھوٹی کہ نہ شاہ بچا، نہ اُس کا لشکر اور نہ وہ شیخ —

شاعر کئی موقعوں پر اپنی تصنیفات کا ذکر کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے سو کتابیں لکھی ہیں :—

زبحر علم دارم صد کتب من   در و بنہا دہام اسرار لب من (ص ۳۶۰)

کہتا ہے، پہلے تین کتابیں لکھیں ، پھر ایک ، پھر تین

باوّل سہ کتب تقریر کردم   بآخر یک کتب تحریر کردم
جواهر نامه با مختار نامه   ز شرح القب من رہ برد خامه
ترا معراج نامه پیش حق خواند   جواهر نامه ات خود ایں سبق خواند
ترا مختار نامه چوں بہشت است   بشرح القب دنیا چوں کلشت است
ز بعد ایں کتب خواں سه کتب را   که تا گردد و جودت خود مصفا
بوصلت نامه داں وصل معانی   ز بلبل نامۀ ما وا نہانی
ز هیلا جم جہاں در لرزش آمد   فلک ازقدرتش در گردش آمد (ص۳۵۷)

ایک مقام پر سوله کتابوں کے نام گناے ہیں، یعنے: (۱) مظهر (۲) وصلت نامه (۳) هیلاج نامه ۴ اسرار نامه (۵) منطق الطیر (۶) خسرو وگل (۷) الهی نامه (۸) پند نامه (۹) مصیبت نامه (۱۰) بلبل نامه (۱۱) اشتر نامه (۱۲) تذکرۃ الاولیاء (۱۳) معراج نامه (۱۴) مختار نامه (۱۵) جواهر نامه (۱۶) شرح القب —

بداں خودرا کہ در مظہر تو بینی ز وصلت نامہ نام اظہر تو بینی
بداں خودرا کہ ھیلاجم چنیں گفت کہ از اسرار نامہ در تواں سفت
بداں خود را کہ سرغ لا مکانی کتاب طیر سارا آشیانی
بداں خود را ز حسرو داں تو گل را الہی نامہ گفتست ایں معما
بداں خود را کہ پند سن شفیقست مصیبت نامہ ات ایں دم رفیقست
بداں خود را کہ بلبل نامہ داری باشتر نامہ کے میخانہ داری
بداں خود را اگر تذکیرہ داری جمیع اولیا را دیدہ داری
بداں خود را کہ ایں معراج نامہ بہفتم آسماں دارد نشانہ
بداں خودرا کہ ایں مختار نامہ است دو عالم را از وہم دام و دامست
بداں خود را جواہر نامہ کن گوش بشرح القلب سن فی الحال می نوش (م

کتابوں کی تعداد سولہ ھوتی ھے، لیکن سترہ بتائی ھے -

بداں خود را کہ ایں ھفدہ کتب را نہادم بہ طریق علم اسما م

اور تمام اشعار کی تعداد دو لاکھ دو ہزار اور ساٹھ بیان کی ھے ۔ —

شمار بیت ایں ھا را بگریم سن از کشت معانی تخم ریم
دویست و دو ھزار و شصت بیت است زیادہ یا کمی میداں کہ قید است (م

یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں، کیونکہ شرح القلب اور تذکرۃالاولیا، ا
کتابیں ھیں - اور معراج نامہ ایک ایسی کتاب ھے، جس سے نہ تذکرہ نگار واقف
اور نہ فہرست نگار - رھیں باقی تیرہ کتابیں، ان کے ابیات کی تعداد کسی
میں اٹھاسی ھزار سے زیادہ نہیں ھوسکتی —

مظہر کے دیباچے میں اِن کتابوں کے نام لئے ھیں ۔ —

جوھر ذاتم عجائب بودہ است ھمچوں اشتر نامہ مستی کردہ است
گر تو از سرغ حقائق پے بری منطق الطیرم بخواں تا بشنوی
ور تو اسرار ولایت گوش کن و آں گہے جام نبوت نوش کن

رو مصیبت نامه را از سر بخواں　　تاشود حاصل ترا مقصود جاں

گر تو از خسرو یکے گل داشتی　　بلبل مسکین خود بگذاشتی

گر الٰہی نامہ را گیری بگوش　　جام وحدت را بگیری نوش نوش

گر تو پندم را بیابی در جہاں　　رو عزیزش دار همچو جان جاں

رو بذکر اولیا مشغول شو　　وآں گہے چوں تزکرۂ مقبول شو (ص۱۳-۱۴)

کہا ہے کہ میںنے بہت کتابیں لکھی ہیں، لیکن مظہرالعجائب کو سب پر فوقیت ہے۔

کتب بسیار دارم در جہاں　　لیک مظہر را عجائب نیک داں (ص۱۴)

کتب بسیار دارم گر بخوانی　　از و دنیا و عقبیٰ را بدانی

بداں کیں مظہرم جان کتبہا است　　درو اسرار دین حق ہویدا است (ص۳۵۷)

اُن کو عباسیوں نے بہت بلایا اور زمرۂ علما میں رکھنا چاہا، لیکن یہ گئے نہیں، وجہ ظاہر ہے، یہ حقگو تھے اور وہ حق بات نہیں سنتےتھے —

مرا عباسیاں بسیار خوانند　　مرا بر عالماں خود جہانند (کذا۔نشانند؟)

اگر من راستی گویم ملولند　　طریق راستی را کے قبولند (ص۵۷۳)

ایک حکایت میں جو ص۴۷۶ سے شروع ہوکر ص۵۷۹ پر ختم ہوتی ہے، کہا ہے کہ: ایک پیر سالک نے آکر مجھہ سے تیس سوال کئے اور اُن کے جواب طلب کئے۔ میں یہ سوالات سن کر حیران رہگیا دل میں کہنے لگا کہ الٰہی! ان سوالوں کا جواب کیونکر دے سکوں گا - مجھہ میں یہ توفیق نہیں اور یہ ظالم تمام اسرار غیب مجھسے دریافت کر رہا ہے۔ ان سوالوں کا جواب صرف ہاتف غیبی ہی دیسکتا ہے - میں اِسی شش و پنج میں تھا کہ ہاتف تشریف لایا اور اُس نے مجکو اُن کے جوابات تعلیم کردیئے - جب پیر سالک نے مجھسے جوابات سنے، بولا کہ: اگر یہ حال ہے تو مجکو دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہئے، میرا اصل مقام عقبیٰ ہے۔ یہ کہکر اُٹھا اور جان دے دی۔

مرا از خود همیں معنی تمام است　　مرا عقبیٰ بایں معنی مقام است

قدم در راہ بنہاد او وجاں داد بمعشوق حقیقی او رواں داد

یہ قصہ عطار کے توبہ کرنے اور اُن کے کوچۂ تصوف میں آنے کے قصے سے بہت کچھہ ملتا جلتا ہے اور ممکن ہے کہ تذکرہ نگاروں نے اُلٹا سیدھا تراش کر اُسی کو اور غرض سے اِستعمال کرلیا ہو، یا یہ قصہ اُس قصے کی بنیاد پر تراشا گیا ہو —

متعدد موقعوں پر دشمنوں کے جور و تشدد، اُن کے مذہبی عناد وغیرہ کا ذکر آتا ہے - حب مرتضیٰ کی بنا پر ظالموں نے ایک مرتبہ کامل سال بھر قید رکھا اور مکان لوٹ لیا - آخر حضرت مرتضیٰ نے رحم کیا، قید سے رھائی مل گئی اور جائداد بحال ہو گئی —

تو بر عطار کردی ظلم بسیار کہ داری در دل خود حب کرّار
ز بہر ایں مرا یکساں در بند بکردند آں لعیناں در کہر بند (کذا)
ز بہر اں تمام ملک و مالم بغارت برد او باخواد سالم (کذا)
بقعنم داں تمام بند کانم کشیدند و نماند یکتاے نانم
بآخر مرتضیٰ دریافت مارا بکرد او دفع از ما ایں بلا را
بحق بود و بحق درخواست کرداو همه طفل و معاشم راست کرد او
مرا بکشاد او از بند ایں قوم ز تا یکے مرا او داد ایں بوم
مرا او داد جان نو دریں دهر بزو بر جان دشمن نوش خوں زهر (ص ۴۰۲)

یہی شکایت دوسرے موقعے پر یوں دُھرائی ہے —

اے منافق! آں چہ با من کردۂ کلبۂ ما مثل گلخن کردۂ
خان و مانم را بتاراج سگاں دادۂ تا خاطرت گیرد اماں
قصد کشتن نیز کردی لیک شاہ داد اندر کوئے خود مارا پناہ
روسیہ گشتی بدستت هیچ ماند زاں ترا شیطان ملعوں خویش خواند
کردۂ عطار را تو قصد خوں کردۂ خود را تو از جنّت بروں

بہر حب مرتضیٰ مارا کشی   در دو عالم خویش را رسوا کشی (ص ۴۴۶)

دشمنوں نے ایک بار اُن کے قتل کے لئے وسیع پیمانے پر طیاریاں کیں اور اُن کو مع فرزند کے گرفتار کرلیا - ایک لاکھہ کی تعداد میں جمع ہوگئے جن میں فاضل شیوخ و قاضی و اکابر سے لیکر بازار کے دکاندار تک شامل تھے - ہرایک اُن کے خون کا پیاسا تھا' بالآخردریا' میں پھنک دیا اِس بےبسی کے عالم میں اُنھوں نے خدا کی طرف رجوع کی - الہام ہوا کہ اے عطار مطلق خوف نکر تو دشمنوں کے پنجے سے رہا ہوجائیگا - قدرت الہی ملاحظہ ہو کہ اُس ہجوم میں سے شہباز کی طرح اُڑتے ہوے نکل گئے *

تو اے ناپاک کردی جور بسیار   نہ می اندیشی تو از جور عطار
چہ حاصل کردی از جور چنیں تو   چہ کردی بہر خون ما نکیں تو
جزاے تو خدا در حشر بدھاد   کہ خواھم کرد از تو پیش حق داد
ازیں ظلمے کہ بر عطار کردی   علی را تو ز خود بیزار کردی
ز بہر مرتضیٰ کردی بما جور   جہوداں فخر دارند برتواےکور
کہ حیدر را چرا تو دوست داری   ز بہر ایں بریزم خوں بزاری

---

* میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی نے لسان‌الغیب سے' جو اسی شاعر کی تصنیف ہے' بعض ایسے ابیات نقل کئے ھیں' جو اِس واقعے پر مزید روشنی ڈالتے ھیں :—

بر سر مسند براق تر کماں   در چنیں ظلمے کشادہ او زباں
بر سر من کردہ تر کان اتفاق   تا بریزد خوں کہ دارد او نفاق
اے فقیہ ایں جا بمن پیچیدۂ   فتوئے در خون من بلو شتۂ
قصد جان و مال و عرضم کردۂ   پارۂ جانم زمن ببریدۂ
در بدر از دست تو افتادہ ام   در توکل دل بجاناں دادہ ام
گرد عالم گشتہ ام از دست تو   گفتہ ام بیدادیت را گو بگو
جمع گشتند خلق بہر قتل ما   جرم عطار است حب مرتضیٰ
عاقبت مارا زدست ایں سگاں   حق خلاصی داد از وہم و گماں
بغض حیدر سود نبود اے فقیہ!   آں زبان جانت باشد اے سفیہ

[مقدمۂ تذکرۂ عطار ص یا]

خلاصم کرد حیدر از بلایت — کشم از دوش صورت ایں روایت

قریب صد هزار آدم دریں باب — فگندندت ترا عطارا در آب

چو یونس حق ترا از بطن ماهی — نهاد و کرد آزاد از تباهی

تمام ملک از شیخان فاضل — ز قاضی و اکابر هم زکامل

تمام خلق، عام و خاص بازار — همه گشتند بر قتلم روا دار

همه در قتل و خونم میل کردند — سرا باپور اندر خیل کردند

دریں حالت نیایش در فتادم — در توبه بروریم بر کشادم

ز حق جستم خلاصی نیز خلقاں — به بیں از حق تعالیٰ نص و برهاں

بالهام ندا در داد یزداں — که اے عطار تو خود را مترساں

خلاصی ایں زماں از دست ایشاں — ازیں معنی مکن خاطر پریشاں

بالهام الٰهی همچو شهباز — پریدم از میاں شاں چشم کن باز (ص۴۰۱-۴۰۲)

مظہرالعجائب* کے جلائے جانے کا اشارہ کئی موقعوں پر موجود ہے- تعجب ہے کہ ابھی مظہر ختم بھی نہیں ہوئی ہے کہ دشمن اُس کے جلانے کے منصوبے کر رہے ہیں، حالانکہ شاعر اُس کے چھپانے میں بہت کچھ اہتمام کرتا ہوگا:-

---

* مظہر کے جلائے جانے کا ذکر لسان الغیب میں بھی ملتا ہے- میں میرزا محمد کے مقدمہ سے اشعار ذیل نقل کرتا ہوں:-

زاں بسوزی مظهرم کاں اسم اوست — غافل از سر خدا و دید دوست

اے سمرقندی حذر از سوزشش — چوں کلی ز آتش دریں جا پوششش

لعنت حق باد بر سوزنده اش — چونکه یزداں از در خود رانده اش

تو یزید عصر مانی اے پلید — میکشی نفس حسین ایں جا شهید

اے سمرقندی مکن ایں کار تو — می فرستی خویش را در نار تو

مظهرم گوئی بباید سوختن — چشم مظهر خواں بباید دوختن

در جهاں خوانند مظهر را کساں — بر تو خواهند کرد لعنت بیکراں

(مقدمۂ تذکرۂ عطار، ص یہب)

بسوزی مظہر عطار را تو　　وگر نوری بگیری نار را تو

کلام و هم حدیث و اسم حق را　　بسوزی و نداری هیچ پروا

تو سوزی اسم ایشاں جسم سوزند　　قبہاے ظلم و جور و مکر دوزند　　(ص ۴۳۱)

بدادانی بسوزی مظہرم را　　در و بینی چو نام حیدرم را　　(ص ۴۰۰)

علیٰ ہذا مختلف مقامات پر اپنے ناظرین کو ہدایت کرتا ہے کہ مظہر کو نا اہلوں اور خارجیوں سے محفوظ رکھنا:-

من نمایم جملہ اسرارت تمام　　لیک ایں مظہر نہاں باشد ز عام

کن ز نا اہلاں کتابم را نہاں　　زانکہ دیدم من درو حق را عیاں

جوہر و مظہر بکنجے بز نہ　　خود ورا سر پوش از اسرار نہ

تا نیفتد او بدست خارجی　　منکر مظہر بباشد خارجی

بعد من گر خوانی ایں مظہر تمام　　زینہارش تو نگہدار از عوام

اور مظہر کے خوش نصیب کاتب سے وعدہ کیا ہے کہ میں تجھے ساتھ لیے بغیر کبھی جنت میں قدم نہ رکھوں گا۔—

با خدا بستم بمعنے عہد نو　　بے تو باشد خود بہشتم نا نکو

بے تو اے کاتب نہ باشم در بہشت　　زانکہ ایں مظہر شدستم سر نوشت　　(ص ۴۱۹)

اور ساتھ ھی اِس کتاب میں اعتقاد نہ رکھنے والوں پر دوزخی کا فتویٰ لگا دیا ہے :—

ہر کہ شک آرد بمظہر دوزخیست　　زانکہ ایں مظہر نشان جنتیست　　(ص ۴۲۰)

مصنف مذہباً اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کا ایک رکن بیاں کرتا ہے اور ساتھ ھی گویا ہے کہ میں حضرت علی کو وصی مانتا ہوں اور شیعہ نہیں ہوں:-

من بدین اہل سنت رفتہ ام　　بر طریق اہل سنت بردہ ام

کہ عطار است سنی نیست شیعہ　　نبود او بدین با مطیعہ　　(کذا)

منم سنی و اسرارم عیانست　　جہاں اندر جہاں اندر جہانست

ولیکن پیر و میر ما علی است   از آں کو وارث علم نبی است
دگر او را وصی دانم بحکمش   نبودہ در جہاں خود عدل و ظلمش   (ص ۴۳۱)

دیباچے میں اگرچہ شیخین کے لیے اس نے ایک شعر لکھا ہے :-

از ظہور مصطفی آگاہ شو   با ابوبکر و عمر ہمراہ شو

لیکن جو مذہبی ماحول اُس کتاب میں پیدا کیا گیا ہے 'سنی معتقدات کے عین منافی ہے' بلکہ یہ سنی ہیں جو اِس کے سب وشتم کے آماج ہیں شاعر نے اپنی لعنت اور دشنام کے تمام تیر پوری طاقت کے ساتھ اُن پر برسائے ہیں' وہ سنیوں کو اپنی تمام بد قسمتی کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔اُنھوں نے اُسے قید کیا' کھر لوٹ لیا اور قتل کرنا چاہا - وہ تقلید اور چاروں مصلّوں سے سخت بیزار ہے' چاروں اماموں کی تضحیک کرتا ہے - اُس کے نزدیک چاروں مصلّوں کو ماننے والے مردود ہیں' ع

چار دینی کار مردوداں بود

اہل سنت کو اُن کے دشمن ناصبی کہتے ہیں (جو در اصل خوارج کا نام تھا) مصنف بھی اُن کو اسی نام سے پکارتا ہے' لیکن جائے حیرت یہ امر ہے کہ وہ اُن کو خارجی بھی کہتا ہے اور رافضی بھی - مزید بر آں منافق' مقلد' پیروان معاویہ' عباسی' تقلیدی اور راویوں کے پیرو بھی کہتا ہے - جو لوگ دین علی کے پیرو نہیں ہیں اور چار مذہب کے ماننے والے ہیں' شاعر کے نزدیک وہی رافضی ہیں -

ہر کہ در دین علی نبود درست   رافضی خوانم من او را از نخست
(دیگر) نداںستی کہ رافضی کیست اے سگ   بگریم تا شود خرد خشک ایں رگ
روافض آنکہ دین شہ ندارد   بگوے رافضی ایں رہ ندارد
روافض آنکہ دین غیر دارد   بگوے غیر حیدر سیر دارد
روافض آنکہ از ترحید دور است   بہ علم چار مذہب خود صبور است

ناصبی بادینکے بیدیں شدہ   او ز سر تا پائے خرد سنگیں شدہ
ایں جماعت دشمنان حیدرند   پیش ما لایق بہ تیغ و خنجرند   (ص ۳۲۰)

چار مذهب

خانۂ * دین نبی کردند خراب ‏ ‏ خون مومن ریختن دیدند صواب

چار مذهب بهر ایشان ساختند ‏ ‏ دین ایشان را برون انداختند

بوحنیفه گفت کین دین مهمل است ‏ ‏ پیش من دین نبی خود مجهل است

من دهم احیاے دین مصطفی ‏ ‏ زانکه علم من ندارد خود فنا

شافعی گفتا که قول من حق است ‏ ‏ پیش من گفت نبی خود مطلق است

هر چه گویم از روایت راست است ‏ ‏ این معانی از دل من خاست است

احمد حنبل بگفتا قول من ‏ ‏ بهتر است از قول دیگر در سخن

گفت من چون گفت پاکان روشن است ‏ ‏ آن زمان فیروز که بیرون از تن است

گفت مالک آن امام راست گوے ‏ ‏ برده ام در علم شرعش راست گوے

من به شرع مصطفی در تاختم ‏ ‏ هم چو عیسی در رهش خر یافتم (ص ۳۲۸)

---

* اس نقلی عطار کے مقابلے میں اصلی عطار کے اشعار بھی ملاحظہ ہوں :---

جهانرا هم امام و هم خلیفه ‏ ‏ کرا می دانی الا بوحنیفه

جهان علم و دریاے معانی ‏ ‏ امام اول و نعمان ثانی

چراغ امت آمد آنسرا فراز ‏ ‏ چراغی کو عدو رامی نهد کاز

قضا کردند بروے عرضه ناگاه ‏ ‏ به نپذیرفت آنجان و دل آگاه

نبی بنهاد گنجی جمله رحمت ‏ ‏ بحصۂ بو حنیفه کرد قسمت

گرت از مهر کوفی حاصلی نیست ‏ ‏ چو کوفت جز خرابه منزلی نیست

چرا چون چرخ مقلوبی تودانی ‏ ‏ دگر مطلب چو مطلوبی تودانی

چو داری شافعی و بو حنیفه ‏ ‏ توئی هم مالک دین هم خلیفه

وگراین داری اما آن نداری ‏ ‏ دلے داری و لیکن جان نداری

چو ایشان اند هر دو چشم دین را ‏ ‏ بلہ سراین دو چشم راه بین را (خسرونامہ قلمی)

مطبوعہ خسرو نامے سے یہ اور منقبت اصحاب ثلٰثہ کے اشعار اہل مطبع نے خارج کردئے ہیں، میں نے پروفیسر آذر کے کلیات سے اُن کو نقل کیا ہے - یہ بھی یاد رہے کہ شیخ عطار اپنی مثنویات میں ائمۂ اربعہ کا نہایت احترام سے ذکر کرتے ہیں اور ان کی حکایات بھی نقل کرتے ہیں —

مظہر جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اعزاز میں لکھی گئی ہے - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام کتاب اُن کے عشق و وجدان سے معمور ہے - شاعر نے اُن کی تمجید اور تحمید میں ایسی مبالغہ آمیز زبان استعمال کی ہے، جس سے خود رسول اللہ کے امتیاز یکتائی کو صدمہ پہنچنے کا خطرۂ عظیم ہے - حضرت علی کا مرتبہ تمام مقدس ہستیوں فرشتوں اور انبیاؤں سے بالا مانا ہے - الوہیت کے اگر چہ تمام خطابات اُن کو نہیں دیے گئے، تاہم " بعد از خدا بزرگ توئی " میں تو کوئی گنجائش احتمال نہیں - یہ اشعار ملاحظہ ہوں:—

ہوی اسرار عرفاں مرتضیٰ است	ہمی درجان منصور او خدایست
خدا او را ولی اللہ خواندہ	برفعت مصطفیٰ اش شاہ خواندہ
بہر قرنے بروں آید بلونے *	ازوآباد میداں ایں دو کونے (ص ۳۵۲)
گفت پیغمبر کہ شاہی ز آں تست	مظہر سرّ الٰہی جان آست
درہمہ روے زمیں او مقتدا است	ایں ہمہ درشان شاہ اولیاست
شاہ عشق و شاہ موسیٰ، شاہ طور	شاہ سرور، شاہ اکبر، شاہ نور
شاہ یوسف، شاہ یعقوبست و خضر	شاہ الیاس است در دریاے خزر
شاہ اسمٰعیل و ابراھیم داں	یا چو اسحٰق و چو ھارونش بخواں
شاہ بودہ با جمیع انبیا	ہم ہمو بودہ بمعنیٰ رہنما
شاہ بودہ با محمد درعیاں	ہم ہمو دیدہ ہمہ سر نہاں
شاہ باعیسیٰ است و باروح المداست	رفتہ او بر عرش علیین وراست

* اس شعر سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف حلول کا معتقد ہے اور خود اس کو اعتراف ہے کہ اس پر اس قسم کے الزام لگائے گئے ہیں:—

"تا نگویندت وجودی یا حلول	تا نگویندت چو رافض بوالفضول
بعض گویند اتحادی بودہ است	یا بکیش ملحداں ہم رفتہ است"

شاہ جبرائیل و میکائیل هم   شاہ اسرافیل و عزرائیل هم

زانکه حیدر در درون یار گفت   هم ابا منصور و هم با دار گفت

هم ازو یعقوب و هم موسیٰ شنید   هم ازو عطار و هم کبریٰ شنید

هم ازو جبریل و هم آدم شنید   هم ازو عیسیٰ بن مریم شنید

هم ازو سیّد بمعراجش شنید   هم ازو این جملهٔ عالم شنید

شاعر کے نزدیک ولائے علی کے بغیر نجات نا ممکن ہے :—

گر ترا عمرے دوصد باشد بسال   ور دریں عمرت بخوانی علم قال

روزہ گرداری تو خود عمر دراز   ور بشب دایم گزاری تو نماز

بے ولائے او نیابی ہیچ ذرر   روسیه باشد ترا خرد در حضور

اگرچہ بارہ اماموں کا قائل ہے اور اُن کی مدح بھی دیباچے میں موجود ہے۔
تاہم امام جعفر صادق کا زیادہ گرویدہ معلوم ہوتا ہے اور متعدد مقامات پر
اپنے آپ کو جعفری• کہتا ہے :—

من طریق جعفری دارم چو باب   خوردہ ام از ساقی کوثر شراب

سرِ آنست کو بدین جعفراست   یا چوں سلمان او بدین حیدر است

اے ترا نشناختہ جز جعفری   این معانی را ز فہم ما بری

• شیعوں میں ایک فرقہ جعفری بھی ہے، جو امام حسن عسکری کے بعد اُن کے بھائی جعفر کی امامت کے قائل ہیں۔ لیکن اثنا عشری اس امام کو کذاب کہتے ہیں (از مرات المذاہب)۔ بعض نے لکھا ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے اور نہ ان کا کوئی فرزند محمد نامی پیدا ہوا، اس لئے جعفری امام مہدی کی ولادت کے منکر ہیں (مذاہب الاسلام صفحہ ۱۴۴) ہمارا مصنف بہر حال امام حسن عسکری کے بعد (جن کو غلطی سے ابوالحسن عسکری، شعر:

بوالحسن داں عسکری را در جہاں   بوالحسن داں مہر او در جان جاں

لکھتا ہے) غیبت امام مہدی کا قائل ہے، چنانچہ:

یا الٰہی مہدیے از غیب آر   تا جہاں ز عدل گردد آشکار

اس لئے اس کا شمار اثنا عشریوں میں ہونا چاہئے، جو اپنے مذہب کو حضرت امام جعفر کی طرف منسوب کر کے اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں—

راہ حق چوں راہ جعفر راست است — خارجی از من چہ جہت خر است است
ایں کتب دارد لباس جعفری — معرفت گفتہ باہل معنوی
ترا مظہر ز جعفر داد پیغام — ترا مظہر ز لطف اوست انعام

اِس نظم کو عطار کی طرف منسوب کرنے میں کئی امور دامنگیر تامل ہیں- جن کو مختصراً ذیل میں لکھا جاتا ہے :—

(۱) اُس کی زبان جس کا میرزا محمد قزوینی بھی * دبی زبان سے اقرار کرتے ہیں ' عطار کے حقیقی کلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتی - اُن کا خیال ہے کہ طبیعت میں یہ اضمحلال بڑھاپے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے' لیکن میری سمجھ سے باہر ہے کہ ایک مشاق شاعر جو مدۃالعمر پر گوئی کے لئے معروف ہو ' انحطاط و پیری کے دور میں اسقدر ستھیا جاے کہ معمولی جملوں میں صرف و نحو کی غلطیوں کا ارتکاب کرے - اِس کی سیراب طبیعت کی تمام روانی اور طوفان خیزی بالکل مفقود ہو جاے اور معمولی ترکیب اور بندش کی لغزش ' جملوں کی بے ربطی اور الفاظ کے بے محل استعمال کا مرتکب ہو ' وزن وقوافی کے معمولی قواعد کو بالاے طاق رکھدے - نظم میں اسقدر اختلال اور لغزش' البتہ اختلال دماغ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے' نہ اضمحلال طبیعت کی طرف - عطار کی یہ تصنیف بہت کچھہ مولانا آزاد کے دور جنوں کی یادگار "جانورستان" اور "سپاک و نہاک" سے مماثل ہے-

---

* میرزای موصوف کے اصل الفاظ یہ ہیں —

" یکے از تالیف آخری عطار مظہر العجائب است و در مقدمۂ ایں کتاب غالب کتب مصنفہ اش را کہ از جملہ تذکرۃالاولیا ست نام می برد و اشعار ایں کتاب بالنسبۃ بسایر اشعار عطار تفاوت واضح دارد در پستی و سستی و قدرے رکاکت- وہر کس منطق الطیر و الہی نامہ وخسرو وگل و دیوان عطار را مطالعہ کردہ باشد' براے او قدرے مشکل است' اعتقاد کند کہ صاحب مظہرالعجائب باآنہا یکے بودہ است و ظاہراً علت ایں انحطاط و خمود طبع است درسن کہولت " - (مقدمۂ تذکرۂ عطار' ص ط - ی مرتبۂ پروفیسر نکلسن)

لیکن میں اس نظریے کا بھی معتقد نہیں ہوں، کیونکہ شاعر اپنی تصنیف کی خامیوں سے باخبر ہے اور رفع اعتراض کی بیسود کوشش کرتا ہے - اس کی صرف و نحو کے متعلق ایک بے با کانہ انداز میں کہتا ہے :—

جوہر و مظہر باہل دل دہم　　　صرف و نحو ش را باہل گل دہم

دوسرے موقعے پر کہا ہے :—

جوہر من نیست شرح نحو و صرف　　　ز آنکہ او در نقطۂ گشتست حرف

گویا وہ اپنی ذات کو اِن فنون کے ضوابط کی پا بندی سے بالا سمجھتا ہے- یہی نہیں، ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ: میںنے یہ کتاب عام زبان میں اس لئے لکھی ہے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں - میں اسی کو نفیس عبارت میں لکھ سکتا تھا، لیکن عامۃالناس اس کے سمجھنے سے قاصر رہ جاتے —

من ایں مظہر بلفظ عام گفتم　　　گہے پختہ و گاہے خام گفتم

کہ فہم خلق در وے خوش بر آید　　　ز جہل و کبر خود بیروں بر آید

وگر نہ خود بالفاظ شریفش　　　ہمی گفتم کہ می آمد شریفش

ولے درویش از و محروم میماند　　　بہ پیش خادم مخدوم میماند

اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ شخص کوئی بہروپیا ہے، جس نے خاص مقاصد کو مد نظر رکھکر شیخ عطار کا سوانگ بھر لیا ہے - چونکہ اس کے پاس نہ عطار کا دماغ ہے، نہ اُن کی طبعیت اور نہ علمیت، اس لئے یہ تمام اضمحلال ہے اوراسی لئے خیالات میں اسقدر ابتذال اور عبارت میں خامیاں ہیں، جس کے پڑھنے سے طبعیت متنفر ہوجاتی ہے - ایک شخص عطار کا تخلص اختیار کرنے اور اس تخلص کی رٹ لگانے سے (جیسا کہ مصنف اِس تصنیف کے دوران میں دیکھا جاتا ہے)عطار نہیں بن سکتا —

(۲) تاریخی لحاظ سے نظر ڈالتے ہوے متعدد خامیاں اور پائی جاتی ہیں - مشاہیرکے زمانوں اور اُن کے سنین و سال سے مصنف بےخبر معلوم ہوتا ہے -

شیخ نوری کو عطار کا هم عصر خیال کرکے ایک حکایت تراشتا هے' جس میں شیخ نوری اس کے گھر آتے هیں اور حرب صفین ونهر وان کی تاریخ سناتے هیں :

خواجۂ نوری بما همخانه شد — از وجود ناقصاں بیگانه شد
علم معنی از وجردش همچو نور — شعله می زد بر طریق کوه طور
یک شبے درپیش من آں بحر راز — از حکایات شهاں می گفت باز
از معانی و مشایخ و ز علوم — از احادیث نبی و از نجوم
گفت و گوے بود مارا خود بهم — از مقالات صحابه بیش و کم
گفتمش از حرب صفین گو سخن — و ز مصاف نهرواں هم یاد کن

حالانکه شیخ نوری جنید کے هم عصر هیں اور سنه ۲۹۴ هجری یا سنه ۲۹۵هجری میں وفات پاتے هیں اور پھر لطف یه هے که شاعر ان کو ایک حکایت میں شیخ شبلی کے وعظ میں بھی حاضر مانتا هے—

حسین منصور کا اُس نے نیا نام رکھا هے یعنے منصور حسینی:-

جام اسرار معانی نوش کُن — همچو منصور حسینی جوش کُن
از کمال حکمت او آگاه بود — همچو منصور حسینی شاه بود

عطار حسین بن منصور کے حالات ایک معقول پیرایے میں اپنے تذکرے میں لکھه چکے هیں جس میں اُنهوں نے حسین کے متعلق صوفیوں کی تمام روایات کو جمع کردیا هے' لیکن عطار کا یه مثنوی جو تذکرة الاولیا کی تصنیف کا مدعی بھی هے' تذکرے کے بیانات کے بالکل برعکس ایک طویل حکایت منصور کے متعلق لکھتا هے جس میں شقیق بلخی جاکر خلیفه هارون‌الرشید کو سمجھاتے هیں که تم نے چونکه منصور کو قتل کرادیا هے اور وه حضرت موسیٰ کاظم کا آدمی تھا' اس لیے تمهیں چاهئے که اب جاکر حضرت امام سے اس قتل کی معافی مانگو - هارون‌الرشید پر شیخ کی نصیحت کا اس قدر اثر هوتا هے که سیدھا حضرت موسیٰ کاظم کی خدمت میں پهنچتا هے' معذرت خواه هوتا هے اور کهتا هے که اب تک آپ کی طرف سے غافل

رہنے کی معافی مانگتا ہوں، آیندہ آپ جو حکم دیں گے، بسرو چشم بجا لاؤں گا۔ آپ حقیقت میں ہمارے پیشوا ہیں، کیونکہ آپ ہی نقد خیر المرسلین ہیں اور میرا ملک در حقیقت آپ کی ملک ہے، جس طرح منصور کے الفاظ آپ کے الفاظ تھے :-

من ترا دانم که ملکم حق تست — گفتهٔ منصور هم از نطق تست

دشمن آپ کی تاک میں تھے اور منصور کو بھی اسی لیے لپیٹا گیا کہ وہ آپ کے محبت کیشوں میں تھا اور آپ کی درگاہ پر سجدے کیا کرتا تھا وہ برابر پانچ سال تک میرے کان بھرتے رہے کہ جب منصور امام کے آستانے پر پہنچتا ہے، سینکڑوں سجدے* کرتا ہے :-

دیگر آنکه چوں بروں آید ز پیش — سر نہد بر آستاں صد بار پیش

روے و موے خود بمالد بر زمیں — خود خدا را سجده باید ایں چنیں

میں طرح دیتا رہا اور لوگوں سے کہتا رہا کہ اس میں کیا ہرج ہے، خود شیخ بایزید بسطامی جب عیدین میں امام جعفر صادق کے ہاں جاتے تو آستانے پر سجدہ کرتے۔ معاملات کی ابھی یہی صورت تھی کہ منصور نے نعرۂ اناالحق بلند کیا، علما نے اس کے قتل کا فتوی دیا، چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ میرا اگرچہ اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے، لیکن التجا کرتا ہوں کہ آپ میرے اس جرم سے در گزریں۔ امام نے فرمایا: اگرچہ باطن میں تم کو میرے ساتھ عداوت تھی، مگر اس مرتبہ تم کو معاف کرتا ہوں کیونکہ تمھارا اعتراف گناہ اخلاص مندانہ ہے، مگر آئندہ محتاط رہنا اور اہل دین کے ساتھ مخلصانہ پیش آنا۔ ذرا ادھر کونے میں تو دیکھو، کون کھڑا ہے؟۔ خلیفہ نے کونے میں نگاہ ڈالی دیکھا تو منصور حلاج کھڑا تھا۔ ہارون نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا —

---

* صفویوں نے جب وہ صاحب الزماں کے نائب مان لیے گئے ہیں، سجدہ کی رسم کو رواج دیا، کوئی تعجب نہیں اگر اس قسم کے قصوں سے اس رسم کی حرمت ملوائی گئی ہو —

اِس قصے کی لغویت ناظرین میری مدد کے بغیر معلوم کرسکتے ھیں کیونکہ منصور حلاج اور ھارون‌الرشید کے زمانوں میں ایک صدی سے زیادہ کا فرق ھے۔ خلفیہ ھارون‌الرشید سنہ ۱۹۳ھجری میں وفات پاتا ھے اور منصور سنہ ۳۰۹ ھجری میں دار پر چڑھایا جاتا ھے۔ شیخ شقیق بلخی متوفی سنہ ۱۹۵ ھجری اور ھارون‌الرشید کی ملاقات کا ذکر خود شیخ عطار نے اپنے تذکرے میں کیا ھے اور تمام گفتگو بھی درج کردی ھے* جو زیادہ تر پند و موعظت پر شامل ھے—

(۳) سب سے اھم مصنف کے مذھبی عقائد ھیں۔ جو عطار کے معتقدات سے مشرق و مغرب کا فاصلہ رکھتے ھیں۔ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں سنی معتقدات کے متبع ھیں، اصحاب اربعہ و ائمۂ اربعہ کے مداح و ثناخواں ھیں، یہ شخص اس اقرار سے کہ سنی ھے، شروع کرتا ھے، لیکن ایسے جذبات اور معتقدات کا اظہار کرتا ھے جو شیعہ جماعت سے بالخصوص تعلق رکھتے ھیں۔ وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ھر ایسے عقیدے کی، جو سنیوں کے نزدیک قابل احترام ھے، تحقیر و تذلیل کرتا ھے۔ سنیوں کو نئے نئے ناموں سے پکارتا ھے، ائمۂ اربعہ کی مذمت کرتا ھے؛ اصحاب ثلثہ کے لیے اس تصنیف کے دوران میں اس کا قلم خاموش ھے۔ مگر یہ ایک ایسی فروگذاشت ھے جو اُس نے کسی خاص مصلحت کے زیر اثر روا رکھی ھے، جس کی تلافی اپنی دوسری تصنیف لسان‌الغیب میں کر دیتا ھے۔ جہاں علی‌الاعلان اور بقول‡ مرزا محمد

---

* تذکرہ جلد اول صفحہ ۱۹۸، طبع یورپ۔ علامہ محمد بن عبدالوھاب قزوینی کے لیے جو اس کتاب کے پہلے سواح ھیں اور تذکرۂ عطار پر دیباچہ لکھ رھے ھیں، یہ امر ناممکن تھا کہ ایسے قصے پڑھنے کے بعد بھی اس کتاب کی لغویت اور عطار کے نام پر افترا ھونے کے راز سے ناواقف رھتے، تاھم اُنھوں نے اسے اور اسی مصنف کی دوسری خرافات لسان‌الغیب کو عطار کی تصنیف قبول کر لیا۔ کہا ھم یہ سمجھیں کہ اُن کی تاریخ دانی پر اُن کا مذھب غالب آگیا —

‡ مرزا کے الفاظ ھیں: " و دریں کتاب در اظہار تشیع خود بصراحت و بدون تقیہ گوید " — (مقدمۂ تذکرۂ عطار، صفحۂ یب)

بن عبدالوهاب قزوینی " بدرن تقیه" کہتا ہے:—

شیعۂ پاکست عطار اے پسر جنس ایں شیعہ بجان خود بخر
ما ز فارق التجا بر کندہ ایم پے ز نورین شما ببریدہ ایم
بوحنیفہ را ز دست بگزار تو خود برو اندر پے کرار تو

(تذکرۂ عطار، مقدمۂ میرزا محمد قزوینی، ص یب)

میں یہ ماننے کے لیے طیار ہوں کہ عطار تمام عمر سنی رہکر بڑھاپے میں اپنا مذہب تبدیل کر سکتے تھے، لیکن ان کے لیے نئے شیعہ ہونے کی حیثیت سے اپنی تصنیف میں اس مذہب کی تمام روایات و معتقدات کا ماحول پیداکرنا سخت دشوار تھا - یہ بات وہی شخص کرسکتا ہے، جو ابتداھی سے اس مذہب کا پیرو ہو - اس کی تردید میں شاید یہ کہا جاے، جیسا میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے کہا ہے کہ عطارنے تقیہ کرلیا تھا - اول تو یہ خیال کرنا کہ عطار عمر بھر تقیے کے پردے میں زندگی بسر کرتے رہے، ناممکن سامعلوم ہوتا ہے - دوسرے میرزا محمد * معترف ہیں کہ یہ کتاب نجم الدین کبری کی وفات کے بعد لکھی گئی ہے، جو سنہ ۶۱۸ ھ میں تاتاریوں کے ہاتھ سے شہید ہوتے ہیں - تاتاریوں کو اگر چہ ہم اپنے نقطۂ نظر سے وحشی کہنے کے عادی ہیں، لیکن انتظامی قابلیت کا وصف اُن میں بڑی حد تک موجود تھا، اُنھوں نے آتے ہی اپنی سیاسیات کو مد نظر رکھکر سنّیوں کی کثیر تعداد کے برخلاف شیعہ جماعت کی، جو قلیل تعداد میں تھی، مراعات اور تقویت شروع کردی تھی، اس لئے میں نہیں سمجھہ سکتا کہ چنگیزیوں کے عہد میں عطار کے لئے اصول تقیہ کی پابندی کی کیا ضرورت تھی - عطار جیسا کہ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے، نیشا پور میں مقیم تھے اور نیشا پور تاتاریوں کے قبضے میں تھا - میں نہیں جان سکتا کہ تقیہ کا انتساب

---

* تذکرۂ صفحۂ یز —

ایک ایسے صوفی کی طرت جو همیں بے تعصبی اور روا داری کی تلقین کرتا هے اور اپنی وسیع مشربی سے هفتاد و دو فرقه کی نجات میں یقین رکھتا هے کس قدر صحیح مانا جا سکتا هے - همیں اسرار نامه کے یه اشعار ٭ یاد رکھنے چاهییں، جو تلقین اُن میں هے اُس کی آج بھی ضرورت هے —

الا اے در تعصّب جانت رفته	گنا ه خلق با دیوانت رفته
ز نادانی ولے پر زرق و پر مکر	گرفتار علی گشتی و بو بکر
گهے این یک بود نزد تو مقبول	گهے آں یک بود از کار معزول
گر ایں یک به گرآں دیگر تراچه	که تو چوں حلقهٔ بر در ترا چه
همه عمرت دریں محنت نشستی	ندانم تا خدا را کے پرستی
ترا چند از هوا راه خدا گیر	خدا بت گر ازیں پرسد مرا گیر
یقیں دانم که فردا پیش حلقه	یکے گردند هفتا دو دو فرقه
چگویم جمله ار زشت ار نکویند	چو نیکو بنگری خوبان او یند
خدا یا نفس سرکش را زبوں کن	فضولی از دماغ مابروں کن
دل مارا بخود مشغول گر داں	تعصب دار را معزول گرداں

(۴) ایک نہایت عجیب بات یه هے که عطار اپنی اصلی تصنیفات میں کبھی کوئی لغو دعوے نہیں کرتے، نه اُنھیں الہام هوتا هے، نه کرامت کے مدعی هیں، حتی که اپنے مرشد کی طرت بھی کوئی کرامت منسوب نہیں کرتے، اگرچه دیگر مصنفین کے نوشته ایسے قصے اپنے تذکرے اور دیگر تصنیفات میں ذکر کر جاتے هیں - اِس سے هم اُن کی طبیعت کی متانت اور واقعیت پسندی کا اندازہ لگا سکتے هیں - اگر کوئی وصف اُنھوں نے اپنی طرت منسوب کیا هے، تو یه هے که: "دنیا میں ذلیل ترین هستی میں هوں" - شیعه بنکر اُن کی طبیعت مطلق

٭گذشته صفحات میں بعض ایسے اشعار نقل کر آیا هوں جن میں عطار نے متعصبین سے خطاب کیا هے اُن پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے —

بدل جاتی ہے اور اخلاق میں اس قدر ابتذال پیدا ہوجاتا ہے کہ ہر قسم کی غیر ذمہداِرانہ تعلیاں ابلہ فریبی کے لئے شروع کر دیتے ہیں - اُن کا اُستاد اُن کی تعظیم اِس لئے کرتا ہے کہ رسول اللہ اُس کو خواب میں آکر ہدایت کر گئے ہیں- ایک لاکھہ انسان اُن کے قتل کے لئے جمع ہوجاتے ہیں، لیکن یہ اپنی کرامت سے باز بلند پرواز کی طرح اُڑتے ہوے نکل جاتے ہیں اور جاے حیرت یہ امر ہے کہ اتنے بڑے معجزے کے باوجود اُن کے دشمن اُن کے دشمن رہتے ہیں اور بدستور در پئے آزار ہیں- ایک پیر سالک آکر تیس سوال دریافت کرتا ہے، یہ اپنے آپ کو اُن کے جوابات کا نا اہل پاکر بہت خفیف ہوتے ہیں - لیکن ہاتف غیبی عین وقت پر آکر جوابات تعلیم کردیتا ہے - میں پوچھتا ہوں، کیا یہ لغویت عطار کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے؟

(۵) مصنف کی طبیعت پر بجاے صوفیانہ ترک و تجرید و فنا' مذہبی بلکہ فریقی جذبات زیادہ غالب ہیں- جس طرح عشق علی کرم‌اللہ وجہہ اس کے قلب میں موجزن ہے، بغض نواصب بھی اسی طرح جوش و خروش کے ساتھہ لہریں مار رہا ہے۔ اُس کی زبان اِس قدر عامیانہ اور بازاری ہے کہ عطار جیسے فرشتہ صفت انسان کی طرف منسوب کرنا من قبیل محالات ہے، کیوں کہ یہ نقطۂ نظر صوفیانہ معتقدات و احساسات کے بالکل منافی ہے —

(۶) وہ مدعی ہے کہ میں نے سو کتابیں لکھی ہیں، لیکن اپنی تصنیفات کی زائد سے زائد جو تعداد دی ہے، سولہ ہے، اور یہ وہی کتابیں ہیں، جو اور ذرائع سے بھی ہمکو معلوم ہیں- ہر پھر کر کئی سو قعوں پر انھی ناموں کو دہراتا ہے - اب اگر یہ اصلی عطار ہوتا تو زیادہ نہیں، کم از کم باقی کتابوں کے نام ہی بتا دیتا - عطار کی تصنیفات سے اِس کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ دیوان عطار سے ناواقف محض ہے - وصلت نامۂ شیخ بہلول کو عطار کی تصنیف مانتا ہے - تذکرۃالاولیا اور شرح القلب کے متعلق اِس کو یہ علم نہیں کہ وہ

نثر میں ہیں، یا نظم میں۔ اِس لئے اُن کے اشعار کی تعداد اپنے مفروضہ شمار دو لاکھ دو ہزار اور ساٹھ میں شامل کرلیتا ہے، لیکن دیوان کے اشعار کو داخل نہیں کرتا، کیونکہ اُس کے وجود سے ناواقف ہے۔ وہ ایک فرضی تصنیف "معراج نامہ" کا ذکر کرتا ہے، جس کے وجود سے کوئی شخص واقف نہیں۔ جوہرالذات اور ہیلاج نامہ کے تعلق سے مطلق بےخبر ہے —

(۷) اِس کا دعویٰ ہے کہ جوہرالذات میری تصنیف ہے اور اِس دعوے کی تصدیق کی غرض سے دونوں کتابوں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتا ہے، لیکن جوہرالذات ہرگز ہرگز اِس کی تصنیف نہیں ہوسکتی، کیونکہ زبان و انداز کلام اور موضوع کے اختلاف کے علاوہ مصنف جوہر، ہیلاج نامہ میں کہتا ہے کہ یہ میری آخری کتاب ہے :

کتاب آخر است ایں تا بدانی   اگر تو زہرہ داری ایں بخوانی

جوہر کا مصنف فنافی المنصور ہے، اِس کا عقیدہ ہے کہ ہیلاج کے ختم ہونے کے بعد اُس کی شہادت کے سوا اور کوئی مرحلہ باقی نہیں رہتا —

بگو ہیلاج و آں کہ جاں بر افشاں   دل و جاں بررخ جاناں برافشاں (ص ۵۶۱)

اور خود منصور کا پیکر مثالی اِس کو اسی قسم کی ہدایت دیتا ہے، جو ہم جوہرالذات کے تبصرے میں دیکھ آے ہیں، لیکن بعد میں یہ مثل عطار منصور کا عاشق زار اور شہادت کا طلبگار ایک نیا سوانگ بھرتا ہے، مظہرالعجائب پر قلم اُٹھاتا ہے، لسان الغیب نظم کرتا ہے، حب علی اور بغض ناصبی کا وعظ کہتا ہے۔ عطار نہ ہوے بھان متی کا تماشا ہوگیا! مصنف جوہر، جوش شہادت میں، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں دیکھا جا چکا ہے، بیتاب ہے، لیکن مصنف مظہر جب ایک لاکھ آدمی اِس کے قتل کرنے پر مستعد ہوتے ہیں، ایک معجزے کے ذریعے سے اپنی جان بچاتا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ دونوں کتابوں کے مصنفین کو دو مختلف اشخاص تسلیم کیا جائے —

(۸) مظہرالعجائب میں ایک دلچسپ لفظ "تو من" یا "تومان" ملتا ہے۔ اس لفظ کی موجودگی دلالت کرتی ہے کہ یہ کتاب عطار کے عہد سے بہت بعد لکھی گئی ہے، کیونکہ لفظ تومان چنگیزیوں کے ساتھ ساتھ ایران میں آتا ہے، اور سب سے پہلے بحیثیت فوجی اصطلاح رواج پاتا ہے۔ "جہانکشاے جوینی" پہلی کتاب ہے، جس میں یہ لفظ ملتا ہے۔

"تمامت خلائق را دہ دہ کردہ و از ہر دہ یک نفس را امیر نہ دیگر کردہ و از میان دہ امیر، یک کس را امیر صد نام نہادہ و تمامت صد را در زیر فرمان او کردہ و بدیں نسبت تا ہزار شود و بدہ ہزار کشد، امیرے نصب کردہ و اورا امیر تومان خوانند" — (جہانکشا، صفحہ ۲۳، جلد اول)

"چنگیز خاں توربائے تقشی را با دو تومان لشکر مغول نام زد کرد تا از عقب او از آب سندھ بگذشت" — (جہانکشاے جوینی صفحہ ۱۱۲)

بعد میں مالیات کی اصطلاح بھی بن گیا، مثلاً:

"و حقوق دیوانی آں ولایت با آنچہ داخل آں تومان است، پانزدہ تومانی و یک ہزار و پانصد دینار است" (نزھت القلوب حمداللہ مستوفی، صفحہ ۱۴۴، طبع ملک الکتاب)

عطار کا اس لفظ سے آشنا ہونا، اول تو بعید ہے اور پھر اُس کا اِس طرح استعمال کرنا کہ گویا فارسی کا روز مرّہ ہے اور بھی مشکل ہے، امثال ذیل ملاحظہ ہوں:

صد توماں باتست ایں خود قیمتش خود بکشتی و ببردی حرمتش (ص ۱۴۳)

مال عالم داشت گویند صد تومن لیک پوشش شاں نبودہ در بدن (ص ۲۹۳)

در آں عصر او دو سہ میر تمن بود بسالے او دو ساعت پیش زن بود

مرتضیٰ دیدی کہ سرھا چوں گرفت صد تمن جان بداں افزوں گرفت

(۹) شیخ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں، اگرچہ انوری و خاقانی کا ذکر

کرتے ھیں، لیکن شیخ نظامی کے نام سے واقف نہیں، تاھم مصنف مظہرالعجائب (جو اسم بامسمیٰ مظہرالعجائب ھے) اُن کا ذکر کرتا ھے چنانچہ

که نظامی را بیاری در سخن — که بنظامی بگوئی من لدن
که همی گوئی نظام دین منم — که فراز عرش علیین منم

بلکه ایک موقعے پر ایک بے معنی دعویٰ کیا ھے که نظامی نے مجھہ سے روحانی استفادہ کیا ھے

خود نظامی بود از من زائدہ — دادہ ام اورا بمعنے فائدہ

کیا یہ بے حقیقت لاف نظامی کے شعر :

مرا خضر تعلیم گر بود دوش — برازے که آمد پذیر اے گوش

کی تشریح ھے ؟

(۱۰) ھمارا مصنف پیشین گوئیاں کرنے کا نہایت مشتاق ھے۔ ترکوں کے متعلق اُس کی ایک پیشین گوئی گذشتہ صفحات میں مرقوم ھوچکی ھے یعنے :

بعد من ترکاں کنند عالم خراب — پس دل مسکیں که سازندش کباب

ظاھر ھے که شاعر اس بیت میں چنگیزی طوفان کی طرف اشارہ کر رھا ھے۔ چونکه اس عہد سے پہلے مغول دنیاے اسلام پر چھا چکے ھیں، اِس لیے اس بہروپیے نے یہ پیشین گوئی جڑ دی —

اسی طرح ناصر خسرو کی بد دعا سے شہر بغداد میں وبا کے پھیلنے، خلیفه اور اُس کے لشکر کے تباہ ھونے کا ذکر کرتا ھے :

بعد ازاں آں شاہ با لشکر تمام — جملہ مردند و نماند از خاص و عام
آں بلا بر جان اھل بغی بود — ز آنکه از خونش بدانرا سعی بود (ص ۸۳)

یہ وبا نہیں ھے، بلکه ھلاکو کے حملۂ بغداد کی طرف تلمیح ھے —

(۱۱) ایک اور پیشین گوئی کی ھے که میرے بعد ایک درویش روم میں ھوگا جو میرے عقائد کی شراب سے سرشار ھوگا اور میرا خرقه پہنے گا، تم کو چاھئے که اِس کے

ہاتھ سے جام وحدت نوش کرو:

شمۂ از آں ز بعد من بروم	عارفے گوید ز اصل ہر علوم
گر تو اہل وحدتی رو گوش کن	جام وحدت را ز دستش نوش کن
از ہماں جامے کہ من نوشیدہ ام	و ز ہماں خرقہ کہ من پوشیدہ ام
او نیوشد او بپوشد شمس دیں	ایں معانی را بود سر پوش دیں (ص۳۰۱-۲۰۲)

مولانا جلال الدین رومی کی طرف اس سے زیادہ صاف اور صریح تلمیح ہو بھی نہیں سکتی- شمس دیں سے مراد شمس تبریز ہیں—

(۱۲) اگر اب بھی اس جعلی عطار کے متعلق شبہ ہے تو ذیل کے ابیات پر غور کرلیا جاے

گر تو اے شاعر بہ بیلی مظہرم	ور بخوانی یکزمانے جوہرم
آں زماں معلوم گردد شعر تو	حط و خالے خود نیابی اندرو
شعر حافظ خواں* و با قاسم نشیں	زانکہ ایشانند با ملا قریں
بعد من اسرار ایشاں گوش کن	روز خنب عشق شاں می نوش کن

یہ بھی ایک قسم کی پیشین گوئی ہے- حافظ سے مراد خواجہ حافظ شیرازی متوفی سنہ ۷۹۲ ہجری ہیں- اور قاسم سے مراد شاہ قاسم انوار ہیں، جو سنہ ۸۳۵ ہجری یا سنہ ۸۳۷ ہجری میں انتقال کرتے ہیں—

جو شخص ماضی کے مشاہیر کے زمانوں اور اُن کے سنین و سال میں فاحش اور یاس انگیز اغلاط کا مرتکب ہو، وہ مستقبل کی تاریک لوح کے اسرار کیا پڑھ سکے گا- اس لیے ہمیں مصنف مظہرالعجائب کے دعوۓ غیب گوئی کو یک قلم ترک کرکے اصل حقیقت کو بے نقاب کر دینا چاہئے کہ یہ کتاب ایک افتراے عظیم ہے، جو فرشتہ صفت عطار کے نام پرباندھی گئی ہے—

---

* تعجب ہے کہ ایسی صریح شہادت کوصرف نظر کرکے جو اس تصنیف کی مجعولیت کے حق میں موجود ہے، علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی دنیا کو عطار کے تشیع اور تقیہ اور خمود طبع کا افسانہ سنا رہے ہیں —

مولانا روم، خواجہ حافظ اور شاہ قاسم انوار کے ذکر سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب نویں صدی ھجری کے منتصف اول کے خاتمے کے بعد کسی وقت لکھی گئی ہے، بلکہ میں دسویں قرن کے ربع اول میں اس کا زمانہ ماننے کے لیے آمادہ ہوں اور میرے وجوہ یہ ہیں

(۱) اس کے قلمی نسخے گیارھویں صدی سے پرانے نہیں ملتے —

(۲) مصنف اپنے آپ کو، نیز حسین منصور کو حسینی کہتا ہے - اس لفظ کا رواج نویں صدی میں کم، لیکن دسویں صدی میں بہت زیادہ ہوجاتا ہے، خود صفوی اِس کے استعمال کو فروغ دیتے ہیں —

(۳) سجدے کی رسم، جس کا منصور کے قصے میں ذکر آتا ہے، صفوی عہد میں غالباً رواج پاتی ہے —

(۴) سنیوں کے خلاف اِس کتاب میں جو تشدد کا لہجہ اختیار کیا گیا ہے، ایسے زمانے میں ممکن ہے جبکہ ملک میں شیعہ حکومت بر سرا قتدار ہو —

الغرض شاہ اسمعیل صفوی سنہ ۹۰۷ ھ - سنہ ۹۳۰ ھ کا عہد اس تصنیف کے لئے بہت موزوں معلوم ہوتا ہے، جب کہ مذھبی لحاظ سے ایران نئی کروٹ لے رہا تھا، جدید سیاسی انقلاب نے مذہب اثنا عشری کو صدر میں جگہ دیدی تھی، سنی بزور شمشیر شیعہ بنائے جارہے تھے، اُن کے علما قتل کئے جارہے تھے، جس نے انکار کیا، تلوار کے گھاٹ اتار دیاگیا - زندہ ایک طرف، مردوں کی قبریں اُکھڑوا کر پھنکوادی گئیں اور اُن کی ھڈیوں کو جلا دیا گیا - اصحاب ثلثہ کے خلاف بغاوت کی آگ چار سو مشتعل تھی، حضرت فاروق اعظم جن کی بدولت ایران نے نعمت دین اسلام حاصل کی تھی، آج اُنھیں کے نام پر لعنت و نفرت کی آوازیں مسجد و منبر سے بلند ہو رہی تھیں - شاید اسی موقعے کے لئے شیخ عطار نے اپنی الہامی زبان میں اشعار ذیل لکھے تھے :

عجم ز اوّل جہود و گبر بودند　　از آں گوے مسلمانی ربودند

کسے کا جدادش ایماں ازعمر یافت   زمہر او چرا سر وز سوتافت (خسرو نامۂ عطار)

جب زندہ سنیوں کو بزور شمشیر شیعی بنایا جا رہا تھا تو کوی تعجب نہیں اگر مردہ سنی مشاہیر کو بزور قلم ذاتی یا مذہبی اغراض کی بنا پر اسی مذہب کے دائرے میں لانے کی کوشش کی گئی ہو، چنانچہ مظہرالعجائب اور لسان‌الغیب اسی قسم کی کوشش کا نتیجہ ہیں —

عطار اگرچہ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں اور نہ کسی جدید فرقے کے پیشوا ہیں، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اُن کی شہرت سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے مختلف فرقوں نے اُن کو اپنی اپنی اخوت کا رکن بنانے کی کوشش کی ہے - جوہرالذات میں فنا فی‌المنصور کی حیثیت سے دکھائے گئے ہیں - مظہرالعجائب میں ایک اثنا عشری شیعہ کے لباس میں پیش کیے گئے ہیں، حیدر نامہ میں اُنہیں حیدری بنانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اُن کی تصنیفات جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہیں، یہ ہیں ·

(۱) اسرار نامہ (۲) الہی نامہ (۳) پند نامہ (۴) تذکرۃالاولیا (۵) خسرو نامہ (۶) دیوان (۷) شرح القلب (۸) منطق‌الطیر (۹) مصیبت نامہ (۱۰) مختار نامہ —

رہیں باقی پچیس کتابیں، اُن میں تیرہ غیر عطار ثابت ہوچکی ہیں - باقی کتابیں یہ ہیں :—

(۱) اخوان‌الصفا (۲) اشتر نامہ (۳) بلبل نامہ (۴) حقائق‌الجواہر (۵) حیدر نامہ (۶) سیاہ نامہ (۷) لسان‌الغیب (۸) کنزالبحر (۹) نزہت‌الاحباب (۱۰) وصیت نامہ (۱۱) ولد نامہ (۱۲) ہفت وادی —

اِن میں اُشتر نامہ، بلبل نامہ، نزہت‌الاحباب اور ہفت وادی میری نظر سے گذر چکی ہیں، لیکن اُن کا تبصرہ بعض وجوہ کی بنا پر سر دست ملتوی کرتا ہوں، لسان‌الغیب اور حیدر نامہ اگرچہ میری نظر سے نہیں گذریں، لیکن یہ دونوں کتابیں

علی‌الاعلان مجعول مانی جاسکتی ہیں - یہی کیفیت حقائق‌الجواہر کی ہے - کنزالبحر اور کنزالاسرار اصل میں ایک ہی چیز ہیں —

(۱۲ - ۱۳) جوہرالذات و ہیلاج نامہ

اگرچہ مصنف اِن کو علاحدہ علاحدہ کتابیں مانتا ہے' لیکن میں اتحاد مضمون و زبان کی بنا پر دونوں کا تبصرہ ایک ہی ساتھ مناسب سمجھتا ہوں - اشتر نامہ' جوہرالذات اور ہیلاج نامہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں بتائی گئی ہیں - لیکن میرے نزدیک جوہرالذات اور ہیلاج نامہ ایک ہی شخص کی تصنیف معلوم ہوتی ہیں - دونوں مثنویوں سے اکثر تذکرہ نگار واقف ہیں اور فہرست نگار بالاتفاق عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں - اُن کے قدیم نسخے وہ ہیں' جو نویں قرن * ہجری کے نوشتہ ہیں اور کئی کتب خانوں میں ملتے ہیں —

جوہرالذات ایک ضخیم مثنوی ہے جو نول کشور کے مطبوعہ کلیات کی پوری پہلی جلد پر محیط ہے' اس کی دو جلدیں اور ۵۸۲ صفحات ہیں - ہیلاج نامہ ص۵۸۴ سے شروع ہوکر ص۷۷۰ پر ختم ہوتا ہے - فی صفحہ بیالیس ابیات ہیں' اس حساب سے دونوں مثنویوں کے اشعار کی تعداد بتیس ہزار کے قریب ہے —

جوہرالذات کے بعض ممتاز عنوان یہ ہیں —

جلد اول : — تکریم بنی آدم' امامت امیرالمؤمنین علی' حکایت پیر' توحید صرف و بقاے کل' خطاب پدر وپسر و مقالات ایشاں' حکایت پیر' رو گردانیدن شیطان' در مشقت کشیدن آدم از شیطان و شرف انسان' اسرار قربت شیطان' تخلیق آدم فی صورت الرحمٰن' و ہو معکم اینما کنتم' پیدا آوردن حوّا از پہلوے آدم' اسرار اعیان کل' رفتن ابلیس دربہشت بہ تلبیس در دہان مار' مناجات شیطان' اسرار

---

* سب سے پرانا نسخہ وہ ہے جو پروفیسر آذر کے کلیات نوشتۂ سنہ ۸۵۷ھ میں شامل ہے - دوسرا نسخہ برٹش میوزم میں آر (۳۵۳-) ہے جو سنہ ۸۷۷ھ کا نوشتہ ہے -

یافتن حضرت علی کرم‌الله وجهه و در چاه گفتن' اسرار نے' اسرار نفس مردم' سوال امیرالمؤمنین علی کرم الله وجهه و جواب دادن نے در اسرار ها' مکر شیطان با آدم' وحدت صرف و یکتائی ذات و صفات' سوال از منصور و جواب او' تقریر شیخ ابوسعید مهنه' نگاه کردن درویش در کواکب و جواب هاتف' در بے نشانی حسین منصور' مناجات شیخ اکافی' در التماس کردن فنائے کل از شیخ حسین منصور' در سرنگاه داشتن' سوال از حسین منصور و جواب دادن او- حکایت مرد پاکباز' در اثبات ذات کل' آگاهئی دل در اسرار و از تقلید دور شدن' صفت وصل و راز کل وغیره وغیره —

جلد دوم :— سوال از منصور در سر آدم' صفات جان و دل' صفات عناصر' قصهٔ منصور و اعیان او' صفات فیض و حکمت حکما' عین ذات و صفات و قدرت وقدرت اسرار الهی' در آگاهی دادن دل در عین منزل' جو هو حقیقت' صفت دنیا' کشف اسرار حقیقت در نمود صور' در صفت حضرت محمد علیه افضل‌الصلوٰة' گنج جان‌ودل' صفات حضرت پیردانا' صفت معراج‌عین‌العیان' صفت کنت کنزاً مخفیاً' در عیان جام منصور' سوال از منصور در عیان عشق و جواب او' عیان دردنیا و راز منصور' اسرار حسین منصور' در تفسیر الله نورالسموات والارض' در عیان دیدار صورت و معنی سر منصور' سوال صاحب راز از منصور' درواصل شدن سالک و اعیان منصور' سوال از ابلیس و جواب دادن او' سوال از حسین منصور در اسرار ابلیس' حکایات و ابلیس اسرار و ے وغیره وغیره —

هیلاج نامه :- در اسرار عشق بهر نوع' نموداری هیلاج' جواب منصور شیخ جنید را' فنا و بقائے کل' جواب منصور در خطاب حق عز و جل' اعیان جان' حقایق اسرار' سلوک سالک' نموداری عشق' شریعت و طریقت و حقیقت جمله یکیست' کشف حجاب' نموداری یقین' موتوا قبل آن تموتوا' هدایت در ره شریعت' اسرار دل و جان و تفسیر قرآن' حکایت حقیقت منصور' جواب منصور شبلی را'

سوال بایزید از منصور و جواب وے، نموداری سر توحید، گریستن بایزید بر حالت و بیخودی منصور، اسرار گفتن منصور بر دار، سخن گفتن شیخ جنید و شیخ کبیر در کار منصور، نکوهش کردن جاهلے مغرور منصور را و جواب آں، جواب شیخ جنید شیخ کبیر را، عین‌الاعیان توحید، سوال جنید از منصور در حقیقت شرع و جواب آں، سخن گفتن منصور با شیخ کبیر، اسرار گفتن منصور با شیخ کبیر، راز گفتن جنید با شیخ کبیر از هوا داری منصور، اسرار گفتن عبدالسلام در حضور منصور، اسرار گفتن عبدالسلام با شیخ جنید، در نموداری شیخ کبیر با منصور، سخن گفتن شیخ کبیر با منصور از نموداری قصاص، فریدالدین عطار در نموداری خود و اسرار منصور —

اِن سرخیوں کو پڑھ کر ناظرین یہ خیال کریں گے کہ بڑے جلیل‌القدر اور اهم مباحث اِن کے تحت میں مذکور هوں گے، لیکن ایک عنوان کے ذیل میں آدمی دس صفحے پڑھ جاے اور پھر بھی یہ نہ کہہ سکے کہ اس نے کیا سیکھا اور بعض اوقات تو سرخیاں بالکل براے بیت هیں—

مصنف اپنا نام فریدالدین محمد بیان کرتا هے:

حقیقت من محمد نام دارم   ازو پیدا حقیقت کام دارم
فریدالدین محمد هست نامم   محمد دادہ این جا جهله کامم   (ص۳۷۰)

وہ اپنے تخلص "عطار" کے ذکر کرنے کا بیحد شائق هے، کتاب کا کوئی صفحہ ایسا نهیں، جس میں تخلص مذکور نہ هو—

جواهرالذات میں بیان کیا هے کہ میں اشتر نامے میں بعض اسرار بیان کرآیا هوں:

ز اشتر نامہ سر کار دیدی   حقیقت دیدہ وُ دیدار دیدی   (ص۳۰)

لیکن یہ کتاب اس سے افضل هے:

از اشتر نامہ این بهتر نمودم   ز هر دو عالم این بر تر نمودم   (ص۳۹)

اکثر مقامات پر وہ اپنے قتل اور منصور کی طرح دار پر چڑھاے جانے کی

پیشین گوئی کرتا ہے۔

جواہرذات بر گو آشکارہ　　چو خواہد کرد یارت پارہ پارہ
(ص ۳۰، دیگر)

کہ می بینم کہ چوں منصور عطار　　بخواہد سر بریدن زود ناچار
(ص ۴۳، دیگر)

شدستم کشتہ چوں منصور اسرار　　مرا آویختن اندر سر دار
(ص ۴۰۶)

اُس کا خیال ہے کہ جب جوالذات کو پورا کرکے ہیلاج نامہ ختم کر چکوں گا، تب مجھ کو پارہ پارہ کیا جائے گا

جواہرنامہ باقی چند ماند است　　ز بہر ایں دلم دربند ماند است
رسانی ایں تمام آخر بپایاں　　دگر ہیلاج سر ذات جاناں
بگوئی بعد جوہر آشکارہ　　کنندت آں زماں سر پارہ پارہ (ص۳۲۵)

اس شہادت کی بشارت حضرت علی نے خواب میں آکر مصنف کو دی ہے:

شبے دیدم جہاں جان فدایش　　شدہ افتادہ اندر خاک پایش
ازو پرسیدم احوالم سرا سر　　مرا بر گفت اندر خواب حیدر
بگفتم رازہا در خواب آں شاہ　　مرا از کشتن او کرداست آگاہ
مرا گفتا کہ اے عطار ماندہ　　ز سر عشق بر خور دار ماندہ
بسے گفتی ز ما ایں جا حقیقت　　ببردی نزد ما راہ شریعت
حقیقت بر تو ایں در بر کشادیم　　ترا گنج یقیں در دل نہادیم
بکش رنج ایں زماں چوں گنج داری　　ز ما در عشق ہاں کن پائے داری
ترا خواہند کشتن آخر کار　　کہ کردی فاش ایں جاگاہ اسرار
کسے کو راز ما گوید حقیقت　　نبگزاریم او را در طبیعت
حقیقت گفت منصور آں خود دید　　دریں جاگہہ جفاے نیک وبد دید (ص۴۹۱)

مختصر یہ ہے کہ مصنف بے شمار موقعوں پر اپنے قتل و شہادت کی غیب گوئی کرتا ہے ۔ اِس کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ مظہر منصور یا نمودار منصور ہے۔ ہیلاج نامہ کے دیباچہ میں کہتا ہے کہ جب میں جواہر نامہ کو ختم کرچکا، اس فکر میں مبتلا ہوا کہ دیکھیے آیندہ کیا اسرار ظاہر ہوں ۔ اسی فکر میں ایک روز گوشۂ تنہائی میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں میری نگاہ ایک دیوانے پر پڑی جو چپ چاپ آکر میرے سامنے کھڑا ہو گیا ۔ اور پوچھنے لگا کہ تو اس قدر خاموش و ملول کیوں ہے؟ جس کا تو طالب تھا وہی مطلب سامنے کھڑا ہے، تونے سب سے قطع تعلق کرلیا ہے اور تیری شہادت کے سوا اب کوئی مرحلہ باقی بھی نہیں رہا، لہذا تجھے لازم ہے کہ کشف اسرار کرے اور حقیقت کے پردے اُٹھادے، اس کتاب کو تو میرے نام پر لکھنا! میںنے اس سے دریافت کیا، آپ کا نام کیا ہے؟ ۔ اس نے جواب دیا: میں منصور حلاج ہوں، اور عالم میں ہیلاج کے نام سے معروف ہوں ۔ تیری جان میں میں ہی گویا ہوں اور میری ہی وجہ سے تجھکو گویائی حاصل ہے، یہ کہکر میرے قریب آیا، میرے ہاتھ اور سر پر بوسے دیے اور میرے سر پر اسرار کا تاج رکھدیا – اس وقت میں نے آنکھ اٹھا کر ہیلاج کو دیکھنا چاہا، لیکن وہ غائب ہوچکا تھا اور مجھکو ایک نشانی دےگیا تھا، یعنے میرے سر پر ایک کلاہ چھوڑ گیا تھا ۔جب مجھے ایسی ٹوپی مل گئی ہے تو جس قدر فخر کروں بجا ہے ۔ اسرار حلاج کی یہ آخری کتاب ہے، جو میں لکھ رہا ہوں ۔ اس میں معنے کے بیشمار خزانے ہیں *

چو جوہر نامہ کردم فاش آخر نمودم صورت نقاش آخر

بکنجے در نشستم زار ماندہ ضعیف و ناتوان و خوار ماندہ

دریں اندیشہ کہ از بادہ جوہر چہ اسرار آید ایں جاگاہ ظاہر

* اس قصے پر غالباً وہ روایت جو نفحات الانس (ذکر عطار) میں ملتی ہے کہ نور منصور ڈیڑھ سو سال بعد عطار پر تجلی کرتا ہے، تاسخ پاتی ہے یا یہ قصہ اس اروایت کی بنیاد پر نشو و نما پاتا ہے ـــ

نظر کردم یکے دیوانه دیدم　　ز عالم صورتے بیگانه دیدم

که آمد پیش من این عاشق زار　　لب از هم بر کشاد و گفت اسرار

زمانے بود این جا ساکن و خرش　　دگر آورده سر بیرون ز آتش

مرا گفتا چرا در غم نشستی　　در معنے بروے خود به بستی

نه وقت آمد که دیگر راز جوئی　　دگر اسرار جانان باز جوئی

تو این دم عاشقی و راز دیده　　جهان درست در خود باز دیده

طلب کردی و دیدی روے مطلوب　　رسیدی این زمان در ذات محبوب

چرا فارغ نشینی زود برخیز　　دگر در عشق و ذوق فقر آویز

چو کردستی درین جا جملگی ترک　　بجز کشتن نمانده ستت دگر برگ

کنون باید که گوئی سر اسرار　　حقیقت فاش گردانی دگر بار

بنام من کتابے نغز آری　　وگر هوشے دگر با مغز آری

بنام من دهی بنیاد این جا　　دهی امروز این جا داد ما را

خدایم این زمان من واقف خود　　درون جان تو من واصف خود

بدو گفتم که اے جان چیست نامت　　که حق داد است این جا گاه کامت

جوابم داد من منصور حلاج　　مرا نامست در آفاق هیلاج

کنون بنویس مر اسرار ما را　　نگه میدار مر گفتار ما را

درون جان تو مائیم گویا　　توئی از من شده در عشق گویا

بگفت این آن گهے نزدیم آمد　　چراغے در دل تاریکم آمد

بدادم بوسهٔ بر دست و برسر　　نهادم بر سر از اسرار افسر

نظر کردم پس آن گهه سوے بالا　　که تا بینم مبارک روے هیلا

ندیدم هیچ صورت درمیانه　　مرا بخشیدش آن گه یک نشانه

کلاهے بد نشانے بر سر ما　　که آن باشد بعالم افسر ما

بخود گفتم که هان برخیز و خرش باش　　که بنمودست آینک روے نقاش

سر الرازی کن اے بے سرور آخر　　　که این جا نیستت هم سرور آخر
کتاب آخراست این تا بدانی　　　اگر تو زهره داري این بخوانی
(هیلاج نامهٔ قلمی - کُلیات پروفیسر آذر)

یه مثنویاں عطار کی دیگر تصنیفات مثلاً الٰہی نامه، اسرار نامه، منطق الطیر اور مصیبت نامه کے ساتھه کوئی نسبت نہیں رکھتیں ' عطار اگرچه پر گو ہیں، تاہم اُن کے ہاں زبان کا لطف اور متانت کافی مقدار میں موجود ہے ' اُن کا قاعدہ ہے که جس مسئلے کو چھیڑتے ہیں، اسی کو پیش نظر رکھکر اور غیر ضروری امور سے بچکر، ایک خوش مذاقی کے ساتھه اپنے ضروری دلائل اور آرا بیان کر دیتے ہیں- صاحب جوهرالذات اِس بارے میں عطار کے بالکل برعکس ہے، وہ سب کچھه کہه جاتا ہے، لیکن نفس مضمون کو تشنه چھوڑ جاتا ہے، پھر اُس کے بیان کرنے کا ڈھنگ عجیب و غریب ہے - ہر مضمون کے متعلق ایک پر اسرار فضا پیدا کر دیتا ہے - ہر چیز اُس کے نزدیک ایک راز ہے خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ- وہ اس کے گرد اسی طرح گھومتا ہے، جس طرح ایک بلی کسی چوہے کے گرد دبوچنے کے بجائے چکر لگاتی رہے- جن اسرار کے انکشاف کا وہ دعویٰ کرتا ہے بجائے اس کے که اُن کا حال سوچے، یا اُن کے حل کی کوشش کرے، اُن کا وظیفه یا ورد شروع کردیتا ہے - جوبات آسانی سے پانچ شعروں میں کہی جاسکتی ہے، ہمارا مصنف اُن کو پچاس بیت میں ادا نہیں کرسکتا- اُس کا ہر دوسرا مصرع برائے بیت ہوتا ہے —

قدم قدم پر کشف حقیقت و اسرار کا مدعی ہے، لیکن اگر اسرار بیان کرنے کا یہی ڈھنگ ہے، جو اُس نے اختیار کیا ہے تو ایسے بیان کرنے سے اُن کا بیان نه کرنا بہتر ہے —

کھلتا نہیں کچھه اس کے سوا تیرے بیاں سے　　　اک مرغ ہے خوش لہجه که کچھه بول رہا ہے

لیکن پیشتر اس کے که میں اور امور کی طرف توجه کروں مجھه کو چند الفاظ اُس کی زبان اور طرز کے متعلق کہنے ضروری ہیں—

خاص خاص روز مرہ‘ محاورے‘ خیالات‘ الفاظ اور بندشیں مل کر بحیثیت مجموعی‘ کسی مصنف کی شخصیت یا اُس کے انداز تحریر کو قائم کرتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ہمارا شاعر ایک طرز خاص کا مالک ہے‘ جو اس کو نہ صرف عطار سے بلکہ دیگر شعرا سے بھی ممیز کرتی ہے۔ اس کے ہاں حقائق و اسرار کے بیان کرنے کی خاص خاص اصطلاحیں ہیں جو دیگر مصنفین نے کم استعمال کی ہیں۔ مثلاً :

دید‘ دید دید‘ بود‘ بود بود‘ بودنبود‘ واصل دیدار‘ سر‘ راز‘ جاں‘ جان‌جاں‘ کل‘ لقا‘ عیاں‘ عکس عیاں‘ عیان عیاں‘ عیاں در عیاں‘ عیان عشق‘ عین‌الیقین‘ نمودار‘ حقیقت (ذات مصطفوی) شریعت (قول و فعل او) یکرنگی‘ بے نشانی‘ نقش‘ نقاش‘ نقش طبیعت‘ جاناں‘ شاہ‘ دار طبیعت‘ عین طبیعت‘ قربت لا‘ دار‘ اعیان ذرات‘ عین تمام‘ وصال کل‘ عیان یار‘ در وجود مردن‘ عین پرکار‘ مغز‘ پوست‘ عین طبیعت‘ رمز مطلق‘ دیدار دید‘ دیدار اعیاں‘ کل دید‘ نقطۂ پرکار‘ کل لقا‘ ہیلاج جہاں‘ عیان عقل وغیرہ—

’ابا‘ ’بر‘ اور ’بے‘ جیسے حروف اپنی قدیمی شکل یعنی ’ابا‘ - ’ابر‘ اور ’ابے‘ کی صورت میں ملتے ہیں اور ہم کو حیرت ہے کہ یہ شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ کے دور کے یادگار جواہرالذات اور ہیلاج نامہ میں کیسے نمودار ہوگئے‘ حالانکہ عطار کی اور مثنویات میں نظر نہیں آتے۔ امثال :

منم الله و رحمن و رحیمم	ابے صورت یقین حد قدیمم	(ص۴۹۹)
ابے غم شد هر آنکو برد فرماں	ترا ورنه فتاد او سوے زنداں	(ص۳۳۷)
رہ دور و عجب در پیش داری	ابا خود پیر پیش اندیش داری	(ص۳۴۰)
دمے گویم ملت دیدار دارم	ابا تو اندرین سر کار دارم	(ص۳۴۱)
محمد با علی دارند بیشک	وجود لحمک لحمی ابریک	(ص۳۳)
بسے گشتی ابر گرد کمر تو	که با ز این جا بری بوے اگر تو	(ص۲۵)

لفظ ”حقیقت“ بمعنی در حقیقت مصنف کا تکیہ کلام بن گیا ہے امثال :

حقیقت پیر از خود رفت بیروں — کہ بیروں بود او از هفت گردوں
نہ پردہ بود نے شاہ جہاں تاب — حقیقت گم شدہ او اندر و یاب
همہ در پردہ گم دید، یقیں دوست — حقیقت مغز گشت و در عیاں پوست (ص ۳۷)

یہ اشعار میں نے صرف ایک صفحے هی سے نقل کردیے هیں۔ ان کے علاوہ حضرت علی کی بشارت کے اشعار بهی ملاحظہ هوں—

دوسرا تکیہ کلام 'جاگہ' 'جایگہ' اور 'جا گاہ' هے' جو جوهر اور هیلاج کے طول و عرض میں هر مقام پر موجود هے۔ میں کہتا هوں وہ صفحہ نہایت بد نصیب هے جہاں یہ الفاظ نہ هوں' امثال

جهال من ندیدہ غافلا تو — دریں جا گاہ اے بے حاصلا تو (ص۴۹۹)
شد ایں جا گاہ اندر آخر کار — اگرچہ برکشید او رنج و تیمار
در آخر گشت ایں جا گاہ واصل — شدش مقصود ایں جا گاہ حاصل (ص۱۹۸)
مرا ایں جایگہ او منفعل کرد — دمادم پیش خلقانم خجل کرد (ص۱۹۵)
ترا ایں گلشن ایں جا گہ خوش آمد — ازاں اصلت ز باد و آتش آمد (ص۱۸۹)
ز تیر عشق ایں جاگہ بدوزد — پس آنگہ بودت ایں جاگہ بسوزد (ص۱۷۳)

"مے" جو ماضی تمام اور حال کی علامت هے' اصل فعل سے دور لایا جاتا هے۔

چرا خوں میخوری در خاک فانی — ازاں می رہ نبردی و ندانی (ص۲۰۳)
در نفت روشنائی دارد ایں جا — درونت می جدائی دارد ایں جا (ص ۲۰۴)
نفرالهی یافت آخر می رهائی — چرا بیچارہ در قید و هوائی (ص۳۴۳)
بجز خورشید می تا باں نباشد — ندیدی ایں ترا تا واں نبا شد (ص۳۴۸)
نمی دانی کہ می آخر چہ بودت — ز بہر چیست ایں گفت و شنودت (ص۱۲۸)

'من' 'تو' 'او' اور 'ما' وغیرہ مفعولی معنوں میں لائے گئے هیں:

تو دارم درجہاں ز کس نہ دارم — کہ عمرے سوے دیدت می گزارم (ص۲۱۶)

چو من دیدی سنت بنهادیم این راز | حجاب اندازم این دم اخرت با ز (ص۳۳۹)

تمامت مست و حیرانند جانا | بروز و شب تو می خوانند جانا (ص۱۸۴)

تو مارا ذات مارا بین و ما جوے | هر آں راز یکه میداری بما گوے (ص۱۹۱)

زهے حسن تو داده ماه را نور | که در آفاق او دیدیم مشهور (ص۲۱۷)

راے زائده کی مثالیں

خبر دادم شمارا از شمارا | که خواهد بود تاں آخر فنارا (ص۴۳۹)

کجاں پردار اے نشهر ده خودرا | فتاده تهمتے در نیک و بدرا (ص۳۳۹)

نمیدانی جزایے دادن او را | که باشد در خور جاناں نکورا (ص۳۴۰)

ز بعد خالق کون و مکاں را | ثنا بر خاتم پیغمبراں را (ص۵۸۸)

حاصل بالمصدر "گفت و گو" کے ٹکڑے کرکے حروف جارہ وغیرہ درمیان میں لاے جاتے هیں

دوم بکشاده در گفت و در گوے | بگو اکنوں دگر در جست و در جوے (ص۹۹۸)

بگویید اں زماں حاستو او | انا الحق همچناں درگفت و در گوے [۷۵۸]

در ازل لعنتم چوں کرده بد او | بهر زه دانم ایں جا گفت یا گو (ص۴۸۵)

ز عقل سفل چه گفت و چه گو یست | نه د صورتست و جست و جو یست (ص۱۱۷)

من از فتوی چناں کردم ادا او | دلا خوده نبود ایں گفت ویں گو [ص۷۵۹]

الف زائده :

ترا ایں جاست ابراهیم در تن | شود در عاقبت ایں جا بت اشکن (ص۵۰۲)

عربی الفاظ میں تصرفات :

عام کی جمع عوام هے،لیکن مصنف "اعوام" لایا هے :

کنوں اے شیخ ایں اعوام مسکیں | بصورت اندریں شورند و درکیں (ص ۷۹۵)

(دیگر) طلبکار تو اند ایں جا نجومات | کجا دانند از سر علومات (ص ۳۹۸)

معاینه بر وزن مفاعله هے، مصنف نے بروزن مفاعیله استعمال کیا هے ۔

معائینہ جہاں خود نمود است   کہ با عطار در گفت و شنود است

معائینہ مرا کرد است واصل   حقیقت بود او شد جان و هم دل

معائینہ دل و جانم یکے کرد   ز دیدار خود و ایں جایگہ کرد   (ص ۵۱۲)

ان مثنویوں کی مرکزی شخصیت حسین بن منصور حلاج ہے، جس کو مصنف ہمیشہ منصور کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ مثنویاں گویا اِس کے اقوال و افعال و کرامات کی داستانیں ہیں۔ مخلوق خالق کے لیے اور عبد و معبود کے لیے جس قدر احترام دکھا سکتا ہے، وہ سب احترام منصور کے لیے دکھایا گیا ہے۔ خود منصور اپنے لیے ایسی زبان استعمال کرتا ہے، جو بشریت کی حدود سے گذر کر الوہیت کی فضا میں گونجتی ہے، اور بندے اور خدا میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ حلاج کے جو قصے یہاں ملتے ہیں، عام طور پر معلوم بھی نہیں ہیں۔ منصور کی طفلی کی ایک حکایت کلیات میں (ص۵۲) سے شروع ہوکر (ص۶۹) پر ختم ہوتی ہے، میں اس کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں:

مصنف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر سے سنا ہے کہ چین میں ایک تاجر تھا، جو سفر کا بے حد شائق تھا، اس بوڑھے تاجر کے ایک لڑکا تھا، چندے آفتاب و چندے ماہتاب، جس قدر حسین و جمیل تھا، اسی قدر متقی اور راست باز تھا۔ خدا کے ذکر کے سوا کوئی چیز اُس کو پسند نہ تھی۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا اپنے باپ کے ہمراہ سفر کو گیا، راستے میں ایک دریا آیا، جس کو عبور کرنے کے لیے اُنھیں کشتی میں بیٹھنا پڑا۔ اتنے میں ملاح نے کہا کہ: طوفان آ گیا ہے۔ لڑکے نے اپنے باپ سے کہا: باوا جان! یہ خوفناک مقام ہے، آؤ کشتی چھوڑ دیں، اور کہیں چل کر پناہ لیں، کیونکہ مجھے الہام ہوا ہے۔ باپ نے کشتی میں ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا اور کہا: اے فرزند! نادانی نہ کر اور طفلی کی ضد سے باز آ، اور بتا کہ یہ بات تجھکو کس طرح معلوم ہوئی۔ اُس نے جواب دیا کہ: جب تمھارے پاس دولت کثیر ہے تو پھر کیوں دریا کے سفر سے اپنی جان جوکھوں

میں ڈالتے ہو- تاجر نے جواب دیا : اے فرزند! دنیا ایک عزیز مقام ہے اور انسان ایک روپے کے دس کرنے کی غرض سے تمام خطروں کا مقابلہ کرتا ہے- دیکھو اپنی اسی کشتی میں بڑے بڑے تاجر موجود ہیں اور سب اسی امید میں آے ہیں کہ نفع کمائیں- لڑکے نے جواب دیا: اے پدر محترم! اس سے کیا فائدہ؛ دریا میں آنے اور فنا ہونے سے حاصل؟ تمہیں ابدی نیکنامی کے استحصال کی کوشش کرنی چاہئے- یہ سب لوگ روپیہ اور دولت بٹورنے والے ہیں اسی لیے امید اور بیم کی دو عملی میں گرفتار ہیں؛ محض دنیا کمانا جانتے ہیں اور عقبیٰ کا کوئی کام نہیں کرتے؛ اِن کے درمیان مجھکو تم نے بٹھا کر خود مجھے اپنی نگاہوں میں ذلیل بنا دیا- افسوس! اس مقام سے میں اور کہیں جا بھی نہیں سکتا- تاجر نے کہا: لڑکے! خاموش رہ، یہی بات تھی تو آیا نہ ہوتا اور اب آگیا ہے تو جھگڑا نہ کر- میرے لئے دنیا میں سب سے عزیز شے تو ہے اور تیرے ہی لیے یہ تمام صعوبتیں برداشت کرتا ہوں- تجھے ساتھ لانے سے میرا مقصد یہ ہے کہ تو بھی کچھ تجربہ کار ہوجاے- لڑکے نے کہا : باوا جان! میں دنیا داری کی باتیں سننا نہیں چاہتا، مجھ سے اگر کوئی ذکر کرو تو شریعت کا کرو- میں سیمرغ بحر لامکاں ہوں اور نور شرع مصطفیٰ ہوں- جس طرح دریا کے عجائبات لا تعداد ہیں، میرے اسرار بھی غیر متناہی ہیں- تاجر نے کہا: فرزند! یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات! اپنی حد سے قدم نہ بڑھا اور بے عقلی کی باتیں نہ بنا، اس میں تیری سبکی ہے، تو نے ایک بات پوچھی تھی میں نے اُس کا جواب دے دیا- بھلا حقیقت کہاں اور تو کہاں، تو تو ابھی نادان لڑکا ہے- لڑکے نے کہا: باوا جان! مجھکو لڑکا نہ سمجھو، مجھ میں نمود عشق ربانی ہے، اگر تم اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہو تو خیر، مگر مجھ کو گمراہ کرنے کی کوشش مت کرو؛ میں سب سے فارغ اور سب سے آزاد ہوں؛ میری رہنما عین ذات ہے، تم بیشک میرے پدر محترم ہو، لیکن میری حقیقت سے واقف نہیں -تم کشتی دیکھتے ہو اور میں دریا کو دیکھتا ہوں، میں اِس بحر میں گوہر اِلّا دیکھتا ہوں - اب تاجر کو خیال

ہوا کہ لڑکا دیوانہ ہوگیا ہے۔ کہنے لگا لڑکے! یہ سودا تجکو کب سے ہوگیا ہے کہ تو اپنے آپ کو واصاین میں شمار کرنے لگا اگر اب خاموش نہ رہا تو میں تجھے دریا میں پھینک دوں گا! میری عقل حیران ہے کہ تو حدود شرع سے باہر نکل رہا ہے، تجکو لازم ہے کہ "عیان عقل" سے کام لے۔ لڑکے نے جواب دیا: باوا جان! تمہیں یہ خیال ہے کہ میں کوئی خبیث ہوں، حالاں کہ عالم جاں میں سب عین جانان ہیں۔ اس کشتی میں میں ایک بحر اعظم ہوں، اگرچہ تمہارے ساتھ بحر ہستی میں ہوں: لیکن میں اپنی صدت کا دریگانہ ہوں۔ میں یہ باتیں ضرور نہ کہوں، جب جانتا ہوں کہ راست ہیں۔ تم نے مجکو دریا میں پھینک دینے کی دھمکی دی ہے، میں کہتا ہوں تم ضرور اسے پوری کرو۔ میں اسرار حقیقت کا مالک ہوں اور انوار طریقت میرے دیکھے بھالے ہیں۔ اگر تم نجات دارین حاصل کرنی چاہتے ہو تو مجکو اس بحر ہستی میں تنہا چھوڑ دو۔ تقلید میری دامنگیر نہیں ہے، میں اس دریا سے نکل جاؤں گا۔ تمہارا خیال ہے کہ میں غرق ہوجاؤں گا لیکن میں کہتا ہوں کہ مجکو کون و مکاں سے باہر اڑجانا چاہئیے۔ میں ذات ہوں، پھر کس لئیے کشتئی صفات میں رہوں، مجکو خدا کا حکم ہے کہ دفعتاً گم ہوجاؤں۔ اس دریا میں میں منصور ہوں اور تمام عالم میں مشہور ہوں۔ کونین میرے اسرار ہیں، لیکن میں نا محرموں کی آنکھوں سے مخفی ہوں۔ میں اسرار کا دریائے لامتناہی ہوں، جو دریا میں نا پدیدار ہوجائیے گا۔ علم و حکمت حق کا دریا ہوں، راز مطلق کو افشا کردوں گا۔ دریائے علم اور بحر تنزیل ہوں اور صورت تبدیل کردوں گا —

درین دریا منم بابا الٰہی گواہی می دهندم ماہ و ماهی
درین دریا منم الله بنگر نمودہ دیدہ "الا الله" بنگر
منم بابا نمود دیدار الله درین دریا منم عین هوالله
منم منصور و بفهایم ترا دید کہ میگوئی ابا من عین تقلید (ص ۵۶-۵۷)

جب یہ جوش بھرے الفاظ کشتی والوں نے سنے سب دنگ رہگئے۔ آخر وہ قطب

سر فراز جوہر احترام کا مستحق تھا ، اُٹھا اور کہنے لگا اب تمھارے ساتھ رہنے میں مجکو تکلیف ہوتی ہے، اِس لئے رخصت ہوتا ہوں - اے پدر محترم !

وداعت کردم و خواہم شدن زود ز بہر شرع از من باش خوشنود (ص۵۷)

میں جاتا ہوں اور میرا راز اکسٹھ سال کے بعد بغداد میں ظاہر ہوگا - کیا تم نے سورۂ طہ نہیں پڑھی —

درختے دید موسیٰ آن شب از دور زصد سالہ رہ آن جا گہہ پر از نور

بیک جذبہ بشد آن نیک بختاو زقربت تا سوے نور درخت او

ہمی زد آن درخت انی "انا اللہ" کہ گردد از نمود شاہ آگاہ

درختے یافتست این قربت دوست کہ میداند کہ بردہ بردش از اوست

رواست* "انی انا اللہ" از درختے ز وصل این منا بگزید نیک بختے

رواست انی اناالحق گر بگوئی بوقتے کز خودی خود نگوئی

چو حق دیدم پدر در عین تحقیق حقیقت حق شدم از سر توفیق (۵۷-۵۸)

منصور اس کے بعد حقیقت اعیان و صفات کُل اور دنیا سے قطع تعلق پر اپنے خیالات سناتا ہے، اس کے بعد ایک بڑھا جو واصلین میں سے تھا منصور سے سوالات کرتا ہے

---

*یہ استدلال اگرچہ یہاں بے محل واقع ہوا ہے، لیکن صوفیا کے نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت میں کوئی شک نہیں کیونکہ شیخ عطار اپنے تذکرے میں (ص ۱۳۶ جلد دوم) اس کو بیان کرتے ہیں "مرا عجب آمد از کسے کہ روا دارد کہ از درختے "انا اللہ" بر آید و درخت درمیان نہ چرا روا نباشد کہ از حسین اناالحق بر آید و حسین درمیان نہ" پھر یہی شعر انہوں نے خسرونامہ (ص طبع ثمر ہند) میں یوں لکھا ہے -

رواست انی انا اللہ از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

پروفیسر آذر کے کلیات میں بھی موجود ہے - لیکن تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ یہی شعر بجنسہ مثنوی گلشن راز محمود چبستری میں بھی موجود ہے ، صاحب جوہرالذات عطار کے اشعار کو اکثر مسخ کردیا کرتا ہے، چنانچہ اس شعر کے متن میں بھی تقلیب کردی ہے -

اور منصور ان کے جواب دیتا ہے' آخر بوڑھا اُس کا معتقد ہو جاتا ہے۔ منصور زور دیتا ہے کہ جہان جاں' طلب کرو اور باقی سب قیل و قال چھوڑ دو - اپنی خودی سے سرجاؤ اور برقع صورت کو اتار کر پھینک دو - دریا سے جواہرات معانی رولنا چاہییں ' کشتی کا کیا کروگے وہ محض نمود خودی ہے۔ اسی کشتی نے ہفتاد و دوملت کو غرق کر دیا ہے البتہ ایک اور کشتی ہے وہ کشتی حقیقت ہے' اس میں محمد [صلعم] اورعلی [کرم] مقیم ہیں' تم اُن کا دم بھرو اور گوہر مراد حاصل کرو* —

ز دریا جوے دریاے معانی   ز کشتی جز نمود خود ندانی

درین کشتی ہمے کشتند غرقہ   درین بودند ہفتاد و دو فرقہ

یکے کشتی دیگر ہست دریاب   در آن کشتی حقیقت زود بشتاب

محمد با علی آن جا مقیم است   ازان فرزند کل باترس و بیم است

دم ایشان زن و ہر دو جہان شو   نمودار زمین و آسمان شو

جب منصور یہ باتیں کر چکا' آگیا اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ تماشائی حیران رہ گئے' بوڑھے باپ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا' سمندر میں کود پڑا اور جان دے دی† —

منصور سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا' کہ تم جو 'راز مطلق' جاننے کا دعویٰ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ حق کو میں نے عین مطابق دیکھا ہے' مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم کو غیب کے حالات کس طرح معلوم ہوئے اور اپنے قتل کے متعلق تم نے کیسے اطلاع حاصل کرلی؟ منصور نے جواب دیا کہ میں نے اپنے قتل کی 'نمود' کو دیکھ لیا ہے؛ بغداد میں میرا سر برباد ہوگا؛ یہ باتیں مجھ پر منکشف ہو گئی ہیں۔ حج کے راستے میں منصور سے یہ سوال کیا گیا تھا؛ سائل نے دوبارہ کہا: غیب کی

---

*ایرانی روایات منصور کوشیعہ بیان کرتی ہیں۔ مجالس المؤمنین میں بھی شیعہ تسلیم کیا گیا ہے ۔

† منصور کی طفلی کی یہ حکایت کسی تذکرے میں نہیں ملتی ۔

بات خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے مجھہ کو تمھاری بات کا یقین نہیں آتا، البتہ اگر کوئی زبردست شہادت (نمود) دو اور کوئی راز دکھاؤ تو مانوں گا - منصور نے جب یہ بات سنی، اپنی نگاہ اُس پر جمادی اور کہا : تو میری 'دید دید' میں اچھی طرح سے دیکھہ! کیونکہ میں وهی هوں جس نے سب کچھہ پیدا کیا هے :

نظر نیکو کن اندر دید دیدم   که من هستم که جمله آفریدم   (ص۲۴۹)

اب جو آدمی نے غور سے دیکھا تو اُس کو آسمان هفتم سے بھی بلند پایا - حیرت و استعجاب سے اُس پر محویت طاری هوگئی اور مست لقا رہ گیا - اهل قافله یه نظاره دیکھکر حیران رہ گئے - پوچھنے لگے کہ: اے منصور تو نے اس پر کیا کر دیا هے؟ منصور نے کہا که میں نے اُس کو نور دکھادیا هے، وہ تمام باتوں سے بے خبر هے اور دیدار مولیٰ میں مستغرق هے - اِس وقت وہ جسم و جاں سے صاف هوکر دیدار عین‌العیان میں محو هے، جب هوش میں آئے گا تب بولنے لگے گا - یه کہه کر اس نے اشارہ کیا اور کہا کہ: اب هوش میں آجا - وہ مرد هوش میں آتے هی اُس کے قدموں میں گرگیا اور رونے لگا، بولا که مجھه پر تیرا عین‌العیان ظاهر هوگیا هے، میں تیرا غلام هوں اور تو سلطان آفاق هے اور دنیا میں تیرا هی شور هے - یه کہتے کہتے اُس نے ایک نعرہ مارا اور جان دے دی - قافلے والوں نے جب یه ماجرا دیکھا تو اُن میں جو صورت پرست تھے، اُنھوں نے ایک شور مچا دیا، کہنے لگے که اِس شخص نے جادو سے کام لیا هے، اس لیے قتل کا مستوجب هے - منصور نے اُن سے کہا اے گمراهو! میں دیدار الٰهی هوں، مجھه میں یه طاقت موجود هے که تمھارے شور و غوغا کو فرو کردوں، لیکن اظهار راز کا یه وقت نهیں هے، کیونکه تمھارے درمیان ایک پیر واصل موجود هے، جو صاحب درد هے، مجھه کو اُس کی خاطر منظور هے، لهذا تم کو معاف کرتا هوں - یه الفاظ کہے اور قافلے والوں کی آنکھوں سے غائب هوگیا* (ص۲۴۹-۲۵۱)-

جوهرالذات میں حکیم ناصر خسرو کا ذکر بھی احترام کے ساتھه کیا گیا هے -

---

* اس حکایت کے متعلق بھی تذکرہ نگار خاموش هیں —

سلسلۂ کلام یہ ہے کہ: خون کی اصل کیا ہے؟ - کہتے ہیں کہ خون کی اصل حیوان اور نبات سے نہیں ہے، بلکہ نبات کی اصل فیض ہے اور فیض کی اصل نور ذات ہے اور جان و دل کی اصل قطرۂ خون نہیں ہے† - لیکن یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے - تو یوں سمجھ لو کہ فیض نور سے نبات ظاہر ہوتی ہے اور حیوان کو زندگی دیتی ہے اِس فیض نبات اور وجود حیوانی سے جسم انسان پیدا ہوتا ہے - حکما نے اس بارے میں بہت کچھ بحثیں کی ہیں اور اس کی تشریح میں کتابیں بھردی ہیں لیکن ناصر (خسرو) نے اِس سرّ کو معلوم کیا: یہ حکیم ایک سرّ پاک تھا:

و لیکن کرد ناصر سر اظہار ببایدہ می بسفتن آں بناچار (ص۳۱۹

حکمت میں اُس کا کمال عین الیقین کی حد تک تھا، اس لیے وہ مخلوق سے پوشیدہ ہوگیا - اور اس طرح چھپ گیا، گویا صورت اور معنے کے پردے ہی سے غائب ہوگیا - جس طرح حکمت میں سب پر غالب تھا اسی طرح اسرار میں پیش پیش تھا آخر میں اُس نے عزلت اختیار کرلی اور عین ذات و قربت تک پہنچ گیا خداے پاک نے اُس کی حکمت میں اِس قدر ترقی دی کہ اُس کو خداے بیچوں کا دیدار بھی میسر ہوگیا - جب اُسے جمال ربانی حاصل ہوگیا، مخلوق سے متنفر ہوگیا اُس نے دیدار خداوندی کیا اور عین اُس کی ذات بن گیا؛ خدا میں پنہاں ہوگیا اور اُس پر تمام راز منکشف ہوگئے - اُس کا اکثر بیان عقل اور جان کے متعلق تھا - کیونکہ اُس کی عقل اور جان عین‌العیان تھی - وہ کوہ قناعت کی طرف چلا گیا اور اُس قربت میں پابند سلوک رہا اور چھپ گیا - قاف قربت میں پہنچکر اپنے اوپر دنیا کا دروازہ بند کر دیا اور فنا کا دروازہ کھول لیا - اِس قاف قناعت میں اُس قدر رہا کہ حدو برہان کو اس کے وجود سے راحت ملی - دنیا کے اور حکیم اُس کے مقابلے میں ہیچ ہیں - جو شخص قاف قناعت میں مسکن بنالیتا ہے، تین باتیں اختیار

---

† کیا عطار جیسے فاضل طبیب سے خون کی اصلیت پر اسی قسم کی تحقیقات کی توقع کی جاسکتی ہے—

کرلیتیا ھے، کم آزاری، کم خوری اور عبادت - اصل مردانہ ہونی چاھئے، پھر تو آدمی ناصر خسرو کی طرح اپنے مطلوب تک پہنچ سکتا ھے :

ہر آنکو اندریں قاف قناعت — گریزد، پیش گیرد ہر سہ عادت

کم آزاری و کم خوردن حقیقت — پس آنگہہ طاعت از عین شریعت

ببابد اصل اول ہمچو مرداں — رسد چوں ناصر خسرو بجاناں (ص ۳۱۹)

جوھرالذات میں منصور اگرچہ ھر وقت مصنف کے پیش نظر ھے، تاھم اِس مثنوی میں خارجی مضامین بھی کافی موجود ھیں، لیکن یہ ھیلاج نامہ ھے، جو تمام و کمال منصور کے ذکر اور اُس کے کمالات و مقالات سے لبریز ھے - اِس کتاب میں بڑے بڑے صوفی مثلاً جنید، با یزید، شبلی اور شیخ کبیر عبداللہ خفیف اور عبدالسلام، منصور کے معتقد و مداح کی حیثیت سے دکھائے گئے ھیں - وہ باری باری منصور سے اسرار و حقائق پر سوالات کرتے ھیں اور منصور اُن کے جواب دیتا ھے - بعض اِس کے متعلق متشکک بھی ھیں تاھم اِس کے سامنے مجال دم زدن نہیں رکھتے —

شیخ کبیر عبداللہ خفیف شیراز میں رھتے ھیں اور اُن کے اور منصور کے درمیان ایک راز ھے - منصور کے تعلقات اُن سے قدیم ھیں اور یہ بھی اُس کے سرگرم معتقد ھیں —

عبدالسلام یہ ایک غیر معروف بزرگ ھیں، مگر منصور کے بے حد معتقد - اپنے پیر کے کہنے سے منصور کے عقیدت مند ھیں اور پیر کو منصور کا راز حضرت خضر کی زبانی معلوم ھوتا ھے —

جنید کو منصور کے متعلق کچھ شکوک ھیں، خود براہ راست منصور کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں کرتے اور شیخ کبیر سے کہتے ھیں کہ دیکھئے ھمارے زمانے میں بیشمار اولیا ھیں اور اُن سے پیشتر بھی گذرے ھیں وہ سب واصلین میں سے تھے اور خدا کے نزدیک اُن کے بڑے درجے تھے، لیکن کسی نے اناالحق نہیں کہا سب کے سب ھوالحق کہتے رھے، خود رسول پاک نے ایسا دعویٰ نہیں کیا - رسول

نے لوگوں کو شریعت کی دعوت دی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حدود میں قائم رہے - شریعت صرف اسی لئے ہے کہ نیک و بد اور حق و باطل میں تمیز کر دے - اب ذرا اس منصور کی کیفیت ملاحظہ کیجئے کہ ہر دم اناالحق کے نعرے لگا رہا ہے' روشنی اس سے دور ہوگئی ہے' کیونکہ شرع محمدی سے بھٹک گیا ہے' عوام الناس جاہل ہیں' اُن کو ہمارے قرب کی کیا خبر' اِس لئے ہر کس و ناکس کے سامنے اس راز کا افشا کرنا قرین مصلحت نہیں —

منصور شیخ کبیر کو خطاب کر کے جواب دیتا ہے : شیخ کبیر! تم نے سنا جو جنید نے شرع کے متعلق کہا؟ مجھکو بایزید نے مان لیا' لیکن یہ نہیں مانتے - میں اِن کو معذور سمجھتا ہوں' بایزید کے پیر ہوے تو کیا ہوا —

اگرچہ شیخ و پیر بایزید است و لیکن پختۂ بس نارسید است (ص ۷۳۳)

حالانکہ تم نے میرے وہ تمام خوارق جو میںنے تری و خشکی پر کیے ہیں جب کہ ڈھائی سال تک میں اور تم ساتھ رہے' بیان کردئیے ہیں اور یہ سب باتیں واقعیت سے تعلق رکھتی ہیں' لیکن جنید ہیں کہ شرع پیش کرتے ہیں - اور مجھے دیوانہ قرار دیتے ہیں - یہ نہیں جانتے کہ میں اپنی 'عین منزل' پر پہنچ گیا ہوں اور تمام حجاب دور ہوچکے ہیں - جب میں 'نمودار خدا' ہوں تو انبیا اور اولیا سب کچھ ہوں - خدا مجھسے ہم کلام ہے - کیا رسول اللہ سے صرف جنید ہی واقف ہیں' بچہ بچہ جانتا ہے کہ محمد [صلعم] ہمارے ہادی ہیں' لیکن حقیقت محمدیہ سے کون واقف ہے؟ - محمد [صلعم] مجھہ میں ہیں' در حقیقت وہی میرے رہنما ہیں اور یہ محمد [صلعم] ہیں' جو اناالحق کہہ رہے ہیں :

محمد میزند دم از اناالحق ہمی گوید سراسر سرّ مطلق
وصال مصطفیٰ درجان منصور چو خورشید است کل نورعلی انوار (ص ۷۳۴)

محمد [صلعم] نے جو یہ راز آشکارا نہیں کیا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو دعوت شریعت منظور تھی' اس لئے حقیقت کو آشکارا نہیں کیا اور شریعت ہی بیان

کرتے رہے، حقیقت اُنھوں نے صرت علی کو بتائی - اگر جنید میرا عین الیقین حاصل کرلیں تو میں انھیں دکھادوں کہ مصطفیٰ مع تمام انبیا موجود ہیں —

اگر این جا جنید پاک دینم ببابد یکزماں عین الیقینم
نمایم مصطفیٰ اورا دراں دم تمامت انبیا با دیدہ آدم (ص۷۳۴)

بایزید منصور کے اِس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے آپ کو اُس کا غلام غلاماں بیان کرتے ہیں —

تو دیدی آنچہ ایں جا کس ندید است غلامے از غلاماں بایزید است (ص۷۰۹)

خود منصور اپنے لئے ایسے دعوے کرتا ہے، جو ولایت اور نبوت سے گذر کر الوہیت کی حدود میں داخل ہیں :—

تعالیٰ اللہ منم منصور حلاج همه در رحمت من گشته محتاج
تعالیٰ اللہ منم خورشید و اختر مرا گویند کل اللہ اکبر
تعالیٰ اللہ منم ایں جا خدا وند وجود خویش از من جمله پیوند
الست اندر ازل گفتم ابد را نمایم چوں نمودم نیک و بد را
خدا وندی مرا زیبد کہ دانم تمامت در یقیں راز نہانم
ز صنع آفرینش جمله پیداست زنور ذاتم ایں جا کُل هویداست
یکے ذاتم منزه در همه من فگنده در تمامت دمدمه من (ص۷۱۴)
بجز منصور ایں جا نیست اللہ کہ از اسرار رحمان وے آگاه
خدا منصور ومنصور است خالق وصال اینست ایں جا اے خلائق
خلائق من خدایم تا به بینند نمودم می نمایم تا به بینند
خلائق من خدایم در نمودار زعشق خویش امروزم بریں دار
خلائق من خدا یم چند گویم همه خواهند تا پیوند جویم (ص۷۵۴)

خود مصنف منصور کے عشق میں اس قدر سرشار ہے کہ اُس کا جذبۂ محویت اور فنائیت کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: جب تک میں زندہ ہوں، اُسی

کے اسرار بیان کرتا رہوں گا، بلکہ یہ منصور ہی ہے، جو میری جان میں بول رہا ہے:

بجز حلاج چیزے می نہ دانم — کہ باوے گویم و از وے بخوانم
زنم ہر لحظہ دم از عشق منصور — اگرچہ می نماید در دلم شور
مرا تا جاں بود زو راز گویم — ازو در قصہ مردم باز گویم
مرا تا جاں بود در دیر فانی — ہمہ گویم از و سر معانی
ہمہ منصور می بیند درونم — ہمو خواہد کہ آخر رہنمونم

حقیقت او ست ایں دم سر گفتار — کہ می گوید درون جان عطار (ص۶۸۸)

ایک نہایت عجیب امر یہ ہے کہ مصنف نے جہاں منصور کو پچاسوں مقام پر خدا کہا ہے، وہاں متعدد موقعوں پر رسول اللہ اور حضرت علی کو بھی خدا کے نام سے یاد کیا ہے:

محمد را شناس ایں جا خدا تو — و گر نہ اوفتی اندر بلا تو (ص۳۱۰)
علی با مصطفیٰ ہر دو خدا یند — کہ دم دم راز در جاں می نمایند (ص۹۹۳)
علی با مصطفیٰ ہر دو خدایند — نمودند و دگر کل می نمایند (ص۳۵۰)

تمام مورخین کے برخلاف مصنف حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا قائل ہونے کے باوجود حضرت اسحٰق کی شہادت میں بھی اعتقاد رکھتا ہے:

اگر کشتہ شوی مانند اسحق — تو باشی بیشکے دیدار آفاق (ص۳۶۱)
اگر ہم بود اسحق گزیدہ — ز عشق روے تو شد سر بریدہ (ص۳۶۹)
گہے در کسوت اسحق گردی — بریدہ سر بخود مشتاق گردی (ص۳۸۱)
چناں کن خویش را تسلیم مشتاق — کہ سر ببریدہ اندر عشق اسحق (ص۴۲۴)

جوہرالذات اور ہیلاج نامہ جس قدر مشہور ہیں، معلوم ہوتا ہے اِس قدر پڑھی نہیں گئیں، ورنہ اُن کی شہرت اب تک ماند ہوجاتی۔ کتابیں کیا ہیں، دریاے اعظم ہیں، جن کی گود میں تیس بتیس ہزار اشعار موجیں مار رہے ہیں۔ فارسی ادبیات میں شاید اِس قدر تھکا دینے والی، غیر دلچسپ، کند اور دل اُچاٹ کردینے

والی کوئی کتاب نہ ہوگی جیسی یہ کتابیں' جو عطار کی طرف خدا جانے کس گناہ میں دنیا نے منسوب کی ہیں۔ علمی و ذہنی لحاظ سے اِن کا شمار ادنیٰ درجہ کی تصنیفات میں ہونا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود کوشش بلیغ' میں ان مثنویوں کو پورا ختم نہ کرسکا' نہ مجھہ میں' حالانکہ مجھہ کو اقرار ہے کتابوں کے معاملہ میں خاصہ تحمل ہے' اس قدر تاب تھی کہ اِن کو پورا پڑھ سکوں۔ ممکن ہے کہ کوئی اور صاحب ذوق جن میں مجھہ سے زیادہ استقلال ہے' اِن کے نشیب و فراز اور معلومات سے ہم کو اطلاع دیں—

اِن مثنویوں میں خوارق' اسرار اور کرامات کی فضا پیدا کر دی گئی ہے' جو بہت کچھہ عطار کی واقعیت پسند طبیعت کے منافی ہے۔ مصنف خواب دیکھنے اور بشارتیں سننے کا عادی ہے۔ وہی مسائل جن کو شیخ اپنی عقل اور استدلال کے زور سے حل کردیا کرتے ہیں' اِن مثنویات میں اسرار بن گئے ہیں - معمولی سے معمولی مسئلہ ہمارے مصنف کے نزدیک ایک سر ہے اور یہ سر بغیر کسی انکشاف کی کوشش کے ایک طویل سمع خراشی کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر کسی اور سر کی باری آتی ہے اور اِس کے ساتھہ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ ہر مضمون اِس کی علمی اور دماغی استعداد کی بے بضاعتی کا راز الم نشرح کر رہا ہے۔ عربی اس کو آتی نہیں' مجھہ کو اُس کی فارسی دانی میں بھی شک ہے۔ ہمارا ناظم صرف الفاظ کو وزن کا جامہ پہنانا جانتا ہے۔ قافیے کا بھی چنداں پابند نہیں' مل گیا تو خیر؛ نہ ملا تو وزن ہی پر گزارا کرلیا - سلسلۂ بیان غیر مستقل' طویل اور بے ترتیب ہے۔ جیسے کسی مجذوب کی بڑ یا کسی نیم مست کی ہذیاں سرائی۔ جو مطلب اس کو ادا کرنا ہوتا ہے' اُس کے لئے الفاظ نہیں ملتے اور جو الفاظ ملتے ہیں وہ مطلب ادا نہیں کرتے؛ اِس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شعر اکثر مبہم اور مہمل بن کر رہ جاتا ہے۔ شاعر کا ذخیرۂ الفاظ بے حد محدود ہے۔ حالانکہ بتیس ہزار اشعار لکھے ہیں' لیکن اِس کثیر ذخیرے سے ہم چند نئے لغت بھی نہیں سیکھتے؛ یہی حالت

اُس کی معلومات کی ھے - عطار اپنی اصلی تصنیفات میں قدم قدم پر جدید اطلاع دیتے ھیں اور اُن کی مثنویاں تاریخی دلچسپی کا قابل قدر سامان بہم پہنچاتی ھیں، لیکن اس بے مایہ شاعر کی جھولی میں جو لحظہ بلحظہ ھمیں یاد دلاتا ھے کہ میں عطار ھوں، سوائے منصور کی چند حکایتوں کے جن کو نہ تاریخ جانتی ھے اور نہ روایت پہچانتی ھے، جدید معلومات کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں - جو مطلب ایک شعر میں کہا جا سکتا ھے، شاعر اُسی مطلب کو دس شعر میں ٹھٹک ٹھٹک کر اور رک رک کر بیان کرتا ھے - اس طرح حشو و زوائد نے ایک ممتاز حیثیت اختیار کرلی ھے اور طوالت ان مثنویوں کا عام جوھر بن گئی ھے - ان کتابوں کا بدترین پہلو ایک ھی خیال کی بار بار تکرار ھے، جس سے قاری نہ صرف اُکتا جائے گا، بلکہ دق ھو جائے گا - وھی ایک بات ایک دفعہ نہیں کہی گئی، بلکہ دس مرتبہ، اس پر بھی قناعت نہیں، دس مرتبہ اور تکرار کی؛ چند ورق لوٹیے توبیس مرتبہ پھر وھی خیال دھرایا گیا ھے، اشعار کیا ھیں، پلٹنیں ھیں، جو الگ الگ وردی پہنے کھڑی ھیں - مثلاً :

ز شاگرداں خود آگاہ می باش	و لیکن از دروں با شاہ می‌باش
ز شاگرداں نظر کن راز بیچوں	کہ ایشانند نور هفت گردوں
ز شاگرداں نظر کن خویش بنگر	ترا بنہادہ سر در پیش بنگر
ز ساگرداں نظر کن تا بدانی	کہ از ایشاں حقیقت باز دانی
ز شاگرداں نظر کن راز بنگر	ھمی انجام وھم آغاز بنگر
ز شاگرداں نظر کن هفت گردوں	حقیقت بعد ازاں سرراز بیچوں (ص ۴۵۹)

میں اسی قدر نمونے پر اکتفا کرتا ھوں، ورنہ " ز شاگرداں نظر کن " کی پلٹن کے ابھی سترہ جواں اورباقی ھیں - میں ناظرین سے استدعاکرتا ھوں کہ اِن اشعار کے معنوں پر غور نہ کیں جائے اگر بالفرض ایسا کیاجائے تو غالب مرحوم کا یہ مصرع بھی یاد رھے

یہ ھے وہ لفظ جو شرمندۂ معنے نہوا

کچھہ اِن اشعار پرحصر نہیں، تمام کتاب اسی صنعت میں لکھی گئی ہے —
ذرا "ترا ایں جاست" کا رسالہ ملاحظہ ہو :—

ترا ایں‌جاست ز اں‌ز یشاں‌ندیدی — تو از آنساں بجاناں کل رسیدی
ترا ایں جا ست وصل و روشنائی — حقیقت نور دیدار خدائی
ترا ایں جاست بود کل مسلم — کہ دیدستی زخود دیدار آدم
ترا ایں جا ست آ دم آشکارہ — تو در او، او بتو ایں جا نظارہ
ترا ایں جا ست آدم تاکہ دیدی — کہ در دم دید آدم را بدیدی [ص۵۰۲]

اس رسالے میں اڑتیس سوار ہیں- اس کے بعد " دل آگاہ " کا توپخانہ ہے، جس میں تین اوپر چالیس توپیں ہیں :—

دل آگاہ می باید دریں راز — کہ دریا بد وصال ایں جا نگہ باز
دل آگاہ می باید دریں جا — کہ ایں در باز بکشاید دریں جا
دل آگاہ می باید دریں سر — کہ اسرارش ہمہ آمد بظاہر [ص۵۰۴]

اِس کے عین بعد " ہمہ وصلست" کے بائیس اونچی کھڑے ہیں :—

ہمہ وصلست ہجراں رفت از پیش — ہمہ جانست مرجاں رفت از پیش
ہمہ وصلست و دیدار است ایں جا — دلت جاناں نہ پندار است ایں جا
ہمہ وصلست و دیدار است بیچوں — و لیکن تو شدہ ایں جا دگر گوں [ص۵۰۵]

الغرض کہاں‌تک لکھا جاے، یہی ایک ایسا مہیب منظر ہے، جس کو اِن مثنویوں کا سیاح ہفتخوان رستم سے زیادہ دشوار گزار اور نا قابل عبور مانتا ہے ---

جوہرالذات کی پہلی جلد میں [جو نسبتاً میرے مطالعے میں زیادہ آئی ہے] موقعے موقعے پر اعلیٰ درجہ کی شاعری کے نمونے ملتے ہیں اور میرے لئے یہ امر موجب حیرت تھا کہ وہی شخص جس کی دماغ سوزی بالعموم ایک مبتذل قسم کی شاعری‌پیدا کرنے کی عادي ہے، ایسے نفیس اور عمدہ اشعار لکھہ سکے، مثلاً:—

الا اے جان و دل را درد و دارو — تو آں نوری کہ لم تمسسہ نارو

تو در مشکات تن مصباح نوری — ز نزدیکی که هستی دور دوری
ز روزنهاے مشکلات مشبک — نشیمن کردهٔ خاک مبارک
زجاجه بشکن و زیتت دروں ریز — بنور کوکب دری در آویز
ترا با مشرق و مغرب چه کارست — که نور آسماں گردت حصارست
[ز بینائی مداں این فرد فرهنگ * — که کنجشکے به بیند بست فرسنگ] (ص ۲۹)

یا یه اشعار :—

مگر می کرد درویشے نگاهے — دریں دریاے پر ذر الہی
کواکب دید چوں در شب افروز — که شب از نور ایشاں بود چوں روز
تو گفتی اختراں استاده اندے — زباں با خاکیاں بکشاده اندے
که هاں اے غافلاں هشیار باشید — بریں در که شبے بیدار باشید
چرا چندیں سر اندر خواب آرید — که تا روز قیامت خواب دارید
رخ درویش بیدل ز آں نظاره — زچشمش در فشاں شد چوں ستاره
خوشش آمد سپهر کوز رفتار — زباں بکشاد چوں بلبل بگفتار
که یارب بام زندانت چنیں است — که گوئی چوں نگارستان چیں است
ندانم بام ایوانت چسانست — که زندان تو بارے بوستانست [ص ۱۹۰]

---

* خطوط هلالی میں نے ڈالے هیں، کیوں که یه شعر اشعار گذشته سے کوئی تعلق نهیں رکھتا، لیکن جوهرالذات کے قلمی نسخوں میں اسی مقام پر ملتا هے۔ اسرار نامه میں شیخ عطار نے اس شعر کو مع اسی قسم کے دیگر اشعار کے حیوانات پر انسانی تفوق کے استدلال میں لکھا هے، چنانچه :—

بآواز خوش خود سر مهفراز — که در ابریشم و نے هست آواز
خوش آوازئے بلبل از تو بیش است — که سرمست خود و آواز خویش است
زشنوائی خود چنداں بمخروش — که بانگے بشنود ده میل خر گوش
ز بویائی خود رو قصه کم گوے — که از یک میل موشے بشنود بوے
تو گر بهشی ازیں جمله ازانی — که بس گویا و بس پاکیزه جانی

اب ان اشعار اور اُن سہل اشعار میں، جو ٹھیک اِن سے پہلے درج ہوے ہیں، رات دن اور زمین و آسمان کا فرق ہے۔میں شروع ہی سے ان کو کالاے دزدیدہ مانے ہوے تھا، آخر اسرار نامۂ عطار میں اُن کا سراغ مل گیا۔ یہ ابیات اسرار نامۂ عطار طبع ایران کے ص۳۰ اور ص۱۱۱-۱۱۲ پر ملتے ہیں۔ان کے علاوہ متعدد مقامات* اور ہیں جہاں تین تین، چار چار، پانچ پانچ، اشعار اسی اسرار نامہ سے لیے گئے ہیں، بخوف طوالت ان کی فہرست پیش کرنے سے گریز کرتا ہوں۔مجھ کو یقین ہے کہ اِن مثنویوں میں جو بہتر اشعار ہیں، بیرونی ہیں اور اسرار نامہ کا تو اس قدر ناس کیا گیا ہے کہ نا گفتہ بہ ہے —

جب ہم اِن کتابوں کا عطار کی دیگر تصنیفات سے مقابلہ کرتے ہیں تو اِن میں اس قدر نمایاں اور زبردست فرق دیکھتے ہیں کہ ہمیں اِن بزرگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو اُنھیں عطار کی تصنیف مانتے ہیں۔"ابا" ۔"ابر" اور "ابے" عطار نے اپنی تصنیفات میں استعمال نہیں کیے۔"جاگہ"، "حقیقت"، وغیرہ عطار کے تکیہ کلام نہیں۔ اسرارنامہ، عطار نے ساٹھ سال کی عمر میں لکھا ہے۔جوہرالذات اور ہیلاج نامہ اگر در حقیقت انھی کی یادگار ہیں تو اسرار نامہ کے بعد لکھے گئے ہوں گے۔اب ایک

---

* ذیل میں بعض ایسی اور مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں، جن میں صرف شمار صفحات و اشعار پر قناعت کی جاتی ہے :

جوہرالذات	ص۴۴، اشعار، ۱-۲-۳-۴،	اسرار نامہ طبع ایران،	ص۴۵، ابیات، ۸-۹-۱۰-۱۱
"	ص۷۰، اشعار، ۱۳-۱۴-۱۵،	"	ص۱۴۸، ابیات، ۱۳-۱۴-۱۷،
"	ص۵۰، اشعار، ۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲،	"	ص۸، ابیات، ۹-۱۰-۱۱-۱۳-۱۴
"	ص۷۱، اشعار، ۲۲-۲۳-۲۵،	"	ص۸۰، ابیات، ۶-۷-۸،
"	ص۶۹، اشعار، ۲۹-۳۰-۳۱،	"	ص۱۲۳، ابیات، ۱۵-۱۶-۱۷،
"	ص۱۸۰، اشعار، ۱۷-۱۸،	"	ص۹۵، ابیات ۲-۵،

اس دزدی کا دائرہ ابھی اور وسیع ہے اور تلاش سے متعدد مقامات اور نکل آئیں گے۔

شصت سالہ پختہ کار شاعر، جو ضرورت سے زیادہ پر گو ہے اور جس کو مضامین اس افراط کے ساتھہ سوجھتے ہیں کہ وہ اُن کی کثرت آمد سے نالاں ہے، اس دور کی تصنیف میں اِس قدر بدل جاے گا کہ بالکل نئی زبان اور نئی روش اختیار کرلے گا، اس کی شاعری اِس قدر پھسپھسی، گھٹیل اور گوفت پیدا کرنے والی ہوجاے گی، جس سے انسانوں کی طبیعت مکدر ہونے لگے۔ وہی شاعر جس کا خسرو نامہ، نظامی کی "شیریں و خسرو" کے ہم پلہ مانا جاسکتا ہے، بعد میں ایسی مبتذل شاعری اختیار کرسکتا ہے، میں ماننے کے لیے طیار نہیں—

شیخ عطار، حسین بن منصور حلاج کے مبسوط حالات اپنے تذکرے میں لکھہ چکے ہیں۔ وہ اگرچہ حسین کو عبداللہ خفیف، شبلی اور ابوالقاسم کی شہادت پر کاملین میں شمار کرتے ہیں، تاہم کوئی غیر معمولی عقیدت اُس کی نسبت نہیں جتلاتے۔ تذکرے کے علاوہ مثنویات میں بھی کئی موقعوں پر اس کی حکایات ملتی ہیں، اُن میں بھی حسین کو کوئی خاص احترام نہیں دیتے، لیکن جوہرالذات اور ہیلاج نامہ میں، حسین ایک ایسے پیرایے میں پیش کیا گیا ہے، جس کے سامنے جنید اور شبلی جیسے درخشاں آفتاب، شمع بے نور معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اس طاقتور ہستی سے ادنی ادنی سوالات پوچھتے ہیں اور آخر میں اُس کے معتقد ہوجاتے ہیں۔ منصور کو اپنے خوارق پر ناز ہے اور اُس کے دعاوی اس قدر بلند ہیں کہ استغراق، محو اور محویت کے خط حد بندی کو توڑ کر حلول اور اتحاد کی ارض ممنوعہ میں داخل مانے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ خود عطار ہمیں اطلاع دے چکے ہیں کہ زنادقہ کا ایک ایسا گروہ بھی ہوا ہے، جو اتحادی اور حلولی ہیں اور جنھوں نے اپنے آپ کو "حلاجی" مشہور کیا ہے۔ وہ اگرچہ اِس کے اقوال کو سمجھے نہیں، لیکن اس کے قتل اور جلاے جانے پر فخر کرتے ہیں۔ چنانچہ بلخ میں دو شخصوں کا وہی حشر ہوا جو منصور کا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ عطار بحیثیت تذکرہ نگار اہل اللہ کے حالات اور زمانوں سے بخوبی واقف تھے، یہ مان کر اگر وہ جوہرالذات اور ہیلاج نامہ لکھتے،

تو ظاہر تھا کہ ایسے صریح اغلاط مثلاً منصور اور بایزید کی گفتگو کے بے سرو پا واقعات نہیں لکھتے، حالانکہ بایزید کی وفات کا واقعہ سنہ ۲۶۱ ھجری یا سنہ ۲۶۴ھ میں پیش آتا ھے اور منصور سنہ۳۰۹ ھجری میں دار پر چڑھایا جاتا ھے - پھر لطف یہ ھے کہ بایزید کو جنید کا مرید بتایا جاتا ھے، ان دونوں بزرگوں میں بایزید اقدم ھیں، اور شیخ عطار ھم کو اطلاع دیتے ھیں کہ جنید بایزید کے اس قدر معتقد تھے کہ، کہا کرتے تھے: "بایزید کا ھماری جماعت میں وھی مرتبہ ھے، جو حضرت جبرائیل کا ملائکہ میں ھے" - یہ اور دوسری صریح غلط بیانیاں، جو اِن کتابوں کے اوراق میں نظر آتی ھیں، عطار کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں —

حکیم ناصر خسرو اِسماعیلیوں کا داعی ھونے کی بنا پر نیز سیاسی وجوہ سے ان ایام کے خراسانیوں میں جو اکثر حنفی اور شافعی تھے، نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؛ اِس لیے بہت کم مصنفوں نے اِس کا ذکر کیا ھے - محمد عوفی نے شاعر کی حیثیت سے بھی "لباب الالباب" میں اس کا ذکر نہیں کیا، نہ شیخ عطار نے اپنی مثنویات میں اِس کا ذکر آنے دیا - لیکن جوھرالذات میں اس عظمت کے ساتھہ اس کا ذکر آتا ھے کہ ایک طرف حکما کا سرتاج اور دوسری طرف ولی کامل دکھایا گیا ھے - دشمنوں کے خوف سے، حکیم موصوف یمگان میں آکر پناہ لیتا ھے، اس واقعہ کو مصنف نے حکیم کے ذوق سلوک اور گریز از خلق کے نام سے تعبیر کیا ھے :

در آخر حکمتش افزود بیچوں — خدا را باز دید او بے چہ و چوں

خدا را باز دید او آخر کار — گریزاں شد ز خلق او کل بہ یک بار

خدا را باز دید و ذات او شد — کہ ایں معنی یقیں ذات او بد

در آں قربت کہ بودش حد و امکاں — سلوکے کرد و خود را کرد پنہاں

بسوے قات قربت رفت و بنشست — دراز عالم بروے خود فرو بست (ص۳۱۹)

حکیم موصوف نے اِن ایام میں جس قسم کا سلوک اختیار کیا تھا، اس کی حقیقت اُن قصائد سے ظاھر ھوتی ھے، جو اِس نے اسی عزلت نشینی کے زمانے میں

لکھے ھیں اور بعض نواصب و مدح مستنصر اسمٰعیلی کی آوازوں سے گونج رھے ھیں؛
یہ قصیدے آج بھی موجود ھیں اور چھپ چکے ھیں، لیکن سب سے زیادہ حیرت
میں ڈالنے والا یہ امر ھے کہ جہاں عطار نے جنید کو بایزید کا پیر بنا دیا اور
ناصر خسرو کو ولی کامل بنادیا، وھاں وہ حسین بن منصور کا نام بھی بھول گئے اور
اسی عام غلطی کے شکار بن گئے جس میں شعرائے ایران مولانا رومی کے زمانے
سے مبتلا ھیں، جوھرالذات اورھیلاج نامے میں حلاج کا نام منصور بتایا گیا ھے، جو
بالکل غلط ھے، اُس کا نام حسین ھے اور منصور اس کے باپ کا نام ھے، شیخ عطار
اپنے تذکرے میں ھمیشہ اُس کو حسین کے نام سے یاد کرتے ھیں، یا بعض
وقت حلاج کے خطاب سے پکارتے ھیں، لیکن کبھی منصور کے لفظ سے یاد نہیں کرتے۔
اُن کی مثنویوں میں بھی منصور کی کئی حکایتیں ملتی ھیں، مثلاً منطق الطیر:

چوں شد آں حلاج بر دار آں زماں جز انا الحق می نرفتش بر زباں

[کلیات ص ۱۱۰۵] اور الٰہی نامہ:

چو ببریدند ناگہ بر سر دار سرو دو دست حلاج آں چناں زار

[کلیات ص ۸۲۱] اور الٰہی نامہ:

پسر را گفت حلاج نکو کار بچیزے نفس را مشغول میدار

[کلیات ص ۹۱۱] اور اسرار نامہ:

بشب حلاج را دیدند در خواب بریدہ سر، بکف در جام جلاب

[ص ۴۵، طبع ایران]

یہاں ھر موقع پر حلاج کے خطاب سے لکھا ھے - قصہ مختصر، یہ بعض وجوہ ھیں
جن کی بناپر میں اِن دونوں کتابوں کو عطار کی تصنیف ماننے کے لئے
طیار نہیں —

مولانائے روم کے 'سخنان'' کے حوالے سے 'جامی' نے ایک روایت لکھی ھے کہ:
نور منصور ڈیڑہ سو سال بعد شیخ عطار کی روح پر تجلی کرکے ان کا مربی بن گیا

میں خیال کرتا ھوں کہ اس روایت کے زیر اثر مثنوی جوھرالذات وغیرہ تصنیف ھوتی ھیں اور یہ کوئی تنہا اقدام نہیں ھے' بلکہ اشترنامہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی معلوم ھوتا ھے۔ روایت بالا کی تصدیق دیباچۂ ھیلاج نامہ سے ھوتی ھے' جہاں منصور کے پیکر مثالی کی آمد کا مفصل مذکور ملتا ھے۔ چونکہ ان مثنویوں میں عطار کی شہادت کا علی التواتر ذکر آتا ھے' بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ خواب میں آکر شہادت کی بشارت دیتے ھیں کہ : "منصور نے ھمارے اسرار کھولے' سزا پائی' جو منصور نے کیا وھی تم نے کیا' اس لیے ھم تم کو جام شہادت پلائیں گے"۔ اس بنا پر ضروری ھوا کہ شیخ کی شہادت کے اثبات میں کوئی چیز لکھی جاے' چنانچہ بے سرنامہ * مرقوم ھوا۔ یہ یاد رھے کہ جوھرالذات میں منصور کی طرح اہل ظاھر کے ھاتھوں شہید ھونے کی پیشین گوئی کی گئی ھے:

بخواھم کشتنت مانند حلاج ۔۔۔ نہم بر فرقت این جا ھم چو او تاج (ص۲۹۹)

ز عشقت آگہم اے بر تر از نور ۔۔۔ کہ خواھم رفت بردارت چوں منصور (ص۳۲۶)

اس لیے بے سرنامہ اسی عقیدے کی صداے باز گشت ھے' لیکن موجب حیرت یہ امر ھے کہ اہل ظاھر نے یہ تہمت اپنے سر سے ھٹاکر تاتاری وحشیوں کے سر منڈھ دی' جس سے اہل ظاھر و اہل باطن کی روایات کے اختلاف نے ھمارے نزدیک بالفاظ صاحب جوھرالذات "ایک سر" کی شکل اختیار کرلی ھے' اور میں اکثر سوچتا رھا ھوں کہ اس فرضی عطار کی یہ آرزو:

عمریست کہ افسانۂ منصور کہن شد ۔۔۔ من جلوہ دھم بار دگر دار و رسن را

کبھی قوۃ سے فعل میں بھی آئی یا نہیں—

---

* بے سر سے مراد عطار ھیں' چنانچہ ھیلاج نامے میں بھی ایک موقعہ پر اسی نام سے پکارا گیا ھے :

سرافرازی کن اے بے سردر آخر ۔۔۔ کہ این جا نیست ھم سرور آخر



مبادیات تیاتر

از

(جناب مولوی نور الہی و محمد عمر صاحبان)

اُردو کے صفحات پر بارہا یہ ذکر آچکا ہے کہ دنیا کے ہر تیاتر نواز ملک میں، ڈرامانے مذہب کی گود میں پرورش پائی، لیکن جب مذہب نے اس کے سر سے دست شفقت اُٹھالیا تو اس نے اپنی آزادی کا اعلان کرکے اپنا حلقۂ اثر اسقدر وسیع کر دکھایا کہ خود مذہب کو کئی مرتبہ اپنی بقا کے لئے اِس سے استمداد کرنی پڑی - اس لئے اس مضمون میں اب اتنی ندرت نہیں رہی کہ اُسکا اعادہ بار خاطر ہونے سے محفوظ ہو —

یہ بھی اجمالاً بیان کیا گیا ہے کہ نقالی اور انسان نے ایک ساتھہ جنم لیا اور وہ انسان کی سرشت کا اسقدر ضروری جزو ہے کہ دنیا کے عہد طفولیت کی تاریخ کو اٹھا کردیکھو تو معلوم ہوکہ ارتقائے انسانیت کی کتنی منزلیں اِسی کی بدولت طے ہوئیں - تا ایں دم انسان کا بچّا اسی کے سہارے چلنا ، بولنا ، کھانا ، پینا ، لڑنا وغیرہ سیکھتا ہے، کبھی گھوڑا بنتا ہے، کبھی گائے - کبھی انجن کی طرح دوڑتا ہے اور کبھی موٹر کی طرح آواز نکالتا ہے - غور سے دیکھیے تو یہ سب قدم ترقی ادراک کی طرف اُٹھہ رہے ہیں اور اِن سب میں نقالی اُسکی دستگیر اور رہنما ہے - اسی نقالی کا ترقی یافتہ اور مہذب نام "ڈراما" ہے تہذیب اور شایستگی کا مدار تجربات انسانی پر ہے اور یہ تجربات کیا ہیں ؟

محض افعال انسانی کی نقل جو قبول و ترک دونوں کو شامل هے۔ پس انکو منصۂ شہود پر لانا تہذیب عالم کی ترقی کے لئے ایک ناگریز امر هے - جب ان کے صم و بکم مظاهر مثل تاریخ ' تذکرہ ' سیر و روایات ' انسان کو پختہ کار بنانے کی اهلیت رکھتے هیں تو اُن کا چلتا پھرتا ' منه بولتا مرقع (ڈراما) جواثر انسان کے دل و دماغ پر کریگا' وہ کتنا مہتم بالشان هوگا - اگریه سچ هے که " شنیدہ کے بود مانند دیدہ " تو اسے بھی سچ مانئے که تأثر کے اعتبار سے کسی کتاب کا مطالعه ڈراما سے لگا نہیں کھا سکتا - حضرت انسان کے دیگر سوانح نگار' واقعات سے ایک قدم آگے نہیں بڑہ سکتے اور جو کچھه از منۂ ماضیہ میں هوچکا اُسے بیان کر کے اپنا دفتر لپیٹ لیتے هیں - لیکن ڈراماجو فطرت انسانی کا ماهر کامل هے' اُن سے بہت آگے نکل جاتا هے اور ممکنات کومعرض بحث میں لاکر یه بھی دکھاتا هے که فلاں کام کاماًل ایک ایسی صورت میں بھی ممکن هے' جو آج تک رونما نہیں هوئی - تاریخ آپ کو " محو غم دوش " تو کردیگی' مگر " فکر فردا " پر آمادہ کرنا ڈراماهی کا کام هے' وہ آپ‌کو بتائیگی که دنیا نے کیا کیا - ڈراما آپکو دکھائیگا که دنیا کو کیا کرنا چاهیے - انهیں وجوهات پر مہذب دنیا میں ڈراما کو پریس ' پلیٹ فارم اور ممبر (پلپٹ) پر ترجیح دیجاتی هے - اگر کسی خزاں رسیدہ چمن سے' اس کے ایام بہار کا اندازہ نہیں هوسکتا تو یه فعل بھی بر خود غلط هے که متداول هندوستانی ناٹکوں سے فن ڈراما کا کوئی معیار قایم کیا جائے —

همارے موجودہ سٹیج یقیناً ابتذال کی آخری حد تک پہنچ چکا هے اور ذوق سلیم کو اِن ڈراموں‌کی نمایش گوارا نہیں - بھلا ان بھنگڑ خانے کی نقلوں کو فن سے کیا نسبت - لیکن اِس افسوس ناک حالت کا ذمه دار فن ڈراما نہیں که اُس‌کی طرف تو کوئی آنکھه اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتا - بلکه اِس کی ذمه دار وہ هستیاں هیں' جن کا ذکر سطور آئندہ میں آئیگا۔ کیا آج سے تیس چالیس برس پہلے کے رسائل و جراید دیکھکر آپ کہه سکتے هیں که گالی گلوج اور فواحشات کے

۱ ستیج تھیٹھر ٹریجڈی اور کامیڈی سے قطعاً نا آشنا ھے اور ھمارے یہاں کے ڈرامے
ا میلوڈراما یا ٹریجی کامیڈی کی بگڑی ہوئی شکل ھیں —

اصطلاحات | دیگر علوم و فنون کی طرح ڈراما اور ستیج بھی خاص اپنی اصطلاحوں کے مالک ھیں، لیکن اِن میں سے بہت کم ھندوستان میں متعارف ھیں اور یہ کوتاھی اکثر ڈراما اور مغربی لٹریچر کے سمجھنے میں دقت پیدا کرتی ھے۔اگرچہ حافظ محمد عبداللہ ڈراما نگار اور ایکٹر نے سنہ ۱۸۸۹ع میں چند اصطلاحات کی تشریح کی تھی اور مرزا محمد ھادی مرزا لکھنوی نے بھی سنہ ۱۸۸۷ع میں اِس ضمن میں تھوڑا سا کام کیا ھے، لیکن یہ دونوں مساعی چنداں جامع نہیں، اس لیے ضروری معلوم ھوتا ھے کہ چند ضروری اصطلاحات پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کس طرح ھم انھیں اپنی زبان میں جذب کرسکتے ھیں آیا اُن کا ترجمہ کرنا مفید ھے یا اُنھیں بجنسہ انگریزی لفظوں میں رھنے دیا جائے؟ کیونکہ اُن میں، سے اکثر ھمارے یہاں انگریزی ھی میں بولی جاتی ھیں اور اُن کے ترجمے کی ترویج وقت اور محنت چاھتی ھے۔سب سے بڑی مشکل یہ ھے کہ ستیج والے کسی بیرونی مشورے پر کان دھرنا گوارا ھی نہیں کرتے، نیز ترجمے کو رائج کرنے میں اُنھیں کسی فائدے کی اُمید بھی نہیں ھوسکتی۔اس کے علاوہ یہ بھی مد نظر رکھنا ھے کہ تھیٹریکل کمپنی کے عملے میں پارسی، گجراتی، مدراسی، بنگالی، پنجابی، لکھنوی، دھلوی، مختلف صوبوں کے آدمی ھوتے ھیں۔اس لیے اصطلاحات ایسی ھونی چاھئیں، جن پر وہ سب من حیث الجماعت یکساں طور پر حاوی ھوسکیں۔ ھم اِس وقت فقط اُن کی تشریح و توضیح پر قناعت کرتے ھیں —

(۱) ایکٹ Act

ناٹک کا ایک باب (حافظ)

تماشے کا ایک حصہ یا مرقع کا ایک باب۔کشاکش۔(مرزا) پہلے تماشے کے اُس حصے کو کہتے تھے، جس میں تمام ایکٹر ستیج سے چلے جایا کرتے تھے۔اب اُس حصے کو

کہتے ہیں جب واقعات کی ایک کڑی مکمل ہوکر ایکٹروں کو تھوڑی دیر کے لیے دم لینے کا موقع دیتی ہے—

(۲) ایکٹر Actor

تماشہ کرنے والا (حافظ)

تماشہ گر (مرزا)

ستھیری اونک فن کا ماہر، جذبات انسانی کا محرک ترجمان، واعظ بالفعل و بالقول

(۳) ایکٹر پروف Actor Proof

اس ڈراما کو کہتے ہیں، جس کے لیے کسی ماہر ایکٹر کی ضرورت نہ ہو، ہر ایک ایکٹر، ہر ایک پارٹ کرسکتا ہو—

(۴) آڈی توریم Auditorium

وہ جگہ جہاں تماشائی بیٹھتے ہیں، اس کے علی قدر محصول مختلف درجے ہوتے ہیں—

(۵) اسائیڈ Aside

علاحدہ - (عام) دل میں، آزاد) وہ الفاظ جو کوئی ایکٹر دوسرے ایکٹروں سے ذرا علاحدہ ہوکر کہتا ہے اور یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ دوسرے ایکٹر اسے نہیں سن رہے، یہ اصطلاح فن کی نقیض قرار پاکر متروک ہوچکی ہے، اب صرف پرانے ڈراموں میں دیکھی جاتی ہے - ہندوستان میں ہنوز رائج ہے—

(۶) آڈی ڈی انس پروف = Audiance Proof

وہ ڈراما جو ہر طبقے کے تماشائیوں کو یکساں طور پر خوش کرسکے

(۷) بکس سین Box Scene

ایک مکمل کمرے کا سین

(۸) بکس آفس پلے Box offiee play

وہ تھیٹر جس پر بہت آمدنی ہو یعنی زیادہ ٹکٹ فروخت ہوں—

۱) بزنس Business

ایکٹر کی وہ حرکات و سکنات جو شارح حال ہوں - بالخصوص ایسی حرکت جو ضرورت تکلم کو محو کردے - ہمارے تھیٹروں میں اِسے ایکٹ موشن (Act motion) کہتے ہیں جو دراصل "بتانا" ہے - لیکن بزنیس (Business) بتانے سے بلند تر چیز ہے - اس میں تمام اعضا و جوارح کو کام کرنا پڑتا ہے - اب اس پر بہت پابندیاں عاید کی گئی ہیں اور بلا ضرورت محض تحسین کلام کے لیے حرکت کرنا قطعاً منع ہے —

۱) کاسٹ = Cost

وہ ایکٹر جن میں ڈراما کے کیرکٹروں کے پارٹ تقسیم کئے گئے ہوں—

۱) کامیڈی Comedy

وہ قصہ جس کا انجام خوشی پر ہو —

کھوریا (مرزا)

داستان بہجت — اہل ایران

بزمیہ (رسالۂ اُردو)

اس پر بحث ہو چکی ہے —

۱۲) کیو Cue

کسی فقرے کے آخری چند الفاظ جو کسی فرد کے سٹیج میں داخل ہونے یا کسی تقریر یا فعل کے آغاز سے یا کسی سین کے بننے سے پیشتر سٹیج پر بولے جائیں - Bite your cues کے معنی ہیں کہ کسی تقریر کے ختم ہوتے ہی اپنی تقریر شروع کردو—

۱۳) ڈراما ٹسٹ Dramatist

مصنف مرقع - مرقع نگار (مرزا)

اسے پوئیت (poet) اور پلے رائت (Play wrijht) بھی کہتے ھیں' ادبیات میں تھیٹر پوئیت کے نام سے بھی یاد کرتے ھیں —

(۱۴) ڈراماٹک پرسنز Dramatis personal

اهل ڈراما — (سید تفضل حسین' ناڈر)

تذکرۂ ناٹک — (عام اردو ڈراما نگار)

فہرست اشخاص — (مرزا)

اشخاص — (ڈاکٹر عابد حسین)

اشخاص ڈراما — (عام)

ارکان ڈراما —

افراد اهل مجلس — ایران)

کسی خاص ڈراما کے کیرکٹروں کی فہرست

(۱۵) ڈینومنٹ کٹیاسٹرافی Dnnument Cutastrophe

انجام

ڈراما کا منتہی واقعہ' جیسے کامیڈی میں شادی اور ٹریجڈی میں آخری بڑے کیرکٹر کی موت —

(۱۶) ڈراپ سین Drop Scene

وہ پردہ جو ھر ایکٹ کے اختتام پر گرتا ھے (حافظ) وہ پردہ جو ھر ایک کشاکش کے اختتام پر گرتا ھے - نمائش بند (مرزا -) آج کل یورپ میں اس پردے کو بلائینڈ Blind کہتے ھیں' کیونکہ وھاں بالعموم ایک ھی پردہ استعمال ھوتا ھے' باقی سین سینری سے بنائے جاتے ھیں - جن کے لیے بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ھیں - ستیج بھی پھرنے والا ھوتا ھے' اُسے جدھر چاھیں گھما سکتے ھیں - ایکٹ کے اختتام پر جو پردہ گرتا ھے' اُسے کرٹین (Curtain) کہتے ھیں —

(۱۷) ڈریس دی سٹیج (Dress the Stage)

اکٹروں کو سٹیج پر اس طرح کھڑا کرنا کہ سین میں ایک شان دلاویزی پیدا ہو جائے —

(۱۸) ڈراما ٹرجی Dramaturgy

نٹ شاشٹر

ڈراما لکھنے اور اسے تمثیل کرنے کا فن

(۱۹) انٹرنس Entrance

کسی خاص ایکٹر کا سٹیج پر داخل ہونا (حافظ)

کسی تماشہ گر کا تماشہ گاہ میں آنا داخلہ درآمد (مرزا)

اس سے نہ صرف کسی ایکٹر کا سٹیج پر آنا مراد ہے بلکہ اس سے اس طریق کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے وہ داخل ہوتا ہے - اس میں وہ فقرہ بھی آجاتا ہے جس کے بولے جانے پر اُسے داخل ہونا چاہئے - اس میں وہ امور بھی شامل ہیں جن کے انصرام کے لیے وہ سٹیج پر آتا ہے —

(۲۰) اگزٹ Exit

کسی خاص ایکٹر کا سٹیج پر سے چلا جانا (حافظ)

کسی تماشہ گر کا تماشہ گاہ سے چلا جانا - خارجہ - برآمد - رفت (مرزا)

کسی ایکٹر کا اگزٹ لائن بول کر سٹیج سے عارضی یا دائمی طور پر چلے جانا وہ فقرہ جو تمام باخبر ڈراما نگار بہت توجہ سے لکھا کرتے ہیں - اور ایکٹر سٹیج سے نکلنے کے وقت اسے بڑی احتیاط سے بولا کرتا ہے تاکہ اس کے چلے جانے کے بعد بھی اس کے کام کا اثر تماشائیوں کے دل و دماغ پر رہے —

(۲۱) انسمبل Ensemble

جملہ افراد ڈراما کے عمل متحدہ کا نتیجہ —

(۲۲) فیٹ پارٹ Feat Part

اس پارٹ کو کہتے ھیں جس میں ایکٹر کو اظہار کمال کا موقع ملے —

(۲۳) فٹ لائیٹ Foot Light

وہ لمپ جو سٹیج کے سامنے زمین پر رکھے جاتے ھیں۔ اب یورپ میں انھیں استعمال نہیں کیا جاتا - اور فٹ لائٹ سے صرف سٹیج کے مرادی معنے لئے جاتےھیں- کسی ایکٹر کے تماشائیوں پر اپنا رنگ اثر جمانے کو To get over the foot light کہتے ھیں —

[۲۴] فلائی Fly

سٹیج کے اوپر کی تمام جگہ اور جو کچھہ اس میں ھو - تمام اسباب جو سینری لگانے میں استعمال کیا جائے —

[۲۵] گرین روم Green room

وہ کمرہ جہاں ایکٹر اپنے فارغ وقت میں بیٹھا کرتے تھے زمانہ حال کے مغربی تھیٹروں میں اب یہ کمرہ نہیں بنایا جاتا - ھر ایکٹر کا اپنا علحدہ کمرہ ھوتا ھے —

[۲۶] گیگ Gag

اُس فقرہ کو کہتے ھیں جو کتاب میں نہ لکھا ھو اور ایکٹر کسی فقرہ کو کئی بار مختلف نمائیشوں میں استعمال کرے تو اُسے ویز [Wheeze] کہتے ھیں —

[۲۷] هسٹری اونک آرٹ Historionic art

ایکٹری کافن —

[۲۸] لائنز Lines

سطر

مصرع

فقرہ

سٹیج کی اصطلاح میں الفاظ کو کہتے ھیں —

[۲۹] **لبریٹو** Libreto

گانوں کی کتاب گائن

[۳۰] میک اَپ Make up

بھروپ بھرنا-پینٹ کرنا

کسی ایکٹر کا مختلف چیزیں استعمال کرکے اپنی وضع وقطع اور شکل وشباہت کو ڈراما کے کیرکٹر کے مطابق بنانا —

یورپ میں اب یہ جداگانہ فن تسلیم کیا جاتا ہے —

[۳۱] ارکسٹرا Orchestra

سازندے:— وہ جگہ جہاں ساز بجائے جاتے ہیں - سٹیج کے سامنے کی نزدیک ترین جگہ - اعلیٰ نشست —

[۳۲] پرولوگ Prologue

تمہید عنوان [تماشہ گروں کی اصطلاح میں مجرا کہتے ہیں] وہ نظم جو قبل شروع مرقع وارد کی جائے [مرزا] —

ابتدا میں پرولوگ یا کورس اس فرد کو کہتے تھے، جس کی نسبت یہ فرض کیا جاتا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا - یہ پلاٹ کی کمزوریوں کو اپنی توضیح سے دور کیا کرتا تھا - مگر یہ ڈراما کا کوئی کیرکٹر نہیں ہوتا تھا، بعد میں اُس شخص کو کہنے لگے جو آغاز تماشہ میں سٹیج پر آکر تماشائیوں کو اس کے مطالب سے مختصر الفاظ میں آگاہ کیا کرتا تھا - پھر اس نظم کو کہنے لگے جو تماشہ شروع ہونے سے پہلے بہترین ایکٹر پڑھا کرتا تھا، اُس میں زیادہ‌تر ممکن اعتراضات کا جواب‌دیا جاتا تھا، اب متروکات میں داخل ہے - سنسکرت ڈراموں میں اِن فرائض‌کو نندی یا سوتر دھار ادا کیا کرتے تھے —

ہمارے ڈراموں کے آغاز میں جو حمد یا نندی ہوتی ہے، وہ اسی پرولوگ کی باقیات سے ہے - چوں کہ اُس کا ڈراماکے انکشاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس‌لئے

یہ یقیناً محض حشو اور تضیع اوقات ہے --

[۳۳] پروسی نیم Proscenium

سٹیج کا وہ حصہ جو ڈراپ سین کے سامنے ہوتا ہے - ڈراپ سین اور اس کا فریم --

[۳۴] پراپرٹی Property

اُن چھوٹی چھوٹی چیزوں کو کہتے ہیں، جن کی ناویل کے دوران میں انکشاف داستان کے لئے ضرورت پڑتی ہے - ہر ڈرامہ کی پراپرٹی بالعموم مختلف ہوتی ہے، اُس کے مہمم کو " پراپ Prop " کہتے ہیں —

[۳۵] پلے بل Play bill

ڈراما کا مختصر پروگرام، جس میں بتایا گیا ہو کہ فلاں پارٹ فلاں ایکٹر کریگا —

[۳۶] پلے بک Play book

وہ کتاب جس میں ڈراما کا تمام متن مع حواشی درج ہو—

[۳۷] پلے ڈے Play day

یوم نمائش وہ دن جب ڈراما کی نمائش ہوتی ہو —

[۳۸] پلے گوئر Play goer

تیاٹر نواز وہ شخص جو بالالتزام تھیٹر جاتا ہو —

[۳۹] پلے ہوس Play house

وہ مقام جہاں ڈراما دکھایا جاتا ہو—

[۴۰] پلے ٹائیم Play time

تماشے کا وقت —

[۴۱] پلے اے پارٹ Play a part

پارٹ کرنا - اب کسی پارٹ کو ایکٹ کرنا نہیں کہتے، بلکہ پلے [play] کرنا

کہتے ہیں۔ پارٹ کرنا ہندوستانی اصطلاح ہے —

[۴۲] پروڈیوس Produce

تیار کرنا - ڈراماکو سٹیج کے لئے بہمہ وجوہ مکمل کرنا۔ اُس کے مہتمم کو پروڈیوسر Producer کہتے ہیں —

[۴۳] پلاٹ Plot

کہانی، روئداد، کتھا، واقعات کا ترتیب وار سٹیج پر ظہور میں آنا۔ اُس کی صحت کا معیار یہ ہے کہ اُس میں حسب ذیل تین باتوں میں سے دو پائی جائیں

[الف] کشمکش [Struggle]

[ب] دل بستگی [Interest]

[ج] حیرت آمیز انتظار [Suspense]

[۴۴] پرامپٹ Prompt

لقمہ دینا — ایکٹر کے حافظے کو تازہ کرنے کے لئے کسی فقرے کے پہلے چند الفاظ بتانا۔ پرامپٹ کرنے والے کو (پرامپٹر) کہتے ہیں - یہ کتاب ہر حیثیت سے مکمل رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور کسی حد تک نقاد کے فرائض بجا لاتا ہے۔ اس کتاب کو، جو اس غرض سے استعمال کی جاتی ہے اور صحت کے لحاظ سے بہترین ہوتی ہے، پرامپٹ بک کہتے ہیں --

(۴۵ ریہرسل Rehearsal

مشق، تعلیم، ایکٹروں کا اپنے پارٹ مل کر دوہرانا۔ اس کے دوران میں ڈراما میں ضروری ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی ہے —

(۴۶) سین Scene

ایک ایکٹ کا وہ حصہ، جس کے واقعات مندرجہ ایک وقت اور ایک مقام پر ظہور میں آئیں - (حافظ)

ایکٹ کا ایک جزو، جس کے واقعات ایک وقت اور ایک موقع پر واقع ہوں -

نمائش - (مرزا)

مجلس — (اہل ایران)

نمائش — (طالب)

جھلک — (آزاد)

منظر — (عام)

جھانکی — (ہندی)

واقعات کے یکے بعد دیگر رونما ہونے کی ترتیب (انگلستان)

چند ایکٹروں کے سٹیج پر ہونے، یا اُن میں کسی اور ایکٹر کے آجانے سے ایک نئے سین کا آغاز ہوتا ہے (فرانس)

مکالمہ مابین چند افراد ڈراما — (سپین)

(۴۷) سین - پلاٹ Scene Plot

ڈراما کا وہ خاکا جس سے ایکٹروں کا انٹرینس Entrance، اگزٹ (Exit) سینوں (سینز) اور فرنیچر کی ترتیب معلوم ہوتی ہے -

(۴۸) سنیریو Scenario

ڈراما کا مختصر ترین خاکا جس سے اور خاکے بنانے میں مدد ملے—

(۴۹) سیچوایشن (1) Situation

(2) To build a big moment

ایکٹروں کی وہ تحیر آمیز حالت جو دوران عمل میں پیدا ہو جائے- ڈراما کی روح رواں بھی ہوتی ہے—

(۵۰) سٹ Set

ہر حیثیت سے مکمل سین—

(۵۱) سٹیج Stage

تماشہ کرنے کا مقام — (حافظ)

تماشا گاہ — (مرزا)

تھیئٹر کا وہ چبوترہ جس پر آکر ایکٹر کام کرتے ھیں' سٹیج کے متعلق جملہ سامان اور کمرے اس میں شامل ھوتے ھیں - فعل کی صورت میں اس کے معنے سٹیج کرنے کے ھیں—

(۵۲) سٹیج ڈائرکٹر Stage Director

وہ شخص جو سٹیج کے لئے ایکٹروں کو تیار کرے - یہ سٹیج کی ترتیب کا سامان کرتا ھے ' ایکٹروں کو مناسب حال بزنس (business) بتاتا ھے' سینری کے متعلق ھدایات دیتا ھے ' مگر سٹار ایکٹر اس کے زیر اثر نہیں ھوتے - اس کے فرائض پروڈیوسر Producer سے ملتے جلتے ھیں—

(۵۳) سٹیج منیجر Stage Manager

تماشا کے دوران میں یہ شخص سٹیج کا انتظام کرتا ھے - ایکٹر پراپ' لائٹ مین' شفٹر' سب کے سب اِسی کے اشارے پر چلتے ھیں - ایکٹ کرنے کے سوائے باقی تمام تفصیلات کے متعلق اِسی کا حکم ناطق ھے - بسا اوقات سٹیج ڈائرکٹر کے فرائض بھی ادا کرتا ھے—

(۵۴) سٹیج کریفٹ Stage Craft

سٹیج کا پیشہ ' جسے پروفیشن Profession بھی کہتے ھیں' ڈراما لکھنے اور ادا کرنے دونوں پر حاوی ھے—

(۵۵) سٹیج فرائٹ Stage Fright

تماشائیوں کے سامنے سٹیج پر جانے سے جھجھکنا—

(۵۶) سٹیج سٹرک Stage Struck

وہ شخص جو سٹیج کا اس قدر متوالا ھو جائے کہ خود ایکٹر بننے کا خواھاں ھو—

(۵۷) ستیج وسپر Stage Whisper

اسائیڈ (Aside) کا دوسرا نام

(۵۸) ستیج دائرکشن Stage Direction

هدایات ستیج، هدایات تمثیل۔ اِن هدایتوں میں یه بتایا جاتا هے که کوئی ایکٹر کس وقت اور کس طرف سے ستیج میں داخل هو، کہاں کھڑا هو کر گفتگو کرے۔ کب اور کس راستے سے باهر نکل جاے —

(۵۹) سالولکی Soliloquy

کلام شخصی، گفتگو انفرادی، گفتگوے عالم تنہائی، وہ گفتگو جو کوئی ایکٹر عالم تنہائی میں خود بخود کرتا هے اور کبھی کبھی تماشائیوں کو مخاطب کر لیتا هے - اِسے مانولوگ (Monologue) بھی کہتے هیں - یه اصطلاح متروکات کی فہرست پر چڑھ چکی هے، مگر هندوستان میں رائج هے —

(۶۰) ستار -- Star

چیف ایکٹر (هندوستانی ستیج)، نامور، بلند پایه ایکٹرس یا ایکٹر - جو پارٹ بالخصوص ایسے ایکٹر کے لیے لکھا جاتا هے، اُسے ستار پارٹ کہتے هیں —

(۶۱) ستیجی — Stagey

اُس ڈراما کو کہتے هیں، جو ستیج هونے کے قابل هو —

(۶۲) تھیٹر — Theatre

تماشه خانه — (مرزا)

تیاتر — اهل ایران

سنگت شالا — (هندی)

(لغوی! دیکھنا = نظارہ) ستیج اور آڈی توریم کی مجموعی عمارت - وہ مقام جہاں تماشائیوں کو دکھانے کے لیے تماشه کیا جاے - انگریزی میں صرف انھی معنوں میں استعمال هوتا هے، مگر فرانسیسی میں ڈراما اور ستیج دونوں پر حاوی هے -

اُس کا مفرس تیاتر بھی انھی معنوں کا حامل ھے —

(۶۳) ٹریجڈی — Tragedy

وہ قصہ جس کا انجام غم ھو - ترا غود - ترا جیڈ(مرزا)

داستانِ الم — (اھل ایران)

المیہ — (رسالۂ اُردو)

(سطور بالا میں اس پر روشنی ڈالی گئی ھے —

(۶۴) ٹو لٹریری — Too literary

وہ ڈراما جس کا ادبی پہلو اتنا بلند ھو گیا ھو کہ سٹیج کے مصرف کا نہ رھا ھو - عام طور پہ اسی ڈراما کہتے ھیں ' جس میں لمبی لمبی تقریروں کی بھرمار ھو —

(۶۵) ٹو پریشز — Too Precious

ریہرسل کی اصطلاح - اس کا مطلب ھے کہ ھر لفظ پر ست زور دیتے چلے جاؤ -

(۶۶) تھیم — Theme

وہ خیال جو ڈراما کی تہ میں مضمر ھوتا ھے - اور جس کے گرد سارا پلاٹ گھومتا ھے —

(۶۷) ونگ — Wing

پردوں یا سینری کے وہ اجزا جو دونوں پہلوؤں پر لگائے جاتے ھیں —

(۶۸) چپ - راست - وسط Right - Left - Centre

(الف) ایڈی ٹوریم میں سٹیج کی طرف منہ کر کے کھڑے ھو جائیں تو ھمارا چپ و راست سٹیج کا چپ و راست ھوگا - اور سٹیج کا وہ جو ھمارے سامنے ھے اس کا وسط ھے - یا: —

(ب) ایکٹر جب تماشائیوں کی طرف منہ کرکے سٹیج پر کھڑا ھو تو اُس کا چپ و راست سٹیج کا چپ و راست ھوگا' اور اسی چپ و راست کا

درمیانی حصہ وسط ہے—

اصول و قواعد

ڈراما کا منتہائے کمال (Illusion) نظر فریبی پیدا کرنا ہے، یعنی جہاں تک ممکن ہو نقل مطابق اصل دکھائی دے، بلکہ محویت کا وہ عالم پیدا ہوجائے کہ واقعات اپنے حقیقی لباس میں اُن کے سامنے دوڑتے نظر آئیں۔ ایسی تمام باتیں جن میں "چیزوں" اور "کس طرح" کی گنجائش ہو، باوجود اپنی گونا گوں دلچسپی کے نظر فریبی پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ پس سب سے بڑی بات اسی کیفیت کو پیدا کرنا ہے۔ یہ کام اتنی وسعت نظر چاہتا ہے کہ اگر وجدان صحیح شامل حال نہ ہو اور سٹیج کے لوازمات سے آگاہی نہ رکھتا ہو، تو کوئی شخص تمام عمر کے مطالعہ سے بھی ڈراما نگاری پر قدرت حاصل نہیں کرسکتا۔ اسی اصول کو مد نظر رکھکر ماہرین فن نے چند قواعد وضع کیے ہیں جن سے فن ڈراما کی فہمید میں مدد ملتی ہے۔ یہ قواعد ڈراما نگاری میں راہنما کا اور ڈراما فہمی میں معیار کا کام دیتے ہیں۔ ان قواعد سے چند ایک کی تلخیص حسب ذیل ہے—

ارسطو*)

ارسطو نے (Poetics) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے نکات ڈراما پر بحث کی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ اُس کے زمانے میں ڈراما کن اصول و قواعد کے تحت لکھا جاتا تھا۔ یہ کتاب مدت مدید تک عربوں کے قبضے میں

---

* ارسطو (Aristotle) (سنہ ۳۸۴ ق-م سنہ ۳۲۲ ق-م) یونان کے شہر سٹاگیرا میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۷ سال کی عمر میں ایتھنز میں آکر بیس سال تک افلاطون (Plato) کے ساتھ کام کرتا رہا۔ افلاطون کے مرنے کے کچھ عرصہ بعد فیلقوس (Phillip) شاہ مقدونیہ کے پاس چلا گیا، جہاں ۸ سال تک اس نے سکندر کی اتالیقی کے فرائض ادا کیے، جب فیلقوس بھی مرگیا تو وہ واپس ایتھنز آگیا اور باقی عمر درس و تدریس میں مشغول رہا—

رهی اور یورپ کو اس کا کچھ بھی علم نہ ھوا - قریباً سنہ ۹۳۵ ع میں ابو بشر نے اس کا ترجمہ سریانی سے عربی میں کیا - بارھویں صدی میں ایک مور (Moor) عالم نے اس عربی ترجمہ کی تلخیص شائع کی - تیرھویں صدی میں ھرمن نامی (Herman) ایک جرمن فاضل نے اس ملخص کو لاطینی میں منتقل کیا - سنہ ۱۴۹۸ ع میں جیو رجیو والا (Giorgio Valla) ایک اطالوی ادیب نے اس کا لاطینی میں ترجمہ وینس سے شائع کیا - سنہ ۱۵۰۸ ع میں اصلی کتاب یونانی زبان میں شائع ھوئی - سنہ ۱۵۳۶ میں الیسنڈرو ڈیپازی (Allessandro Depazzi) نے اصلی یونانی متن کے ساتھ لاطینی ترجمہ شائع کیا اور سنہ ۱۵۴۸ میں رابرٹ تیلو (Robert Tello) نے اس کی اولین شرح لاطینی میں لکھی - سنہ ۱۵۴۹ ع میں برنارڈو سکنی (Bernardo Segni) نے پہلی دفعہ اسے اطالوی زبان کا لباس پہنایا - بالآخر لوڈویکو کاسٹل ورٹرو (Lodovico Castelvetro) نے اس کی ضخیم و جسیم شرح شائع کی اصول اتحاد ثلاثہ اس کتاب سے مستنبط کیا اور سارے یورپ میں اس بحث کی آگ روشن کی جو آج تک بجھنے میں نہیں آتی - ارسطو کی یہ کتاب ڈراماٹرجی فن ڈراما کا سنگ بنیاد ھے - اصول اتحاد ثلاثہ کو ارسطو سے منسوب کیا جاتا ھے مگر اس میں کلام نہیں کہ اس میں کاسٹل ورٹرو کی تعریف کو بہت کچھ دخل ھے - بہر حال یہ اصول بالواسطہ یا بلا واسطہ جملہ دیگر قواعد و ضوابط کا مصدر ھے —

اصول اتحاد ثلاثہ (Three unites Des Trois unites) یہ چاھتا ھے کہ

(۱) ھر ایک ڈراما میں صرف ایک عمل یعنی ایک پلاٹ یا کہانی ھو (جو شروع سے آخر تک) پھیلی ھو) اسے اتحاد عمل کہتے ھیں (Unity Of Action) اس کے متعلق ارسطو کے الفاظ یہ ھیں " پس یہ لازم ھے کہ جیسا کہ دیگر فنون نقل میں ایک نقل صرف ایک چیز کی نقل ھوتی ھے ٹریجڈی میں بھی کہانی صرف ایک ھی عمل کی نقل ھو - کہانی عمل کی نقل ھوتی ھے اور یہ پورے عمل کی نقل ھونی چاھئیے - اور معاملہ کے

جزویات کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ اگر اس میں سے کسی کو اس کی جگہ سے ہٹاکر لکھیں اور رکھیں تو تمام کہانی کچھ کی کچھ ہوجاے اور بدل جاے ' کیوں کہ وہ باتیں جن کا عدم وجود کہانی کے لئے برابر ہو' کوئی معقول فوق پیدا نہیں کرتی' اور اس لئے وہ کہانی کا کوئی جز ولاینفک نہیں ہو سکتی ")

(۲) ہر ایک ڈراما کے واقعات ایک دن کے عرصے میں ختم ہوجائیں' اسے اتحاد زمان (Unity of time) کے نام سے موسوم کیا ہے بالفاظ ارسطو "ٹریجڈی سورج کی ایک گردش تک محدود ہے' اس عرصے سے تجاوز کرنا ناروا ہے")

(۳) تمام واقعات ایک مقام (Place) پر ظہور میں آئیں' اس کا نام اتحاد مکان (Unity of place) ہے - اتحاد عمل سے یہ مدعا ہے کہ ایک سے زیادہ کہانیوں کے اجتماع سے خلط مبحث نہ ہونے پاے' کیونکہ بیک وقت دو پلاٹوں کا دیکھنا کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا - اور ان پلاٹوں کا تصادم بسا اوقات تکدر خاطر کا موجب ہوتا ہے - شارحین نے اس کی یہ توضیح کی ہے کہ ایک ڈرامے میں صرف ایک جذبے کی نمائش ہونی چاہئے - مسرت و غم' غیض و شفقت' وفا شعاری و بد عہدی' ظلم و ترحم کو ایک ہی ڈراما میں مدغم کرنے سے کیریکٹر کی شان میں فرق آجاتا ہے اور تاثیر پیدا نہیں کرسکتا - اس اصول کا امتحان اس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ دو کتابیں اُٹھالیں' پہلے ایک کتاب کا پہلا باب پڑھیں' پھر دوسری کا' اسی ترکیب سے دونوں کتابوں کے باقی ابواب پڑھ کر دیکھیں کہ آپ کے دماغ کی کیا حالت ہوتی ہے اور اس کے مطالب سے آپ کس قدر متمتع ہوتے ہیں - اتحاد عمل در حقیقت نفسیات کے اس اصول پر مبنی ہے کہ انسانی توجہ ایک ہی وقت میں دو مختلف یا متضاد مناظر یا مباحث کو احاطہ نہیں کرسکتی - اتحاد ثلاثہ کے معترضین کی طرف سے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں نکلا جو اتحاد عمل کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے - دنیا

بھر کی ڈراما ٹرجی (Drumaturgy) میں یہ اصول داخل مسلمات ہے۔ بیشک جب انگلستان میں سٹیج جہلا کے قبضے میں آگیا تو اُن کی تفنن طبع کے لیے ٹریجی۔ کامیڈی' تمثیل ہونے لگی اور چند دنوں کے لئے پیرس میں کامیڈی آف ٹئیرز Comedy of Tears نے رواج پایا۔ ان ڈراموں میں حسرت و غم کے مناظر پہلو بہ پہلو دیکھنے میں آتے ہیں اور تماشائی ایک آنکھ سے ہنستے اور دوسری سے روتے ہیں' جب یہ بدعات سٹیج پر آئیں تو ناقدان فن نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ فریق مقابل نے یہ جواب دیا کہ چونکہ ان ڈراموں میں پلاٹ در اصل ایک ہی ہوتا ہے اور ظرافت کا عنصر فقط تفنن طبع کے لئے مستزاد کیا جاتا ہے' اس لئے اتحاد عمل کی نزاکت میں فرق نہیں آسکتا۔ مگر اس بات کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا کہ وہ باتیں جو داستان کے انکشاف کے لئے ضروری نہ ہوں' محض حشو اور داخل اخراج ہیں' اس لئے وہ اتحاد عمل کے مقصد کو پورا نہیں ہونے دیتیں' خصوصاً جب یہ ظاہر ہے کہ اس تمسخر کے بغیر ڈراما کی روانی میں فرق نہیں آتا۔ اس بحث و تمحیص کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس قبیل کے ڈراموں کی بہار بہت جلد نذر خزاں ہو گئی اور پھر ڈراما نگار اساتذہ نے اس میدان میں قدم نہ رکھا۔ قدیم ہندوستانی ڈراموں میں اتحاد عمل کا التزام پایا جاتا ہے' اگرچہ اِن میں بالعموم بدون شک ظرافت کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے' مگر اس کے کارنامے پلاٹ سے اس طرح دست بگریبان ہوتے ہیں کہ اگر انہیں ناٹک سے نکال باہر کیا جائے تو ساری کتھا کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اُردو زبان کے اولیں ڈراما یعنی ''اندر سبھا امانت'' میں بھی اتحاد عمل کی پوری پوری پیروی کی گئی ہے' اس کے بعد جو ڈرامے لکھے اور کھیلے گئے' ان میں بھی ایک ہی کہانی ہوتی تھی۔ کچھ عرصہ گزرا تو چھوٹے چھوٹے ڈراموں کے تمثیل ہو جانے کے بعد ایک نقل دکھانے کا رواج ہوا' پھر ایسے ڈرامے لکھے گئے جن میں ظریفانہ کیرکٹروں کو اور اُن کی باتوں کو کہانی میں سمو دیا جاتا تھا۔ بالآخر سٹیج پر وہ رنگ

غالب آیا، جو آج کل چھایا ہوا ہے اور جس میں ایک سنجیدہ اور دوسری ظریفانہ دو مختلف کہانیاں ایک ساتھ سٹیج کی جاتی ہیں - حال میں ہمیں ایک ڈراما دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس سے کم از کم تین پلاٹ اخذ ہو سکتے ہیں۔ بعض ڈراما نگاروں نے ذرا اور جدت سے کام لیکر سرے سے پلاٹ ہی اُڑا دیا - ان ڈراموں میں اِدھر اُدھر کی باتیں اور نظارے سلسلۂ داستان کو قائم نہیں ہونے دیتے اور ہر نے ترتیبی ایک نئے پلاٹ کا اچھا ڈرتی ہے

ابتدا میں اتحاد زماں صرف یہ چاہتا تھا کہ داستان کے واقعات ایک دن کے اندر ختم ہو جائیں، پھر یہ قید لگائی گئی کہ یہ واقعات اُسی قدر وقت میں ختم ہوں جو اُن کے سٹیج کرنے میں صرف ہو - اس سے ان نقائص کا سد باب منظور ہے کہ زیادہ عرصے کے واقعات کو چند گھنٹوں میں کر دکھانا حقیقت سے بعید ہو جاتا ہے اور نظر فریبی (Illusion) پیدا نہیں ہوسکتا - نیز مرور ایام کے ساتھ کیرکٹروں کے قد و قامت شکل و شباہت میں جو تغیر واقع ہوتا ہے، اُس کا اظہار ناممکن ہو جاتا ہے اور سلسلے کی کڑی ملانے کے لئے تذکرے سے کام لینا پڑتا ہے، جو فن کی تعمیر کے خلاف ہے - مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اس کا تتبع تخیل کی بلند پروازی اور داستان کی اُٹھان کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور نماسائی قد و قامت اور شکل و شباہت کے فرق جیسی کوتاہیوں سے نظر انداز کرنے کے خوگر ہیں - رہا کسی واقعے کو لفظوں میں بیان کرنا، تو یہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ اس پر تذکرے کا گمان تک نہ ہو - بنوع دیگر ڈراما نویسی محض گورکھ دھندا بن جائے گی اور خصائل کا ارتقا دکھانا نا ممکن ہو جائے گا - اِس کے جواب میں اِس اصول کے علم بردار یہ کہتے ہیں کہ فقدان صلاحیت و سہل انکاری کوئی قابل تسلیم دلیل نہیں --

اس اصول کی تبعیت میں سیکڑوں ڈرامے لکھے جاتے ہیں، لیکن اِن میں نہ تو تخیل رہتا ہے نہ خصائل نگاری میں فرق آتا ہے، آخر 'وکٹر ہیوگو' نے یہ تصفیہ

کیا کہ ایک سال کے واقعات کو سٹیج پر دکھانے سے کوئی قابل گرفت فرق نہیں پڑتا اور اِس کے جواز پر عملاً زور دیا، لیکن حامیان اتحاد زماں آج تک اس مفاہمت پر رضامند نہیں ہوئے اس بارے میں قدیم علمائے ہند کی یہ رائے ہے کہ کہانی کے واقعات کا ایک دن میں ختم ہونا انسب ہے، لیکن اُن کا چند دنوں، یا ایک سال تک پھیل جانا بھی قابل معافی ہے - یورپ میں میک اپ (Make up) (بہروپ) نے جو ترقی کی ہے، اُس نے اِس اصول کی اہمیت کو بہت کچھ کم کر دیا ہے - وہاں کے ایکٹر بہروپ بھرنے میں وہ کمال رکھتے ہیں کہ تبدیل ہیئت کے بعد اُن کے رات دن کے دوست بھی اُنھیں شناخت نہیں کر سکتے - یورپ میں بہروپ کے موجد بنانے پر ہر سال سینکڑوں کتابیں شائع ہوتی ہیں اور اس کے سامان کی فراوانی دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے - افسوس ہے (اردو) مصور رسالہ نہیں، ورنہ ہم ایسی تصویریں پیش کرتے، جن کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا کہ میک اپ (Make up) سے انسان کی شکل کیا سے کیا بن جاتی ہے - لیکن اس ملک کے ڈراما نگاروں کی بساط بھر اِس اصول کا خیال رکھنا چاہئے، جہاں میک اپ (Make up) کا مدار چونے، فرنچ چاک اور شنگرف پر ہے - مگر اُن کی دیدہ دلیلی ملاحظہ ہو کہ گیارہ سال تک کے واقعات سٹیج پر لے آتے ہیں —

اب رہا اتحاد مکان تو اِس میں لفظ Place کی تعبیر میں اختلاف ہے کہ آیا اِس لفظ سے ایک ملک، ایک شہر، ایک مکان یا صرف ایک کمرہ مراد ہے - اب اجماع اِس پر ہے کہ Place ایک کمرے کو کہنا چاہئے اور اصول کے پیرو اِس پر عمل کرتے ہیں - اس کی اصولی غرض یہ تھی کہ مختلف جگہوں کو سٹیج پر دکھانا مشکل ہوتا تھا - دوسرے بکثرت جگہ کے دیکھنے سے توجہ بھٹک جاتی تھی - تیسرے نئی جگہ کا منظر پیش کرنے میں بہت سا وقت صرف ہوتا تھا اور تماشائی انتظار سے گھبراتے تھے - یورپ میں مشینوں سے چلنے والی سینری اور گھومنے والے سٹیج نے اہل فرنگ کو اس اصول سے بہت حد تک بے نیاز کر دیا ہے - مگر ہمارے یہاں

هنوز اِس اصول کی ضرورت ہے کہ ہمارے تھیٹروں نے ابھی تک گھومنے والے سٹیج اور مشینوں سے چلنے والی سینری کی شکل تک نہیں دیکھی —

سطور بالا سے عیاں ہے کہ اتحاد ثلاثہ میں سے' اتحاد عمل تو جمہور کا مسلمہ ہے' بحث صرف باقی دو اصولوں کے متعلق ہے۔ ملکوں کے اعتبار سے اہل اٹلی و فرانس تو اتحاد ثلاثہ سے سر مو تجاوز کے روادار نہیں' اہل اسپین اور انگلستان اِن اصولوں کے منکر ہیں' مگر فرانس میں (۱) ٹرسو (Tirso) اور (۲) ڈوما خورد (Dumas fils) نے اتحاد ثلا ثہ کی مخالفت میں بہت وقت ضائع کیا اور وکٹر ہوگو نے اِس مخالفت کی خلیج پاٹنے کی کوشش کی۔ اسپین میں(۳)سروانٹس (Cervantes) نے اس کی ترویج پر زور دیا۔ انگلستان میں (۴) سرفلپ سڈنی اور (۵) آسکر وائلڈ (Oscar wilde)* نے اپنے قریباً تمام ڈرامے اس اصول کے مطابق تصنیف کیے۔ انگلستان میں ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ آغاز تماشہ سے قبل منیجر کو یہ بتانا پڑتا تھا کہ اس ڈرامے میں اتحاد ثلاثہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آج کل انگلستان میں عین اس اصول کے مطابق ہر سال کئی ڈرامے لکھے جاتے ہیں۔ ابتدا میں اتحاد ثلاثہ کا اطلاق صرف ٹریجڈی پر ہوتا تھا' مگر بعد میں کامیڈی پر بھی عائد کیا گیا۔ اردو زبان میں ''تین ٹوپیاں'' ایسے ڈرامے کی واحد مثال ہے' جو اصول اتحاد ثلاثہ کے مطابق لکھا گیا ہے —

(ب) بہت سے شاعر کشمکش تو پیدا کرلیتے ہیں' مگر اُسے سنبھال نہیں سکتے۔ مسٹر ٹوننگ (Mr. Twining) اُس کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ یہ ''نقص عام ہے' یونانی ڈرامانگاروں کے علاوہ شکسپیر کے یہاں بھی پایا جاتا ہے۔ جب شکسپیر یہ سمجھتا ہے کہ ڈراما ختم ہونے کے قریب ہے' تو وہ عجلت سے کام لیتا ہے' تاکہ معاوضہ جلد مل جائے' پس وہ اُس جگہ محنت سے جی چراتا ہے' جہاں اُسے زیادہ محنت کرنی

---

* ۱ تا ۵ کے حالات ناٹک ساگر میں ملاحظہ ہوں —

چاهئے۔ نتیجه یه هوتا هے که اُس کے ڈراموں کے انجام یا تو غیر اغلب هوجاتے هیں، یا ناممکن معلوم هوتے هیں"۔هندوستان کے موجودہ ڈراموں میں یه نقص بیش از بیش پایا جاتا هے) —

(ج) یه درست هے که دیوتا هر چیز دیکھه سکتے هیں لیکن غیر متعلق هستیوں کا پلاٹ میں کیا کام —

———(هوریس*)———

(۱) اگر کسی مبهم مضمون کو واضح کرنے کے لیے الفاظ نه ملتے هوں، تو خود لغت گھڑنے میں مضائقه نهیں مگر یه کام سلیقه چاهتا هے

(۲) ایک جانی بوجهی روایت تمهاری ملک هوجاے گی، اگر تم واقعات کو من و عن بیان کرنے پر نه اُتر آؤگے۔تمهیں نهایت دیانت دار مترجم بننے کی کبهی کوشش نه کرنا چاهئے اور لفظ به لفظ ترجمے کی زحمت محض بے کار هے —

(۳) اگر تم چاهتے هو که تماشائی تمهاری کاوش کی قدر کریں اور اختتام تک بیٹھے رهیں، تو هر عهد کے اطوار اور اخلاق کا خیال رکھو اور احتیاط کرو که جو الفاظ کسی کیریکٹر کے منه سے نکلیں، وہ اُس کی حیثیت اور عمر کے مطابق هوں—

(۴) تھیٹر میں کان کی نسبت آنکھه سے زیادہ کام لیا جاتا هے —

(۵) ڈراما پانچ ایکٹوں سے کم و بیش نه هونا چاهئے—

---

* Quintus Horatius, Fleao (۶۵ ق-م – ۸ ق-م) جو انگریزی میں هوریس Horace کے نام سے مشهور هے۔اس کا باپ ایک غلام تها، جو بعد میں آزاد هوگیا اور اُس نے اُسے روم میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بهیجا۔یه فلسفه کی تعلیم کے لیے برسوں ایتهنز میں رها، واپس آکر اطالوی خانه جنگی میں مصروف هوگیا۔جب امن هوا تو ادب کی طرف توجه کی اور غیر فانی نام پیدا کیا —

(۶) دیوتاؤں کو دخل در معقولات نہ دینے دو—

(۷) سٹیج پر ایک وقت میں تین آدمیوں سے زیادہ گفتگو نہ کریں —

(۸) جو کچھ لکھو' اُس کو نو سال تک اپنے پاس رکھنے کے بعد شائع کرو-جو لفظ ایک دفعہ شائع ہوجاے' پھر واپس نہیں آتا —

———(مائیٹر نو*)———

(۱) ڈراما کی کہانی کے واقعات ایک یا زیادہ سے زیادہ دو دن میں ختم ہونے چاہئیں-

(۲) ڈراما کی نمائش میں تین گھنٹے سے کم اور چار گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہ ہو- اختصار کی شکایت طوالت کے عیب سے بہتر ہے —

(۳) تمام ڈراما نگار متفق ہیں کہ اُن کا مقصد وعظ و پند ہے —

———(کاسٹل ویٹرو +)———

(۲) نمائش اور واقعہ ہونے کا وقت مطابق ہونا چاہئے - عمل کی جاے وقوع ایک ہو' یہ ایک شہر یا ایک مکان نہ ہو' بلکہ ایک ہی کمرہ ہو - کہانی کا وقت بارہ گھنٹے سے کسی صورت میں زیادہ نہ ہونا چاہئے - تماشائیوں کو کو یہ یقین دلانا ناممکن ہے کہ کئی راتیں اور کئی دن گذر چکے ہیں' جب کہ وہ خود بخوبی جانتے ہوں کہ در اصل صرف چند گھنٹے گذرے ہیں—

---

* (Antonis Sibastiana) جو مائیٹرنو (Miturno) کے نام سے مشہور ہے' قدیم اٹلی کا نامور عالم ہے' اُس کے حالات اسی قدر ملتے ہیں کہ بشپ تھا اور خدمت کلیسا کے ساتھہ علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا تھا' اُس نے ارسطو کی جو بسیط شرح لکھی ہے' اُسے مستند تسلیم کیا جاتا ہے—

+ (Lodorica Castel Vetro) (سنہ ۱۵۰۵—سنہ ۱۵۷۱) مکمل تعلیم حاصل کرنے کے بعد ادبیات کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی زبردست تنقید سے ہیجان پیدا کردیا- مگر ایک ہردل عزیز شاعر پر تعریض کرنے کی علت میں مدتوں جلا وطن رہا' واپس آکر اُس نے فن ڈراما پر ایک کتاب شائع کی اور تحریک احیاء العلوم کے لیے راستہ صاف کیا- اس کی ارسطو شرح اطالوی زبان میں معرکۃ آلارا کتاب مانی جاتی ہے —

(۳) اس لئے نہیں کہ پلاٹ میں دو کہانیوں کی گنجائش نہیں ہوتی، بلکہ دو پلاٹ بدین وجہ نا روا ہیں کہ بارہ گھنٹے کے عرصے میں اور ایک ہی کمرے میں دو مختلف واقعات کے سلسلے ظہور میں نہیں آسکتے - پس کوئی ڈراما لائق ستائش نہیں، جس میں ایک سے زیادہ پلاٹ ہوں، اگر چہ اُن میں سے ایک اصلی ہو اور دوسرا محض ضمیمہ —

(۴) خصائل نگاری کے بغیر کوئی ڈراما قابل قدر نہیں ہو سکتا —

——— (جین چیپ لین *) ———

(۱) حیات انسانی کی صحیح تصویر اتارنا ڈراما کے لئے لازم ہے —

(۲) ڈراما میں شاعر کہانی کے علاوہ انسان کے مختلف خصائل، عادات اور جذبات دکھاتا ہے —

(۳) فن کو اِس بات میں بہت قدغن ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت، عمر اور جنس کے مطابق باتیں کرے اور موزونیت سے اس کا مفہوم صرف شائستگی نہیں، بلکہ وہ ہر بات کو کیرکٹر کے حسب حال دیکھنا چاہتا ہے، بد معاشوں کی بداعمالی اور نیک کرداروں کی خوش اخلاقی، اس کے ہاں یکساں توجہ کی مستحق ہے —

(۴) اتحاد ثلاثہ کی پیروی کے بغیر ڈراما بے معنی چیز ہے —

(۵) پلاٹ کے لئے آغاز داستان، اُلجھاؤ اور انکشاف لازم ہے —

(۶) ڈراما کا بہترین اور قابل داد اثر یہ ہے کہ تماشائی نتیجے پر پہنچنے کے لیے بے قرار ہو جائیں اور اُنھیں یہ نہ معلوم ہوسکے کہ کہانی کہاں اور کس طرح

---

* Jean Chaplain (۱۵۹۵ - ۱۶۷۴) ابتدا ہی سے اِسے ادبیات کے مطالعہ کا شوق تھا اور عنفوان شباب ہی میں اِسے ادبا ے پیرس کے حلقے میں بار مل گیا — فرانس کے بہترین نقادوں میں ہے —

ختم ہوگی —

(۷) ڈراما کے پانچ ایکٹ ہوں اور ہر ایکٹ کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ سات سینوں پر مشتمل ہو —

(۸) یہ درست ہے کہ کسی سین میں ایک وقت پرتین سے زیادہ اشخاص سٹیج پر نہ آئیں ، لیکن آخری ایکٹ کے آخری سین میں اس قاعدے کی خلاف ورزی جائز ہے —

(۹) یہ بات سب سے ضروری ہے کہ کوئی کیرکٹر بغیر کسی وجہ موجہ کے نہ تو سٹیج میں داخل ہو ، نہ باہر جائے —

——— (ایب ڈی اوبگ نگ *) ———

(الف) .... پس متقد مین (اہل یونان) کے اصولوں پر پانچ اعتراض وارد ہوتے ہیں —

(۱) ہمیں نہیں چاہئے کہ رواجوں اور مثالوں کی بنا پر قانون واضع کریں ، بلکہ اُس کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہئے —

سندات قابل تقلید نہیں —

" سٹیج کے قوانین سندات پر نہیں بلکہ معقولیت پر مبنی ہرتے ہیں ، اُن کا جواز تقلید پر نہیں ، بلکہ انسانی قوت فیصلہ پر حصر رکھتا ہے " —

---

* (Fancais Hedilin) المعروف (Abbe D. Aubignac) (۱۶۰۴ - ۱۶۷۶) پیرس کے ایک معزز وکیل کے گھر پیدا ہوا ، اس کی تعلیم کا حصر ذاتی کاوش پر تھا ، کسی کے سامنے زانوے ادب تہ نہیں کیا ، ذہن رسا جودت طبع اور تخئیل بلند کی بدولت جلد محفل ادب پر چھا گیا اور ریشلو نے نوک پلک سے آراستہ کر کے میدان میں اتارا - اس کی کتاب Pratiquedu thealse ڈراما نگاروں کے لیے چراغ ہدایت کا کام دیتی ہے - رسائن نے اس کی نقل اپنے ہاتھ سے تیار کی تھی اور اُس پر حاشیہ لکھا تھا —

(۲) خود متقدمین نے اِس اصول کی خلاف ورزی کی ہے' "یہ کوئی معقول اعتراض نہیں' معقولیت ساری دنیا کے لیے یکساں طور پر قابل تقلید ہے اگر ہمارے زمانے کے مصنف قواعد کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں تو متقدمین بھی یہ غلطی کرنے کے مجاز تھے' بہر کیف اگر متقدمین میں سے کسی نے ایسا کیا ہے تو وہ بھی قابل درگذر نہیں۔ میں تو متقدمین کی تقلید کا صرف اس حد تک روادار ہوں' جہاں تک وہ معقولیت کے دائرے کے اندر ہیں' مگر اُن کی غلط کاری ہرگز سزاوار تتبع نہیں"۔

(۳) متقدمین کے متعدد ڈراموں کے تراجم ہمارے سٹیج پر ناکام رہے ہیں—
"یہ اعتراض معترضین کی عدم واقفیت پر دال ہے' کیونکہ اگر متقدمین کے کوئی ڈرامے ہمارے سٹیج پر ناکام رہے ہیں' تو اس سے فن پر حرف نہیں آسکتا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اُن کے مضامین ہمارے مذاق کے مطابق نہ تھے' مترجموں کی دست برد نے بہت سے محاسن کو یہاں تک زائل کر دیا تھا کہ بہت سے سنجیدہ سینوں میں قہقہہ انگیزی کی شان پائی جاتی تھی"—

(۴) ہمارے متعدد ڈرامے باوجود خلاف اصول ہونے کے سٹیج پر کامیاب رہے۔
"اس کے جواب میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایسے ڈرامے پبلک اور دربار نے کلیتاً پسند نہیں کئے تھے' بلکہ اُن کی صرف وہی باتیں مقبول ہوئی تھیں' جو معقول اور با اصول تھیں" —

(۵) اگر اِن صبرآزما اصولوں کی پیروی کی جائے تو کئی ایک سچی روایتوں کا نہایت دلچسپ حصہ ترک کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اِن کے بہت سے واقعات مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں' ظہور میں آتے ہیں—
"یہ بالکل مضحکہ انگیز خیال ہے۔ سٹیج کے قواعد ہرگز کسی روایت کے اہم واقعات کو قلمزن کرنے پر مصر نہیں۔ اس کے برعکس وہ تو ہمیں

یہ بتاتے ھیں کہ کس طرح اُنھیں عمل مکان اور زمان کے قرائن کے ساتھہ وابستہ کیا جاے، تا کہ وہ غیر اغلب معلوم نہ ھوں - یہ ضروری نہیں کہ اُنھیں ھمیشہ روایت کی ترتیب کے مطابق سٹیج پر دکھایا جاے، بلکہ اِن کی ترتیب ظہور کو اس اسلوب سے بدلنا لازم ھے، جس سے وہ زیادہ موزوں اور زیادہ خوش آئند معلوم ھوں"-

(ب) ڈرامے کے مضمون کے انتخاب میں اِس امر کا لحاظ رکھنا چاھئے کہ وہ مندرجۂ ذیل تین شقوں میں سے کم سے کم ایک پر مبنی ھو: (۱) جذبات عالیہ (۲) پیچیدہ اور دلچسپ داستان (۳) حیرت انگیز اور پرلطف مناظر—

(ج) وفور جوش و خروش روح کو بے حس کر دیتا ھے اور کیرکٹر کے ساتھہ ھمدردی پیدا نہیں ھوتی—

(د) ڈراما میں کسی گمراہ کو وعظ و نصیحت سے راہ پر نہیں لایا جاتا، بلکہ ایسے حالات پیدا کئے جاتے ھیں کہ اُسے مجبوراً اپنا طرز عمل بدلنا پڑتا ھے—

——(لوپ ڈی ویگا* اور مولیر†)——

ان کا صرف یہ قول ھے کہ تماشائیوں کو ڈراما کا پسند آجانا اِس کی عمدگی کا بہترین معیار ھے—

——(کارینل‡)——

کارینل لوپ ڈی ویگا اور مولیر کے مذکورۂ بالا قول کے ساتھہ پابندی قواعد کی شرط اضافہ کرتا ھے—

——(بیولو$)——

(ا) اگر آپ کی یہ آرزو ھے کہ آپ کا ڈراما شہر بھر کے نقادوں سے خراج تحسین

---

*، †، ‡ ان کے حالات ناٹک ساگر میں ملاحظہ ھوں—

$ Nicolas Baileu Despreax (۱۶۳۶—۱۷۱۱)

گیارہ سال کی عمر تھی کہ اُس کی ماں کا انتقال ھو گیا - اوائل عمر ھی سے اسے خشک

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

حاصل کرے، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے ڈراما کو لازوال شہرت نصیب ہو اور صدیوں تک اُس کی تازگی میں فرق نہ آنے پائے تو آپ کو چاہئیے کہ جو کچھہ لکھیں اُس میں نہایت حزم و احتیاط کے ساتھہ لوگوں کے دلوں کو گداز اور اثر پذیر بنانے کی کوشش کریں - ورنہ عالمانہ باتوں سے سینوں کو بھر دینے سے کوئی فائدہ مترتب نہ ہوگا - صرف مکالمہ کوئی اثر پیدا نہیں کرسکتا - اِن کوتاہیوں سے صرف یہ ہوگا کہ کوئی بے رحم نقاد آپ کے ڈرامے کی دھجیاں اُڑاے گا اور تماشائی بجاے تماشہ دیکھنے کے سو جایا کریں گے۔

(۲) کامیابی کا راز یہ ہے کہ پہلے تماشائیوں کو اپنی طرف متوجہ کر لو، پھر اُن کے دلوں کو مؤثر کرو اور اس کے بعد اُن کی ضیافت طبع کا سامان پیدا کرو—

(۳) غیر متعلق اور بے جوڑ معجزات کی نمائش سے پریشان نہ کرو اور اگر کچھہ سکھا سکتے ہو تو سکھاؤ—

(۴) ایک ہسپانوی ڈراما نگار مزے سے ایک دن کے عرصے میں سالوں کے واقعات دکھا سکتا ہے، وہاں ہیرو بچپن میں سٹیج پر آتا ہے اور بوڑھا ہوکر نکلتا ہے - مگر ہم جو معقول پسند ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ ڈراما اتحاد ثلاثہ کے مطابق لکھا جاے—

(۵) اِس زمانے میں جب پادریوں کا دور دورہ تھا، یہ مقدس ہستیاں سٹیج کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

مضامین سے نفرت تھی - کچھہ عرصے تک وکالت کرنے کے بعد اُس نے ادبیات کی طرف توجہ کی اور نظم میں بڑا نام پیدا کیا - بادشاہ نے اِسے دربار کا مورخ مقرر کر کے بیش بہا مشاہرہ مقرر کیا، جس کی بدولت کسب معاش سے بے فکر ہو کر ہمہ تن ادبیات کی خدمت میں مشغول ہو گیا - ایک طویل نظم موسومۂ Art Poetique میں اس نے فن ڈراما کے اصولوں پر بڑی دلاویز بحث کی ہے، جس میں سے جستہ جستہ اشعار کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے—

گندہ اور ناپاک کیا کرتی تھیں۔ اور چند بیوقوف اشخاص بجاے ھیرو اور محبت کی کرشمہ سازیوں کی نہایت بے ھودگی سے کام لے کر فرشتوں، خدا، مقدس کلواری، پیشوایان دین اور اُن کی کرامتوں کی نقل اُتارا کرتے تھے۔ بالآخر جب عقل کا چراغ روشن ھوا تو لوگوں نے اپنی غلطی محسوس کی تو حقیقی ڈراما سٹیج ھونے لگا —

(۶) جو کچھ لکھو، فطرت کے مطابق لکھو۔ تصویر میں ایسے رنگ بھرو، جو آنکھوں کو بھلے معلوم ھوں —

(۷) سنجیدہ اور پر وقار الفاظ کے پہلو میں سوقیانہ محاورے اور بازاری باتیں ڈراما کو ذلیل کر دیتی ھیں —

(۸) میں اُس ڈراما نگار کو پسند کرتا ھوں، جو اپنے رشحات قلم سے سٹیج کے رتبے، حیثیت اور وقار کو بلند کرے —

——(ڈرائیڈن *)——

... ... یہی وجہ ھے کہ ھماری ٹریجی کامیڈیوں میں بہت سے سین ایسے ھوتے ھیں، جن کا اصل پلاٹ سے کوئی تعلق نہیں ھوتا۔ اور دو پلاٹ یعنی دو ڈرامے ایک ساتھ چلتے ھیں اور تماشائیوں کی طبیعت پریشان ھوجاتی ھے۔ مزے کی بات یہ ھے کہ سٹیج پر کام کرنے والے ایکٹروں کی دو جماعتیں ھوجاتی ھیں، جو آخر دم تک ایک‌دوسرے سے نا آشنار ھتی ھیں اور آخری سین میں جا اکٹھی ھوتی ھیں۔ دنیا میں انگلستان کے سوا ایسا تھیٹر کہیں بھی نہیں پایا جاتا، جس میں ٹریجی کامیڈی جیسی مکروہ چیز تمثیل ھوتی ھو۔ جب یہ سٹیج ھو رھی ھو تو تھیٹر اچھا خاصہ پاگل خانہ معلوم ھوتا ھے —

——(قدیم علماے ھند)——

(۱) ڈرامے سے یہ مدعا ھے کہ تفریح اورھنسی کھیل کے پردے میں لوگوں کو

---

* حالات کے لیے ملاحظہ ھو ناٹک ساگر —

تلقین کی جاے —

(۲) کہانی اہم، مشہور دیو مالا یا تاریخ سے ماخوذ ہو، مگر فرضی باتیں بھی اس میں داخل ہوسکتی ھیں —

(۳) ارکان ڈراما اعلیٰ طبقے کے ھوں —

(۴) پلاٹ صرف ایک ھو —

(۵) عمل کہانی سے اِس طرح پیدا ھو، جیسے بیج سے پودا پھوٹتا ھے —

(۶) کہانی کے واقعات کے ظہور میں آنے کا وقت زیادہ نہ ھو، ان کا ایک دن میں ختم ھونا انسب ھے، لیکن چند دنوں بلکہ ایک سال تک کا عرصہ بھی ناجائز نہیں —

(۷) ڈرامے کی زبان نہایت پاکیزہ اور شستہ ھو —

(۸) ڈرامے کے کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ دس ایکٹ ھوں، آخری ایکٹ میں تمام ایکٹر سٹیج سے چلے جائیں اور ہر ایک ایکٹ بجاے خود مکمل ھو —

(۹) گو اصل قصے میں کوئی بات ھیرو یا ھیروین کی شان کے منافی ھو، مگر ڈرامے میں اُس کا اظہار ھرگز روا نہیں —

(۱۰) دور دراز کے سفر، موت، جنگ، دریا، محاصرے کے سین، کھانا، نہانا، بوسہ لینا، جسم پر صندل لگانا، کپڑے اُتارنا، کسی کیریکٹر کا سٹیج پر مرنا یا کسی کی موت کا تذکرہ کرنا، ممنوعات میں داخل ھیں —

(۱۱) ھر ڈراما ایک تمہید سے شروع کیا جاے، جس سے تماشائیوں کو یہ معلوم ھو کہ ڈرامے کا مصنف کون ھے، کس موضوع پر لکھا گیا ھے، کون کون ایکٹر اس میں کام کریں گے - اِس تمہید میں ڈرامے سے قبل کے ایسے واقعات بیان کیے جاتے ھیں، جن کا جاننا حاضرین کے لیے ضروری ھو —

(۱۲) پلاٹ مندرجۂ ذیل پانچ عناصر پر مشتمل ھوتا ھے

(الف) وہ واقعہ جس پر قصے کی بنیاد ھو —

(ب) کوئی فروعی واقعہ جس کو تسلسل داستان کے قیام کے لیے بیان کیا جاے —

(ج) وہ واقعہ جس کا ذکر حسن بیان کے لیے کیا جاے اور اُس سے قصے کے انکشاف میں مدد ملے —

(د) وہ واقعہ جس میں ڈرامے کے بڑے ارکان حصہ نہیں لیتے —

(۱۳) ڈرامے کے مناسب اختتام کے لیے حسب ذیل منازل کا طے کرنا ضروری ہے :

(الف) ابتدا (ب) انکشاف واقعات (ج) امید کامیابی (د) رکاوٹوں کا رفع ہونا (ہ) تکمیل کار —

(۱۴) ہیرو اور ہیروین کے علاوہ مندرجۂ ذیل کیریکٹروں کا ہونا انکشاف داستان کے لیے ضروری ہے —

(الف) ہیرو کا رفیق اور راز داں —

(ب) ہیرو کا مخالف —

(ج) ہیرو کا مصاحب —

(د) ہیرو کا ندیم خاص —

(ہ) ہیرو کا ظریف —

متقدمین کے اقوال اور آرا کی یہ ہلکی سی جھلک بس ہے، ورنہ یہ ایک لمبی داستان ہے اور ایک مستقل کتاب چاہتی ہے - ہم با دل نا خواستہ بہت سی باتوں کو ترک کرکے یہ دکھانے پر قناعت کرتے ہیں کہ فی زمانہ ڈراما نویسی میں خاص کر کن اصول و قواعد کی پیروی کی جاتی ہے- انگلستان کی نامور نقاد ڈراما مس اگنس پلیٹ (Agnes Platt) چاہتی ہیں کہ ڈراما لکھنے میں مندرجۂ ذیل قواعد کا دھیان رکھا جاے :

[۱] اقتضائے وقت کو کبھی فراموش نہ کرو —

[۲] نظریات سے کام نہ چلیگا —

[۳] ڈراما لکھنا ہے تو تھیٹر دیکھو اور ایک ہی ڈراما کو کم از کم چھہ مرتبہ ملاحظہ کرو —

[۴] تماشائی تھیٹر میں لکچر سننے نہیں آتے' اِس لئے لمبی لمبی تقریروں سے پرھیز کرو —

[۵] کسی ڈرامے کا سٹیج پر کامیاب ہونا جدت آفرینی کا مقتضی ہے —

[٦] سالوٗلکی کا استعمال بدترین عیب ہے'یہ محض تقویم پارینہ ہے —

[۷] اسائیڈ ڈراما کی فطرت کے خلاف ہے —

[۸] ڈراما کے کیر کٹروں کی تعداد جس قدر بھی کم ہوسکے بہتر ہے —

[۹] فطرت کا عکس لینے کی کوشش کرو —

[۱۰] ڈراما کے واقعات مختلف کیرکٹروں کے باہمی تعلقات سے بلاتکلف پیدا ہو نے چاہئیں —

[۱۱] ڈراما میں جو بات رونما ہو'اس کا سبب واضح ہونا لازم ہے —

[۱۲] ڈراما لکھتے وقت اس امر کو مد نظر رکھو کہ سٹیج کی کیا حالت ہے اور کتنے عرصے میں ڈراما ختم ہونا ضروری ہے —

[۱۳] ایسا مضمون انتخاب نہ کرو' جس میں کسی کیرکٹر کی شکل شباہت اور قدوقامت میں تغیر واقع ہوتا ہو —

[۱۴] انتخاب مضمون کے وقت اس بات کو فراموش نہ کرو کہ ڈرامے کے انکشاف کو بتدریج ایک خاص معراج تک پہنچنا ہے اور دیکھو کہ اس مضمون میں اتنے پھیلاؤ کی صلاحیت ہے یا نہیں —

[۱۵] کسی ڈرامے کے پہلے ایکٹ کا بدرجۂ اتم اچھا ہونا'ڈرامے کے ناکام رہنے کا پیش خیمہ ہے،کیوں کہ اس سے تماشائیوں کی توقعات اس قدر بلند ہوجاتی ہیں

کہ اُن سے عہدہ برآھونا ڈرامے کے بس میں نہیں رھتا اور تماشائیوں پر عالم یاس طاری ھو جاتا ھے —

[۱۶] عمل کے معنے پلاٹ ھیں، لیکن سٹیج کی اصلاح میں ماورائے گفتگو ہر فصل جو انکشاف داستان کا ممد ھو عمل کہلاتا ھے —

[۱۷] کسی ڈرامے میں عمل کا کم ھونا ناقابل عفو فرو گذاشت ھے، وہ پلاٹ جو عمل سے معرا ھو اور جس میں صرف باتیں ھی باتیں ھوں، قابل نمائش نہیں۔

[۱۸] سب سے پہلے ڈراما نگار کو اس امر کا تصفیہ کرنا چاھئے کہ وہ کس قسم کا ڈراما لکھنا چاھتا ھے، پھر وہ اُسے اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور احتیاط رکھے کہ کسی اور صنف میں دست انداز نہ ھو —

[۱۹] ایک بار ڈراما لکھکر اُسے سرے سے پھر لکھو، پھر لکھو، پھر لکھو —

[۲۰] سٹیج پر جو کیرکٹر آئیں، وہ اِس قسم کے ھونے چاھیں، جن سے نشست و برخاست، میل جول، تماشائیوں کو گوارا ھو —

[۲۱] ناتجربہ کار ڈراما نگار میں یہ عیب عام طور پر پایا جاتا ھے کہ اُس کی کسی تقریر کو کوئی کیرکٹر ادا کرے تو اسلوب تکلم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ایسا معلوم ھوتا ھے کہ وہ تمام کے تمام ایک ڈھنگ پر سوچتے ھیں اور ایک طرز میں باتیں کرتے ھیں —

[۲۲] لفظوں کی بھر مار نا قابل برداشت ھے - عام طور پر کوئی تقریر تین سطروں سے زیادہ موزوں خیال نہیں کی جاتی- سٹیج کی گفتگو چھوٹے چھوٹے چست فقروں میں مزہ دیتی ھے - اس سے زیادہ نا معقول شاید ھی کوئی عیب ھو کہ ایک ایکٹر ایک لمبی تقریر شروع کردے اور باقی ایکٹر اُلو کی طرح ٹکر ٹکر اُس کا منہ دیکھتے رھیں - فن کو تمام طاقت اُس سین کو فطرت کے مطابق نہیں کرسکتی، جس میں کوئی کیرکٹر غیر معمولی طویل تقریر کرے اور باقی ایکٹر معمول سے زیادہ عرصہ تک بت بنے کھڑے رھیں—

[۲۳] ڈرامے کا مکالمہ محاورے میں ڈوب کر لکھو - جس میں بلا تکلف گفتگو کا لطف آجاے- اور ہر کیریکٹر اپنی عمر' وجاہت' تعلیم اور پیشے کے مطابق اظہار خیال کرے —

(۲۴) کیریکٹروں کے آنے جانے میں بڑی احتیاط کرنی چاهئیے —

(۲۵) اهم باتوں کو بار بار کہنا چاهئیے - اور اگر بات از حد ضروری هو تو اُسے ایک هی اسلوب اور اُنهی الفاظ میں دهرانا بہتر هوتا —

(۲۶) وه ڈراما نگار کامیاب متصور هوگا جس کے پانچ ڈراموں میں سے ایک بھی ستیج کے امتحان میں پورا اُتر جاے—

(۲۷) آخری ایکٹ میں نئے کیریکٹر مت داخل کرو—

(۲۸) کوئی ڈراما خواہ کتنی احتیاط سے لکھا جاے مگر اُس میں بھی نمائش اوّل کے بعد تماشائیوں کی راے کے مطابق تغیر و تبدل کرنا پڑتا هے—

مسٹر کولا چلم سری نواس راؤ مدراسی

فن ڈراما کے مسلمه ماهر هیں اور اس مضمون پر اُن کی ایک تصنیف بلاد مغرب میں مقبول هوئی هے - آپ هندوستان کے ڈراما نگاروں کو حسب ذیل مشورہ دیتے هیں :-

(۱) ڈراما نگار کا صرف یہ کام هے کہ کسی مضمون کو ڈرامے کے پلاٹ یا عمل میں منتقل کرے- حقیقی زندگی کے حالات تاریخی واقعات اور تذکرہ بیان کی هوئی کہانیوں سے مضمون اخذ کرے' اور بہادری' شجاعت' عصمت' ایثار وغیرہ پر روشنی ڈالے —

(۲) اتحادِ عمل کو قایم رکھنا ناگزیر هے' لیکن اتحادِ زمان اور اتحادِ مکان چنداں اهمیت نهیں رکھتے - هر ایک پلاٹ اور عمل بجاے خود مکمل هونا چاهئیے- پلاٹ میں افتتاح' انکشاف' معراج اور انجام کا هونا لوازمات میں داخل هے—

(۳) سوا اس کے کہ مضمون دیو مالا سے لیا گیا ہو، ڈرامے کے واقعات ممکن العمل ہونے چاہئیں—

(۴) ڈراما نگار کو لازم ہے کہ کیریکٹروں کی تخلیق اور اُن کے خصائل کو نمایاں کرنے میں بہت محنت سے کام لے—

(۵) کسی خاندان، ذات یا مذہبی پیشوا پر حملہ نہ کرو—

(۶) ڈراما لکھنے میں علو فن مد نظر رکھو اور زندگی کے بہترین پہلو دکھا کر اخلاق کو بلند کرنے کی کوشش کرو—

(۷) ڈراما میں ایسی باتیں نہ ڈالو جن میں سفلہ پن، بازاری تمسخر اور فواحشات پائے جائیں۔ تہذیب اور اخلاق کے مقابلہ میں قبولیت عام کی پروا نہ کرو—

(۸) تاریخی واقعات کے علاوہ اور کسی واقعہ میں ہیرو یا ہیروین کی موت واقع نہ ہونے دو—

(۹) سٹیج پر بوس و کنار اور قسم کی دیگر حرکت ممنوع ہیں—

(۱۰) میدان جنگ کے مناظر دکھانے سے حتی الوسع پہلو بچاؤ—

(۱۱) قدیم ہندی علماء کے اصولوں کی پیروی کرو اور ڈراما کو اس قابل بناؤ کہ تعلیم یافتہ اصحاب اُس میں دلچسپی لیں—

(۱۲) دوسروں کے لکھے ہوے ڈراموں کے پلاٹ پر نئے سرے سے ڈراما لکھنا مشکلات سے خالی نہیں—

(۱۳) ڈراما نگار کو چاہئے کہ اپنے ڈرامے چھپوا کر ادبیات میں اضافہ کرے۔ ہمارے موجودہ ڈرامے بہت پھسڈی ہیں—

(۱۴) تاریخی، رومانی اور تمدنی رنگ کے ڈرامے تیار کرو اور مذہبی (دھارمک) ڈراموں کو ہاتھ تک نہ لگاؤ—

(۱۵) بعض ڈرامے ادبی لحاظ سے بہت ہوتے ہیں لیکن سٹیج کے قابل نہیں ہوتے۔ اُنہیں چھپوا دینا چاہئے تاکہ پڑھنے کے کام آئیں—

(۱۶) اگرچه غیر ضروری ہے، لیکن اگر کام نہ چلے تو روحوں کو سٹیج پر لاسکتے ہیں —

بیشک یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ متداول ہندوستانی ڈرامے کن اصول و قواعد کے مطابق لکھے جاتے ہیں، لیکن ان کا دریافت کرنا اشتہاری حکیموں کے نسخے حاصل کرنے سے کم دقت طلب نہیں۔ یہ راز آپ کسی ہندوستانی ڈراما نویس کے صندوق سینہ سے نہیں نکال سکتے۔ ممکن ہے کہ جس بات کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے حقیقت میں اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو اور خود لکھنے والے اپنے اسلوب نگارش سے نا آشنا ہوں۔ بہر حال ان حضرات سے کسی کام کی بات کا حصول ناممکن ہے اور ہمارے لئے صرف یہ طریق کار باقی رہتا ہے کہ ہم نے جو ڈرامے دیکھے یا پڑھے ہیں ان سے بطور خود اصول و قواعد استخراج کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی قسم کی محنت کا ماحصل یہ "انمول گُر" ہیں :—

(۱) ڈرامے کے دو نام رکھو۔ ایک محض تحسین عنوان کے لیے، اور دوسرا ذرا مضمون کو واضح کرنے کے لیے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک نام کو استعمال کرتے ہیں، کبھی دوسرے کو، اور اس طرح ڈراما دیر تک تازہ رہتا ہے —

(۲) بیشک ڈراما ایک عظیم‌الشان فن ہے مگر اس کا لکھنا اس قدر آسان ہے کہ بقول آغا طاہر نبیرۂ مولانا آزاد مرحوم: "ڈراما لکھنا آج کچھ بڑی بات نہیں۔ جس نے چند انگریزی کتابیں پڑھی ہوں، کچھ ناول دیکھے ہوں، تھیٹروں کی زیارت سے مشرف ہوا ہو، کہیں دل دیا ہو، کہیں لیا ہو۔ اچھا خاصا ڈراما نسست بن سکتا ہے" — (دیباچہ ڈراما اکبر)

(۳) ڈرامے کو تین ڈراپوں پر تقسیم کرو، ہر ایک ڈراپ میں اپنی سہولت کے مطابق جتنے سین چاہو رکھ لو۔ تعداد کا تعین ضرور نہیں —

(۴) سب سے پہلے حمد یا بندگی گائی جائے جو ہندی میں زیادہ موثر ہوتی ہے
اور معنی پیدا کرنے کے لئے چنداں تکلیف نہیں کرنی پڑتی، ایکٹر جس طرح
کھڑے ہوتے ہیں اسی سے عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ مصروف حمد و ثنا ہیں -
چونکہ تمام تماشائیوں کے کانوں تک یہ الفاظ نہیں پہنچا کرتے اس لئے صرف
ترنم ہی کافی ہے - اس کے گانے سے برکات آسمانی نازل ہوتی ہیں اور ڈراما
کامیاب ہو جاتا ہے - مادی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تماشائیوں کی ہما ہمی
اور شور و غل اس کے دوران ختم ہو جاتا ہے—

(۵) ڈراما میں لازماً دو پلاٹ رکھو - ایک سنجیدہ جسے ٹریجک کہتے ہیں،
دوسرا ظریفانہ جسے کامک کہتے ہیں - یکرنگ ڈراما کی کامیابی موہوم ہے—

(۶) ٹریجک قصے میں ایک ہیرو ایک ہیروئن، اور ایک درباری یا جلالی پارٹ
ہونا لازم ہے ان سب کی گفتگو یکساں طور پر جچی تلی ہونی چاہئے اور
اس طرح لکھی جائے کہ ہیرو اور درباری کیرکٹر کے کلام میں تمیز نہ ہوسکے-
ہیروئن غم کے بوجھ سے زیوروں کی طرح لدی رہے اور اپنی عصمت
بچاتی پھرے - ان کے علاوہ جس قدر کیرکٹروں کی ضرورت ہو رکھ لو—

(۷) کامک قصے میں ایک اُدماتی عورت اُس کا ایک یا ایک سے زیادہ آشنا اور
اُس کا سادہ لوح خاوند یا باپ ضرور ہونے چاہئیں - ان کے علاوہ اُس عورت
کی ماں اُس کا آشنا اور خاوند یا باپ کی آشنا مستزاد ہو سکتے ہیں—

(۸) ٹریجک حصے میں ایسے الفاظ ڈالنے کی کوشش کرو جو عام فہم سے بلند ہوں
اور عجیب عجیب استعاروں اور تشبیہوں سے لٹریچر کا رنگ پیدا کرو -
یہی "خیالات" ہیں جن پر تماشائی مرتے ہیں - قافیہ فقروں کو بہت
زوردار کر دیتا ہے اور جا بجا اشعار کا آنا بڑا اثر رکھتا ہے - مسدس اور
مخمس کے بندوں کا کیا کہنا - اشعار خود بنانے کی کوشش کرو، وزن اور
عروض کے دیگر قواعد کی پابندی لازمی نہیں - اس کمی کو ایکٹر بڑی

آسانی سے پورا کر لیتے ہیں - اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی اور کے شعروں کا لفافہ بدل لو - فارسی کے شعر بھی داخل ہو سکتے ہیں—

(۹) کامک میں ایسی باتیں ہونی چاہئیں جنہیں سن کر بے اختیار آپ پر ہنسی آجائے - فواحشات کو یہاں تک استعمال کرو کہ قانون تمہارا قلم تھام لے - ہلکی ہلکی گالیاں مثل حرامزادہ، اُلو کا پٹھا سٹیج پر بڑا لطف دیتی ہیں جنہیں یہ باتیں پسند نہیں وہ تھیٹر میں شاذ ہی آتے ہیں—

(۱۰) تھیٹر کا واحد مقصد تفریح ہے، اس لئے ناچ اور گانے جس قدر بھی ہوں تھوڑے ہیں - غزل ایک آدھ سے زیادہ نہ ہو لیکن گانے کے ڈھب کی ہو - اپنی غزل بہتر ہے لیکن یہ نہ ہو تو کسی اور شاعر کی غزل کے مقطع میں اپنا تخلص ڈال لو—

(۱۱) حسب ضرورت واقعات کو تذکرہ کے طور پر بیان کرو - اور اسائیڈ اور سالولکی کے استعمال سے ہرگز گریز نہ کرو اس سے تماشائی کیرکٹر کے رازدار بن جاتے ہیں اور وہ ہمدردی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں - تماشائیوں سے براہ راست گفتگو یا اُن سے ہنسی مذاق بھی خوشگوار تعلقات پیدا کر دیتے ہیں—

(۱۲) اپنی بہترین ہمت اور قابلیت پہلے سین پر صرف کردو اگر یہ کامیاب رہا تو میدان آپ کا ہے—

(۱۳) ڈرامے کو تفریحات کا جامع بنانے کی سعی کرو اور رنڈی کا ناچ، بھانڈوں کی نقل، ہیجڑوں کا مجرا، پہلوانوں کی کشتی، مرغوں کی پالی، سینما کے سینوں کو سٹیج پر لانا ضروری ہے، غرض تماشائیوں کو کہیں اور جانے سے مستغنی کردو—

(۱۴) مذہبی شخصیتوں مثل دیوی، دیوتا، اوتار، ولی، پہنچے ہوئے مردان خدا اور اُن کی کرامتوں اور چمتکاروں سے سٹیج کی فضا کو مقدس کرو—

(۱۵) سٹیج پر ایک سو سال کے مسلسل واقعات آسانی سے دکھائے جا سکتے ہیں—

(۱۶) ڈراما میں شراب خواری' نماشش بینی اور قمار بازی کے منظر دکھا کر کسی کیرکٹر سے ان کے معائب پر لکچر دلوا دیا کرو۔ اس سے آپ یہ کہہ سکیں گے کہ سٹیج سے لوگوں کے اخلاق سدھارنے کا کام لیا جاتا ہے—

(۱۷) ڈرامے میں کہانی کے واقعات کا تسلسل قایم رکھنا یا ہر معلول کی علت بتانا ضروری نہیں۔ ڈراما نہ تو ناول ہوتا ہے نہ منطق کی کتاب۔ تھیٹر میں ان باتوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔—

(۱۸) سٹیج ایکٹروں کا اپنا گھر ہے' وہ جس وقت چاہیں آئیں اور جب جی میں آے' چلے جائیں' ع: محتسب را درون خانہ چہ کار

(۱۹) کیرکٹروں کے منہہ میں ایسے الفاظ رکھئے کہ ایکٹر بادل کی گرج' بجلی کی کڑک' ہاتھی کی چنگاڑ' شیر کی گونج اور اژدھے کی پھونکار کا چربہ اُتار سکے—

(۲۰) جو مالک کمپنی کہے وہی لکھو۔ منیجر کی خوشنودی میں آپ کی بہبودی ہے—

(۲۱) اپنے ڈرامے کبھی طبع نہ ہونے دو—

یہ قواعد اپنی شرح آپ ہیں اور کسی مزید تصریح کے محتاج نہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ صورت حالات میں ان پر کاربند ہونے کے سوا ہندوستانی سٹیج پر بار ملنا محال ہے۔ اگر کسی صاحب نظر کو یہ پسند نہ ہوں تو بگڑنے کی ضرورت نہیں' ع:

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو



برسات اور تنہائی

(ایک ہندی خاتون کے جذبات، برسات اور فراق شوہر میں)

از

(جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی)

——— (۱- برسات) ———

برسات آئی ہر سو اک جنت نظر ہے
ہر دل سرور آگیں، ہر شی جنوں اثر ہے

یہ خوشگوار موسم، یہ دل پذیر رم جھم
دنیا غریق مستی ہے اور سربسر ہے

یہ دل کشا ہوائیں، یہ جانفزا فضائیں
دلکش ہر ایک شب ہے، دلچسپ ہر سحر ہے

آیا ہے گھر کے بادل اوڑھے سیاہ کمبل
بھر دے گا آج جل تھل، اس سے کہاں مفر ہے

بجلی کا یہ چمکنا، بادل کا یہ گرجنا
یہ مینہ کا برسنا، پر لطف کس قدر ہے

پھیلی ہے کیا اندھیری، کیسی گھٹا ہے چھائی
گویا کہ شام آئی، حالانکہ دوپہر ہے

یہ کالے کالے بادل، یہ سبز سبز جنگل
جنگل میں بھی ہے منگل، ہر شے بہار پر ہے

سبزے پہ ڈالیوں پر' پھولوں پہ پتیوں پر
ہر ننھی بوند گویا اک خوشنما گُہر ہے

غل کر رہا ہے ہریل' اور کوکتی ہے کویل
گو ہر صدا ہے پر غم' خاطر نشیں مگر ہے

غنچوں کا مسکرانا' پھولوں کا کھلکھلانا
سبزے کا لہلہانا' کیا جاذب نظر ہے

گُل کی قبا مسکنا' گُلشن کا پھر مہکنا
بلبل کا پھر چہکنا جان دل و جگر ہے

شاخوں کا یہ لچکنا' بوندوں کا وہ ٹپکنا
چڑیوں کا یوں پھدکنا ہر ایک کیف اثر ہے

دیتا ہے درس مستی سبزہ تل و دمن کا
جوش نمو سے سب میں اک روح مستتر ہے

گلشن کا پتہ پتہ' گیتی کا ذرّہ ذرّہ
اِس بارش کرم سے اس وقت تر بتر ہے

موجوں کا یہ اُچھلنا' چشموں کا یہ اُبلنا
پانی کا یہ نکلنا' کتنا عجیب تر ہے

اے برشگال! دیکھا یہ فیض عام تیرا
شاداب ہر چمن ہے' سیراب ہر شجر ہے

جذبات آفریں ہے نظارہ ہر کہیں کا
ہوتا ہے جوش پیدا پڑتی نظر جدھر ہے

ساغر کا وہ چھلکنا' رندوں کا وہ بہکنا
اور خوب پی کے چھکنا اِس عہد میں ہنر ہے

باغوں میں جا کے دیکھو فطرت کا فیض جاری
ہر شاخ گُل بکف ہے، ہر نخل سبز تر ہے

کیا چہچہا رہی ہیں چڑیاں پھدک پھدک کر
صیّاد کا نہ کھٹکا، گلچیں کا نہ ڈر ہے

چھایا ہوا ہے گویا نشہ سا طائروں پر
ہر ایک اپنی دھن میں مست اور بے خبر ہے

گویا نشاط آگیں ہے کائنات ساری
اک کیف بے خودی سا ہر شی میں جلوہ گر ہے

احباب کے مزے ہیں، باغوں میں جمگھٹے ہیں
ہے دور شادمانی، غم کا کہاں گزر ہے

جھولے پڑے ہوے ہیں اور پینگ بڑھ رہے ہیں
تانیں ملار کی ہیں، ہر باغ عیش گھر ہے

راتیں ہیں عشرتوں کی، باتیں محبّتوں کی
دن ہیں مسرّتوں کے ہر دل شگفتہ تر ہے

خلوت پسند سب ہیں گیتی سے آسماں تک
تارے بھی چھپ گئے ہیں، روپوش اب قمر ہے

دریا بھرے ہیں جل تھل، مرجیں رواں دواں ہیں
درپیش اِن کو گویا کوئی بڑا سفر ہے

بہ نکلے ندی نالے، مدت سے خشک تھے جو
برسات ہی پہ اِن کی ہستی بھی منحصر ہے

شادابیاں ہیں ہر سو، رنگینیاں ہیں ہرجا
ہر شی ہے عشرت افزا، قصہ یہ مختصر ہے

———(۴ ـ تنہائی)———

لیکن شگفتگی سے محروم ہوں فقط میں
افسردہ میرا دل ہے' اور آہ کس قدر ہے
اک میں اُداس تنہا' خاموش ' دل گرفتہ
آباد ورنہ ہر گھر' دل شاد ہر بشر ہے

آتا ہے مجھکو رونا اِس کی اُداسیوں پر
سنسان کوئی بن ہے' یارب کہ میرا گھر ہے؟
میرا ہی دل ہے جو میں یہ رنج اُٹھارہی ہوں
تنہائی اک بلا ہے' دنیا کو کیا خبر ہے

میری سہیلیاں بھی مجھہ سےکنارہ کش ہیں
عالم ہے ایک ہو کا ' پڑتی نظر جدھر ہے
برسات کی یہ راتیں میں کس طرح سے کاٹوں
کوئی نہ مونس غم ' کوئی نہ چارہ گر ہے

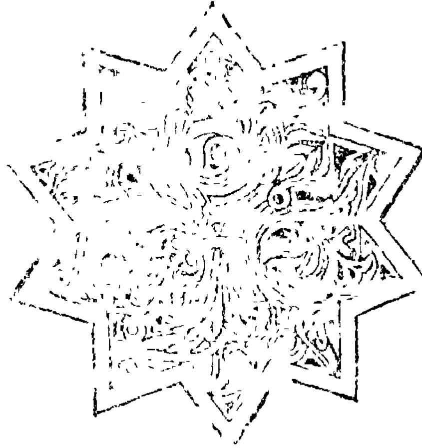
تنہائیوں کا اپنی شکوہ کروں تو کس سے
تھی جن سے کچھہ توقع مجھہ سے,,اُنھیں,,حذر ہے
میں صبر کرلوں لیکن' دل اور جگر بھی مانیں!
بیتاب اک اِدھر ہے' بے چین اک اُدھر ہے

تڑپارہی ہے مجھکو' برمارہی ہے دل کو
کُو کُو ہے کویلوں کی یا کوئی نیشتر ہے
طوفان غم ہے مجھکو سیر بہار گُلشن
موج ہوائے گُل بھی میرے لئے بھنور ہے

جی چاہتا ہے گھر سے صحرا کو بھاگ جاؤں
کیا ہولناک شب ہے ' کیا غم فزا سحر ہے

کوئی نہیں شریک تنہائی جنوں زا
یہ عالم حضر ہے یا حالت سفر ہے
کیا پوچھتی ہے مجھ سے اے میری غم نصیبی!
اب تو جہاں میں میرا کوئی نہ گھر، نہ در ہے
حالت بتاؤں کس کو اپنے غم دروں کی
بالین بیکسی ہے، سودا زدہ یہ سر ہے
رات اور دن ہیں جاری آنکھوں سے اشک خونیں
دل یا جگر میں کوئی زخم کُہن مگر ہے
ہوتی ہے اک تپک سی، آتا ہے آنکھ تک جب
ہر اشک گرم میرا شعلہ ہے یا شرر ہے
کیا کچھ گزر رہی ہے دل پر کبھی نہ پوچھا
اور خندہ زن زمانہ میرے سکوت پر ہے
آتا ہو رحم شاید کچھ اِس کو حال دل پر
یہ چاند آسماں پر ہر شب جو جلوہ گر ہے
دل شاد ساری دنیا، میں نامراد تنہا
اے نخل زندگانی تیرا یہی ثمر ہے؟
گُزرے شباب جب یوں، اندوہ بیکسی میں
آخر یہ میرا جینا پھر کس اُمید پر ہے
تنہائیوں نے کھویا سب لطف زندگانی
یہ کُنج عافیت ہے، یا گوشۂ سقر ہے
یہ سوچکر بھی دل کو صبر و سکوں نہ آیا
وہ زندگی ہی کیا جو مرنے پہ منحصر ہے

آ آ کے یاد "اُن" کی کرتی ہے اور مضطر
اے شام یاس اِس سے کیا صورت مفر ہے
پھر کیوں نہیں دلاتے اِس سے نجات مجھکو
تنہائیوں پہ میری "اُن" کی اگر نظر ہے
اے کاش میں ہوں "وہ" ہوں، اک گوشۂ سکوں ہو،
دنیائے عیش میری بس اتنی مختصر ہے



یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سوں زندگی کرتے
اگر ہوتا گل اپنا، گلبن اپنا، باغباں اپنا

جنوں سوں اِس قدر روئیں کہ رسوا ہوگئیں آخر
ڈوبایا ہائے اِن آنکھوں نیں آخر خانماں اپنا

قفس کے بیچ کیا حسرت ستی بلبل یہ کہتی تھی:
کہ پھر بھی دیکھنا قسمت ہوے گا بوستاں اپنا

اری شیریں! خدا سوں ڈر، خبر لے عاشق اپنے کی
کیا فرہاد نے تیشے سوں سر اوھو لہاں اپنا

یہ بلبل بے اجازت باغباں کے گل سیں ملتی ہے
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جی دے گی ندھاں اپنا

کہیں دیئے سیں جی کے وصل ہونا ہات لگتا ہے
دیا برباد پروانے نے ناحق دودماں اپنا

مرا جلتا ہے دل اُس بلبل بے کس کی غربت پر
کہ گُل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

یہ کہکے باغ سے رخصت ہوی بلبل کہ یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ چھوڑے فصل گل میں آشیاں اپنا

کوی آزردہ کرتا ہے سجن ایسے کوں اے ظالم
جو دولت خواہ اپنا، (مظہر) اپنا، جاں جاں اپنا

———:o:———

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یوں لکھا ہے :

چلی اب گل کے ہاتھوں سے لٹاکر کارواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

علاوہ اس کے شعر ۳، ۵، ۶، ۷، ۹ آب حیات میں نہیں ہیں - باقی اشعار میں کچھ کچھ فرق پایا جاتا ہے - ہم نے یہ دونوں غزلیں تذکرہ "تحفۃ الشعراء" مولفہ افضل بیگ خان قاقشال اورنگ آبادی سے نقل کی ہیں -

لالہ ٹیک چند بہار

ان کے نام سے کون واقف نہیں - ان کی کتاب "بہار عجم" فارسی لغت میں اپنا جواب نہیں رکھتی - بعض تذکروں سے اِن کے اردو اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:—

اُسی درگاہ سے حاجت روا ہوتی ہے عالم کی
جہاں دیتے ہیں بن مانگے، فضولی ہے طلب، لالا

جو کچھ جاکر گلستاں میں کیا ہے کیوں چھپاتے ہو
عیاں ہے آستیں کے چیں سے موج خون گل لالا

—*—

وہی یک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ، کہیں زنار کہتے ہیں*

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

اِیتا مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
غلط کرتے ہیں اُن آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں

—*—

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گُل

—*—

* آبرو کا شعر بھی اسی مضمون کا خوب ہے:
[illegible] تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں سب ہوکو
یہ دونوں ایک ہیں آپس میں ان کے بیچ رشتہ ہے

کوئی کس ساتھہ ایسی فصل گل میں دل کو پرچاوے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ مطرب ہے نہ ہمدم ہے

ہمیں واعظ دراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی کو ہمارے بیش ہے کچھہ مغفرت کم ہے

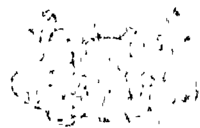
کہتے ہیں نہ ستم کر قتل بے تقصیر خدا دیکھے
جو اس کے ہات یوں مرنا ہو تقدیر کیا کیجے

منظور سیر لالہ جو ہو اس چمن کے بیچ [illegible] پھولا ہے جس کو دیکھہ دل داغدار بیچ
کہتے ہیں عندلیب [illegible] اس بہار بیچ

نتیجہ حسن سے خدمت کا اگر یہ ہے بدمعاشی ہے
بجا ہے یہ جو کہتے ہیں کہ جیسا پاوے ہے جو سووے

اگر مارا مرا دل ہات سے غمزے نے کیا غم ہے
سپاہی کو یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کیا تم کو مناجاتی



تبصرے



ادب

فارسی

متفرق

اُردو کے جدید رسالے

ادب



دشینت و شکنتلا المعروف بہ مثنوی سحر

(از جناب اقبال ورما [سحر] ھتگامی - زمانۂ رکن ایجنسی، کانپور)

شکنتلا ایک سدا بہار پھول ہے، جس کے حسن کو کبھی زوال نہیں۔ یہ حسن و عشق کا طلسم ہے، جو کبھی نہیں ٹوٹنے کا - اور اسی طلسم میں اس کارخانۂ عالم کی رونق اور دل چسپی ہے —

اس سے قبل اُردو میں شکنتلا کے تین ترجمے ہوچکے ہیں - سب سے پہلے نواز کوشور نے اصل سنسکرت سے برج بھاشا میں نظم کیا، جو کبت دوھرے میں تھی - یہ ترجمہ اُس نے اپنے مربی مولی خاں بن فدائی خاں المخاطب بہ عظیم خاں کے حکم سے کیا، جو ھندوستان کے شہنشاہ "فرخ سیر" کا جنرل اور مصاحب تھا (سنہ تخت نشینی سنہ ۱۷۱۳ ع)

سنہ ۱۸۰۱ ع میں مرزا کاظم جوان نے للوجی لال کب کی مدد سے برج بھاشا سے اُردو نثر میں ترجمہ کیا - یہ دونوں صاحب فورٹ ولیم کالج کے ملازم تھے اور یہ ترجمہ اُردو کے محسن ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش سے کیا گیا تھا - مرزا کاظم جوان نے یہ ترجمہ سلیس اردو میں کیا ہے۔ لیکن عبارت مقفیٰ ہے، اس لئے کہیں کہیں تکلف کرنا پڑا ہے، تاہم زبان صاف اور ستھری ہے - بیچ میں کہیں کہیں مترجم نے اپنے اشعار سے بھی ترجمہ کے لطف کو بڑھانے کی کوشش کی ہے - اگرچہ جوان شاعری کا دعویٰ اور نثر لکھنے سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہیں، لیکن اُن کی شاعری معمولی ہے اور اُس سے نثر میں کوئی حسن پیدا نہیں ہوا ہے —

تیسرا ترجمہ سید محمد تقی صاحب نے نظم میں کیا، جس کا نام "رشک گلزار" ہے اور جس کا حوالہ اس مثنوی کے دیباچے میں جناب دیا نرائن صاحب (نگم) نے بھی دیا ہے۔ "رشک گلزار" مثنوی کے طرز میں لکھی گئی ہے اور اس کا وہی رنگ ہے، جو فارسی یا اُردو کی دوسری عشقیہ مثنویوں کی ہے—

یہ چوتھا ترجمہ جو جناب اقبال ورما (سحر) صاحب ہتگامی نے کیا ہے، وہ بھی مثنوی ہی ہے اور "گلزار نسیم" کی بحر میں ہے۔ جس طرح "رشک گلزار" کے مصنف ہندی قصے کی اصلیت کو قائم نہیں رکھ سکے، اسی طرح حضرت (سحر) بھی اس سے قاصر رہے ہیں۔ صرف طول و اختصار کا فرق ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت سحر) بہت پختہ کار شاعر ہیں اور فن شعر پر بھی قدرت حاصل ہے اس مثنوی میں انہوں نے "گلزار نسیم" کا پورا تتبع کیا ہے اور اسی ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے، لیکن باوجود اس کے نہ کہیں تعقید ہے اور نہ زبان کے روز مرے اور محاورے سے الگ ہوئے ہیں۔ اگرچہ ضرورتاً ایک آدھ جگہ ایسے الفاظ استعمال کر گئے ہیں جو وہ نثر میں خود نہ کرتے۔ ہمارے خیال میں اِس کا حق شاعر کو ضرور ہونا چاہئے۔ بعض بعض مقامات بہت خوبی سے لکھے ہیں۔ کہیں کہیں بیچ میں غزلیں بھی آگئی ہیں، جن سے حضرت سحر) کی خوش گوئی اور پختہ کلامی کا پتہ لگتا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اُن کی یہ سعی مقبول ہوگی —

عزال

(سر زمین ترکستان کی ایک دلاویز داستان۔ مرلسۂ ایم اسلم صاحب۔ نسیم بک ڈپو، بازار بارود خانہ لاہور سے (۱۰) آنے میں مل سکتی ہے)

یہ ایک بہت دلچسپ اور درد انگیز داستان ہے۔ قصہ اگرچہ ترکستان کا ہے، لیکن اِس میں ترکستان کی کچھ زیادہ خصوصیات نہیں ہیں۔ تاہم انسانی فطرت کا اچھا اور دلچسپ مرقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ترجمہ ہے یا تصنیف۔ زبان بہت صاف اور اچھی ہے۔ البتہ کہیں کہیں محاورے میں لغزش ہوگئی ہے—

محشر خیال

(تالیف سجاد علی انصاری مرحوم بی۔اے' ال ال۔بی' (علیگ)۔
شرکت ادبیہ' قرول باغ' دهلی۔صفحات ۱۵۲' مجلد ' قیمت قسم اول
تین روپے اور قسم دوم دو روپے ۸ آنے) —

یہ سجاد علی صاحب انصاری مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ھے' جسے خواجہ منظور حسین صاحب ایم۔اے (علیگ) نے مرتب کیا ھے۔افسوس ھے کہ نہ تو مرتب صاحب نے اور نہ ناظم شرکت نے مرحوم کے حالات لکھنے کی زحمت فرمائی' جو ھمارے خیال میں بہت ضروری تھے۔صرف اِتنا معلوم ھوتا ھے کہ وہ علی گڑہ کے تعلیم یافتہ اور بارہ بنکی میں وکیل تھے اور قرینے سے یہ معلوم ھوتا کہ جوان موت مرے —

پہلا مضمون پڑہ کر ھمیں اُن کے طرز تحریر اور طرز بیان سے سوے ظن ھوا ؛ الفاظ زیادہ' معنی کم' ترکیبوں میں تکلف' الفاظ میں پیچ و خم۔لیکن جوں جوں ھم آگے بڑھتے گئے' ھمارا سوے ظن حسن ظن سے بدل گیا۔حقیقت یہ ھے کہ مرحوم بہت قابل انشا پرداز تھے' طبیعت میں جدت' خیال میں وسعت اور اُس کے بیان میں آزادی اور بے باکی نظر آتی ھے۔وہ مقلد نہیں' مجتہد ھیں اور تقلید و ریا کے سخت دشمن۔وہ زندہ دل اور حسن کے فدائی ھیں اور زھد خشک اور بے مزہ نیکی کو لطیف اور دلچسپ معاصی پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ھیں۔یہ مضامین بہت پرلطف ھیں' اور عام فرسودہ خیالات سے کسی قدر الگ ھیں' لیکن باوجود اس آزادی اور بے باکی کے پرانے خیالات اور تعصبات جو نا معلوم طور پر دلوں میں چھپے رھتے ھیں' کہیں کہیں عود کر آتے ھیں۔آخر میں اُن کا نظم کا کلام دیا ھے۔اس میں بعض غزلوں کے شعر بہت خوب ھیں' لیکن اُن کی نظم سے نثر کہیں بہتر ھے۔یہ مضامین پڑھ کر اُن کی جوانمرگی پر (اگر ھمارا قیاس صحیح ھے تو) بہت افسوس ھوا۔اگر کچھہ عرصہ جیتے رھتے تو بہت نام پیدا کرتے۔یہ مضامین بھی اُن کی ناموری کے لئے کچھہ کم نہیں —

یوروپین شعرائے اردو۔

(مولفۂ مولوی محمد سردار علی صاحب - سلسلۂ مطبوعات کتب خانہ مسجد چوک - صفحات ۲۸ قیمت ۸ آنے)

وہ یوروپین جو ایسٹ انڈیا کے زمانے میں آئے تھے، یا جو یہاں آباد ہو گئے تھے اور یہیں شادی بیاہ بھی کرلیے تھے، اُنھوں نے هندوستان هی کی طرز معاشرت اختیار کرلی تھی، اُسی طرح رهتے سهتے اور وهی ان کے مشاغل تھے، جو اُس وقت هندوستانیوں کے تھے - هندوستانی لباس، حقہ پینا، پالکیوں پر گاو تکیوں سے لگ کر بیٹھنا، ناچ دیکھنا، مشاعرے کرنا وغیرہ وغیرہ - ان کی اولاد جو هندوستان میں رہ گئی، وہ اپنی رنگ رلیوں میں هندوستانیوں سے بھی بڑھ گئی - انھوں نے صرف ملک کی زبان هی نہیں سیکھی، بلکہ شاعری بھی کرنے لگے - اس رسالے میں انھیں میں سے بہت شاعروں کا ذکر اور اُن کے کلام کے نمونے هیں - یہ چیز هر لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے - یہ موقع نہیں ورنہ اس مضمون پر بہت پر لطف بحث هوسکتی تھی - اگرچہ ان شعرا کا ذکر مختلف تذکروں میں آتا ہے، مگر مولوی سردار علی صاحب نے خوب کیا، جو جگہ جگہ سے ان کا حال جمع کر کے رسالے کی صورت میں شایع کر دیا —

آئین اردو

(مولفۂ مولوی محمد زین العابدین صاحب، فرجاد صفحات ۳۱۹ - نامی پریس میرٹھ - قیمت ایک روپیہ ۸ آنے)

یہ کتاب اردو صرف ونحو پر لکھی گئی ہے - قابل مؤلف نے بسم اللہ، "مصباح القواعد" اور "قواعد اردو" کی غلطیاں گنوانے سے کی ہے - دوسروں کو اُن کی غلطیوں سے آگاہ کرنا قابل تعریف کام ہے اور هم اس کی داد دیتے هیں - لیکن جب هم نے کتاب پڑھنی شروع کی تو معلوم هوا کہ اس کتاب کے ماخذ یہی دونوں کتابیں هیں، جن کی غلطیوں کو اُنھوں نے اپنی تالیف کا امتیازی نشان بنایا ہے - بعض جدید اصطلاحات اور بعض مقامات بجنسہ "قواعد اردو" سے ماخوذ هیں - جس طرح غلطیوں کا جتانا قابل تعریف ہے - اسی طرح ماخذوں کا تسلیم کرنا بھی لائق تحسین هوتا ہے

مگر جس طرح بعض طبائع اپنے محسنوں کا دیکھنا گوارا نہیں کرتیں ، اُسی طرح بعض مولف اپنے ماخذوں کا اظہار بھی پسند نہیں کرتے اور اُن کو بدنام کرنے یا مٹانے کی کوشش کرتے ہیں - اور شاید یہی وجہ ہے کہ قابل مؤلف نے سب سے پہلے اُنہیں پر ہاتھ صاف کیا ہے، جن سے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے —

قابل مؤلف نے بیان کیا ہے کہ "مصباح القواعد" کے مولف نے عربی قواعد کا تتبع کیا ہے اور "قواعد اردو" کے مؤلف نے اردو کو انگریزی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے - مگر مولف "آئین اردو" نے کورانہ تقلید سے کام نہیں لیا اور بہ لحاظ زبان اردو اس کے قواعد لکھے ہیں - لیکن یہ دعویٰ کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ ہم "مفعول مالم یسمّ فاعلہ" "مفضل" اور "مفضل علیہ" جیسی اصطلاحیں اس کتاب میں دیکھتے ہیں، یا جب زیر کی ایک قسم "کسرۂ اشباعی" بھی بتائی جاتی ہے اور اس کی یہ مثالیں دی جاتی ہیں، جن کا اردو سے کچھ تعلق نہیں "بہٖ، المصرِ، العراقِ، فی ہلالٍ" یا واؤ کی ایک قسم واو "تمیزی" بھی قرار دی ہے اور اس کی مثال میں "عمرو" کا لفظ لکھا ہے - اس کے علاوہ نحو کا تقریباً تمام حصہ عربی قواعد کے تتبع میں لکھا گیا ہے اور زبان اردو کے متعلق کام کی باتیں بہت کم پائی جاتی ہیں —

علاوہ اس کے اردو زبان اور قواعد کے متعلق جا بجا غلطیاں نظر آتی ہیں - مثال کے طور پر چند لغزشوں کا ذکر کیا جاتا ہے

ہندی کے اُن حروف کے تحت میں، جو اردو میں ہائے مخلوط کے ساتھ لکھے جاتے ہیں، (جیسے بھ، پھ، وغیرہ) یہ تحریر فرمایا ہے کہ: "عربی میں تو بالکل نہیں اور فارسی میں بہت ہی کم" - یہ صحیح نہیں ہے، فارسی میں مطلق نہیں آتے - مثال میں "زرہ دھمت" لکھا ہے - یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے —

یہ جو لکھا ہے کہ گذرگاہ، گذشتہ، کو (ذ سے لکھنا غلط ہے، ز) سے لکھنا چاہئے، یہ بھی صحیح نہیں - ذ) قدیم فارسی میں آتا تھا، اب صرف چند لفظوں میں رہ گیا ہے - اس کو غلط کہنا درست نہیں ہے —

خانقاہ کے متعلق یہ کہنا کہ: "اب مقبرے کے معنی میں مستعمل ہے" درست نہیں ہے —

نون غنہ جب آخر میں آتا ہے تو اُس کے متعلق تو تحریر فرمایا ہے کہ بغیر نقطہ کے لکھا جائے، مگر جب درمیان میں آتا ہے تو اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا کہ صحیح اور غلط میں کیونکر امتیاز کیا جائے - اسی طرح واو کی مختلف آوازوں کے لئے بھی کوئی امتیازی نشان نہیں قرار دئے - اسی طور پر کیا (فعل) کیا (استفہامیہ) میں بھی امتیاز کے لئے کوئی نشان قرار نہیں دیا —

''ادغام'' کی اصطلاح لکھ کر یہ تصریح فرمائی ھے کہ: " صرف عربی کے لئے خاص ھے' اُردو فارسی میں نہیں ھوتا'' - پھر اِس کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر چہ ھم بھی مثل دوسری غیر ضروری اصطلاحوں کے اس اصطلاح کو ''اردو قواعد'' میں لکھنا غیر ضروری خیال کرتے ھیں - لیکن ادغام سے جو اُن کی مراد ھے وہ اردو اور خاصکر ھندی میں مستعمل ھے' مثلاً (نکتا)' وغیرہ - لیکن در اصل اس کا تعلق مرکبات سے ھے —

ھجوّں کے متعلق جس اعتراض کے رفع کرنے کی قابل مؤلف نے کوشش کی ھے' اُس کا وہ مقصد نہیں ھے' جو انھوں نے سمجھا ھے - اس کا اصل مقصد یہ ھے کہ بچوّں کو اِس طریقے سے پڑھانے سے غلط فہمی ہی نہیں پیدا ھوتی بلکہ وہ گمراہ ھو جاتے ھیں - مثلاً [اب] کے ھجے کئے جاتے ھیں الف بے زبر' اب - حالانکہ اگر ھزار بار بھی (الف بے زبر) کو دُھرایا جائے تو بھی (اب) نہیں بن سکتا - (اب) میں صرف دو آوازیں ھیں اور (الف بے زبر) میں سات

جمع مؤنث میں لڑکییں' بچییں' تھالییں' چڑیں' چوھییں' کٹییں وغیرہ فصیح اور عام زبان نہیں ھے - اور یہی حال ساروں اور ساریوں کا ھے —

جمع کے تحت میں یہ دو قاعدے بھی لکھے ھیں:

" بعض مذکر اور مؤنث نام ایسے ھیں کہ اُردو میں اُن کے لئے جمع نہیں ھوتی - جیسے سویرا' دوپہر' ڈھول' چاندی' سونا' مٹی' لوھا' تانبا وغیرہ" —

لیکن جب مٹی کی مختلف قسمیں ھونگی تو اس وقت اس کی جمع جائز ھوگی - اِس طرح بعض دھاتوں کے متعلق بھی کہا جا سکتا ھے —

دوسرا قاعدہ یہ لکھا ھے کہ:

" فارسی اور عربی الفاظ مستعملہ بھی ایسے ھیں کہ جن کی جمع اردو قاعدوں کے بموجب اردو میں نہیں بولتے' جیسے دریا' خطر' حرف' لفظ' شام' گروہ' لشکر' انبار' بازار' وغیرہ''—

مگر اس کے نیچے ھی یہ بھی تحریر فرما دیا ھے کہ

''اِن دونوں صورتوں میں بعض اسماء کی جمع واو اور نون غنہ سے آتی ھے - جیسے دریاؤں' لفظوں' گروھوں' لشکروں وغیرہ''

ایسی حالت میں یہ قاعدہ' قاعدہ کہاں رھا - اگر اس قاعدے کا یہ مطلب ھے کہ فاعلی حالت میں ان کی جمع نہیں آتی تو تمام ایسے اردو ھندی الفاظ کی یہی صورت ھوتی ھے' جن کے آخر میں علامت تذکیر یا تانیث نہیں ھوتی - علاوہ اس کے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس قاعدے میں '' دونوں صورتوں '' سے کیا مطلب ھے —

اسی بیان میں وہ ایک جگہ (ص: ۵۴) ایک عجیب و غریب قاعدہ تحریر

فرماتے ھیں، جو یہ ھے :

" بعض مختلف فیہ یعنے ایسے اسم کہ اُن کو مذکر بھی بولاجاتا ھے اور مؤنث بھی، اُن کی جمع اگر یاے مجہول اور نون غنہ سے بنائی جاے تو مونث بولیں گے، جیسے: میری قلمیں کون لے گیا - اس شورے کی قلمیں باریک اور چمکدار ھیں - اس کے کھیت کی ڈول پر بہت کیکریں کھڑی ھیں - اور جب واو اور نون سے جمع بنائی جاے تو مذکر بولیں گے، جیسے قلموں کے بنڈل - کیکروں کے جھنڈ " —

اس قاعدے کو پڑھ کر ھماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رھی۔ اوّل تو یہ کہنا ھی محض فضول اور ایک طرح سے غلط ھے کہ اگر یاے مجہول اور نون غنہ سے جمع بنائی جاے تو مؤنث بولیں گے... کیونکہ ایسے الفاظ میں مؤنث کی جمع یاے مجہول اور نون غنہ ھی سے بنائی جاتی ھے - مگر اس قاعدے کے دوسرے جز میں تو فاضل مؤلف نے کمال ھی کردیا ھے -فرماتے ھیں کہ" جب واو اور نون سے جمع بنائی جاے تو مذکر بولیں گے" یہ سراسر غلط ھے - واو اور نون کی جمع کو تذکیر و تانیث سے کوئی تعلق نہیں - لفظ مذکر ھو یا مؤنث، جب وہ حالت اضافی ، مفعولی ، ظرفی وغیرہ میں بصورت جمع آئے گا تو اُس کے آخر میں واو اور نون ضرور ھوگا - جیسے: گاڑیوں میں، درختوں پر، مکانوں میں ، خیموں کے نیچے، لڑکوں کے پاس، لڑکیوں کے ھاتھ میں، چھتوں کے اوپر وغیرہ وغیرہ - اس میں سب سے عجیب بات جو قابل مؤلف نے بیان فرمائی ھے وہ یہ ھے کہ: " میری قلمیں کون لے گیا" اس میں تو قلم مؤنث ھے اور " قلموں کے بنڈل" میں مذکر ھے۔ حالانکہ یہ ایک ایسی صریح اور صاف بات ھے کہ ایک بچہ بھی بتادے گا کہ اس مثال میں "کے" (علامت مذکر) بنڈل کے لیے ھے جو مذکر ھے، نہ کہ قلموں کے لئے۔ اسی طرح " کیکروں کے جھنڈ" میں جھنڈ مذکر ھے، اور اس لئے "کے" مذکر آیا ھے - قلموں اور کیکروں کی تانیث اور تذکیر کا اثر حرف اضافت پر نہیں پڑسکتا - کیونکہ اُردو میں حروف اضافت وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث میں مضاف کے تابع ھوتے ھیں - اگرچہ اس کی مطلق ضرورت نہیں، تاھم صاف طور سے ذھن نشین کرنے کے لئے ھم بجاے قلم اور کیکر ایسے دو دو لفظ لیتے ھیں، جس کی تانیث اور تذکیر متفق علیہ ھے - مثلاً لکڑی اور کپڑا، بیری اور درخت، اور اب ان کو بجاے قلم اور کیکر کے استعمال کرکے دیکھتے ھیں - اِن کی صورت یہ ھوگی :

کپڑوں کے بنڈل   لکڑیوں کے بنڈل
درختوں کے جھنڈ   بیریوں کے جھنڈ

اس سے صاف ظاھر ھے کہ واو اور نون کی جمع کو تذکیر و تانیث سے کوئی تعلق نہیں —

ضمیر کے بیان میں فرماتے ھیں کہ: "ھر طرح کی ضمیر واحد کا استعمال اکثر

حقارت یا محبت کے لئے کہا جاتا ہے، ورنہ ضمیر جمع بجائے واحد کے استعمال کی جاتی ہے اور اس سے عزت و عظمت مقصود ہوتی ہے، جیسے میں جاتا ہوں - تو جاتا ہے - وہ جاتا ہے، کی جگہ یوں کہیں کہ ہم جاتے ہیں - تم جاتے ہو - وہ جاتے ہیں''—

بات یہ ہے کہ غائب کے لئے واحد اور جمع میں ضمیر کی صورت ایک ہی ہے، جمع اور واحد کا امتیاز فعل سے ہوتا ہے - حاضر کے متعلق بھی قاعدہ صحیح ہے، لیکن متکلم کے متعلق صریحاً غلط ہے ''میں'' کی بجائے، سوائے خاص صورتوں کے، ''ہم'' کا استعمال محض بد تمیزی ہے اور بجائے ''عزت و عظمت'' کے تکبر اور نخوت کا اظہار ہوتا ہے —

اسی بیان میں ''آپ'' حاضر کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''لفظ آپ کے لئے فعل یا صفت کا صیغہ جمع برتا جاتا ہے'' - فعل کے متعلق تو یہ قاعدہ صحیح ہے، لیکن صفت کے لئے یہ کلیہ نہیں - صرف اردو ہندی (یا چند عربی، فارسی کے لفظ جو اردو ہوتے ہیں) کے ایسی صفات جن کے آخر میں علامت تذکیر (الف یا ہ) ہوتی ہے، جمع میں یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں، ورنہ باقی الفاظ خواہ ہندی ہوں یا فارسی، عربی یا کسی دوسری زبان کے، واحد اور جمع میں یکساں رہتے ہیں اور تانیث میں تو اس قدر تبدیلی بھی نہیں ہوتی - اس میں تو ان الفاظ کی صورت بھی واحد اور جمع میں ایک ہی سی رہتی ہے - آپ بہت اچھے ہیں - آپ بڑے عالم ہیں - آپ بہت ہوشیار ہیں - آپ بہت اچھی ہیں - آپ بہت خوبصورت ہیں وغیرہ —

اس کے متعلق دوسرا قاعدہ یہ لکھا ہے کہ ''فعل یا صفت کا جمع لانا اسی وقت ہوتا ہے جب کہ لفظ آپ حالت فاعلی میں ہو، دوسری حالتوں میں جمع نہیں لاتے جیسے آپ کو کس نے دھمکا دیا'' - وغیرہ - یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں ہے - آپ نے کھانا کھایا - یہاں آپ فاعل ہے مگر فعل واحد ہے - اصل یہ ہے کہ یہ قاعدہ صرف فعل لازم کے ساتھ ہوتا ہے —

یہ چند موٹی موٹی مثالیں غلطیوں کی ہم نے صرف شروع کے پچاس ساٹھ صفحے دیکھنے کے بعد لکھ دی ہیں - اگر پوری کتاب پر اس طرح تبصرہ کیا جائے تو ایک دوسری کتاب ہو جائے گی - نحو پر قابل مؤلف نے صرف پچاس صفحے لکھے ہیں اور سوائے دو ایک باتوں کے جو ''قواعد اردو'' سے ماخوذ ہیں باقی عربی یا مروجہ فارسی قواعد کی نقل ہے - اردو زبان سے اسے بہت کم تعلق ہے - مثلاً مرکب امتزاجی کا جہاں بیان کیا ہے، وہاں صرف چند مثالیں عربی ناموں اور فارسی ہندی لفظوں کی دیدی ہیں اور پانچ چار سطروں میں سارا بیان ختم کر دیا ہے - حالانکہ یہ اردو اور ہندی زبانوں کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس پر بہت بحث کی گنجائش تھی - مگر چونکہ مرکب امتزاجی ایک ایسی چیز ہے جس کا عربی میں سوائے گنتی کے

چند سماعی الفاظ کے) کوئی قاعدہ نہیں، اس لئے اردو کی نحو کو بھی اس سے محروم رہنا پڑا --

ان غلطیوں کے جتانے سے ہمارا مقصد خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ ہم قابل مولف کی تالیف کی قدر نہیں کرتے، بلکہ ہم ان کی محنت، تلاش اور قابلیت کی دل سے تعریف کرتے ہیں مگر چونکہ انہوں نے "آئین اردو" کی تالیف کی خاص وجہ یہ بتائی ہے کہ "مصباح القواعد" اور "قواعد اردو" میں بہت سی غلطیاں ہیں اس لئے ہم نے سر سری طور پر چند غلطیاں پیش کردی ہیں، تا کہ فاضل مولف کو معلوم رہے کہ لغزشوں کا صادرہونا اُن سے بھی ممکن ہے - اور اس جسارت کی اُن سے معافی چاہتے ہیں

کتاب کے سر ورق پر جلی قلم سے یہ بھی تحریر ہے:

"مصدقہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی عظیم دارالمصنفین اعظم گڈھ" اور قابل مولف کا یہ لکھنا بجا بھی ہے، کیونکہ سر ورق کی پشت پر اِس سے بھی جلی قلم میں حضرت علامہ موصوف کا نامۂ صداقت بھی منقول ہے جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ماہ رمضان کی فرصت میں آپ کی پوری کتاب "آئین اُردو" دیکھی، مجھ تو کہیں حرف رکھنے کی جگہ ملی نہیں..."

فارسی

—— : ۰ ——

میخانہ

تالیف ملا عبدالنبی فخرالزمانی قزوینی، مترتبۂ جناب ڈاکٹر محمد شفیع ایم - اے، پی ایچ ، ڈی، پروفیسر پنجاب یونیورسٹی کالج)

آج سے نہیں، ہمیشہ سے ہندوستان مرجع اہل جہاں اور اہل کمال رہا ہے- اس کی دولت، اس کی فراوانی، اس کی رواداری غیروں کو اپنی طرف کھینچتی اور اپنا بناتی رہی ہے - جس طرح سترھویں صدی کے بعد سے اہل یورپ اس ملک میں ٹوٹ پڑے، اسی طرح مغلیہ سلطنت کے زمانے میں، اہل ایران جب رخ کرتے تو اِدھر ہی

رخ کرتے تھے - سلطنتیں اور حکومتیں اُن کی بھی تھیں مگر یہ لطف کہیں نہ تھا - چلے تو معمولی آدمی تھے، یہاں پہنچے تو کچھ سے کچھ ہو گئے - اس میں شک نہیں کہ اُن کا اثر ملک والوں پر پڑا، مگر وہ بھی یہاں کے اثر سے خالی نہ رہے - منجملہ اور با کمالوں کے ایک شاعر تھے - ایران سے چلے تو ذوق سخن ساتھ تھا، لیکن یہاں رہ کر اُن کی شاعری کا رنگ ہی اور ہو گیا - چنانچہ ہندوستان کی ایرانی شاعری ایک خاص حیثیت رکھتی ہے - ملا عبدالنبی فخرالزمانی قزوینی بھی انہیں لوگوں میں سے ہے، جنھیں ہندوستان کا شوق یہاں کھینچ لایا تھا - یہ سنہ ۱۰۱۷ میں یہاں پہنچا اور یہیں سپرد خاک ہوا —

تذکرہ میخانہ، اسی کی تالیف ہے - یہ ایک قسم کی بیاض ہے - بیاضیں تو سیکڑوں لکھی گئی ہیں، لیکن یہ بیاض خاص ندرت اور اہمیت رکھتی ہے - اس میں مؤلف نے ۷۱ شعرا کے ساقی نامے جمع کئے ہیں اور ساتھ ساتھ اُن کے حالات بھی معتبر ماخذوں سے، یا اپنے علم سے، یا اُن شعرا کے احباب و اقربا سے دریافت کر کے لکھے ہیں - کتاب کے تین حصے ہیں - پہلے حصے میں ۲۶ شعرا ہیں جو ختم تالیف میخانہ سے پہلے فوت ہو چکے تھے - دوسرے حصے میں ۲۰ شاعر ہیں اور تیسرے میں ۲۵ - جن شعرا کے ساقی نامے نہیں تھے، یا نہیں ملے، اُن کا کچھ دوسرا کلام نقل کر دیا ہے - حصۂ سوم میں خاص کر ایسے ہی شاعر ہیں - غرض اس طرح مولف نے ۳۲ کامل ساقی نامے، پانچ ترکیب بند یا ترجیع بند اور پانچ ساقی ناموں کے اقتباسات اور اُن کے علاوہ ہزارہا متفرق اشعار اس کتاب میں درج کر دئے ہیں - مولف کی اس سعی کی بدولت فارسی شعرا کے ہزارہا اشعار محفوظ ہو گئے ہیں اور بعض ساقی نامے اور حالات تو ایسے ہیں کہ کہیں اور نہیں ملتے - کتاب لطف سخن اور صحت و اعتبار کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے —

اصل کتاب کے ۵۸۰ صفحے ہیں - اس کے علاوہ فاضل مرتب کا دیباچہ، حواشی اور فہرستیں الگ ہیں - کل ملا کے ۷۸۵ صفحے ہوتے ہیں —

یہ کتاب بالکل نایاب تھی - اس کا ایک نسخہ تو ڈاکٹر صاحب کے اپنے کتب خانے میں ہے اور دوسرا ریاست رام پور کے مشہور کتاب خانے میں - اِن دو کے سوا تیسرے نسخے کا پتا اب تک کہیں نہیں چلا —

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کی ترتیب و تصحیح میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا ہے - اُن کی محنت اور ذوق کا پتہ کتاب کے ہر صفحے سے اور خاص کر حواشی سے ملتا ہے - جو حضرات فارسی کلام کا ذوق رکھتے ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب بڑی نعمت ہے اور ہم ڈاکٹر صاحب کے ممنون ہیں کہ اُن کی توجہ اور سعی سے یہ کتاب گم نامی سے نکل کر عام طور پر شایع ہو گئی ہے —

بزم ایران

(تالیف جناب آیۃاللہ زادہ یزدی' آقاے حاجی سید محمد رضا طبا طبائی
صفحات ۵۴۳ قیمت مجلد سات روپے' غیر مجلد چھہ روپے)
ملنے کا پتہ :- آقا میرزا محمد علی کشمیری - ریاست رامپور

اس کتاب میں فاضل مؤلف نے ادبی دل چسپی اور تفریح کا نہایت عمدہ سامان جمع کیا ہے - کتاب کے تین باب ہیں - پہلے باب میں مختلف طبقات کے لوگوں مثلاً شعرا وحکما' علماء' اولیا وغیرہ کی حاضر جوابی اور بدیہ گوئی کے لطیفے ہیں' جن کی تعداد ۹۰۶ ہے - یہ اکیلا باب ۳۷۴ صفحوں پر ہے - دوسرے باب میں چار مقالے ہیں - پہلا مقالہ حضرت امام حسین؏ کی شہادت پر ہے' جو ایک جرمن مورخ موسیو ماربین کے مضمون کا ترجمہ ہے - باقی تین مقالے سید جمال الدین افغانی مرحوم کے ہیں' ایک تعلیم وتربیت کے باب میں' دوسرا مذہب کے متعلق اور تیسرا مذہب اسلام کے فضائل میں - اس کے بعد چند صفحات میں حضرت علی علیہ السلام کے کلیات حکمت آمیز درج ہیں - تیسرے باب میں مختلف مضامین کے اشعار ہیں' جن کی لطیفہ گوئی بزم آرائی اور مضمون نویسی کے وقت ضرورت پڑتی ہے - اس میں خواجہ حافظ' شیخ سعدی' خیام اور مولانا روم جیسے مشہور و معروف شعرا کے اشعار' جو عام طور پر زبان زد ہیں اور جن کے کلام تک آسانی سے دسترس ہوسکتی ہے' درج نہیں کئے' بلکہ زیادہ تر ایسے شعرا کے کلام سے انتخاب کیا ہے' جو عام طور پر معروف نہیں ہیں' یا جن کا کلام زیادہ مروج نہیں' یا آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا - اس باب میں پندرہ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں —

افسوس ہے کہ ہمارے علم ادب میں اور خاص کر فارسی زبان میں' فحش بھی داخل لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی ہوگیا ہے - چنانچہ بعض حکایات اور لطیفے اس قسم کے بھی اِس کتاب میں پائے جاتے ہیں - مناسب تو تھا کہ اس قسم کے لطیفے کتاب میں داخل نہ کئے جاتے —

قابل مؤلف نے بڑی محنت اور جانفشانی اور مدت کے بعد یہ جواہر ریزے جمع کئے ہیں' جو صرف تفریح ہی کا سامان نہیں' بلکہ اس سے ذوق ادب پر بھی اثر پڑتا ہے - جو لوگ فارسی زبان جانتے ہیں' یا فارسی زبان کا ذوق رکھتے ہیں' اُن کے لئے یہ کتاب بہت پر لطف ثابت ہوگی —

شروع میں ایک دیباچہ ہے' جس میں حضرت مؤلف نے اپنے ہندوستان میں وارد

ہوئے اورہزھائی نس نواب صاحب رام پور کی مربیانہ عنایات ومراحم کی وجہ سے رام پور کے قیام، ریاست رام پور کا حال اور فرصت کے وقت مطالعۂ کتب کا ذکر کیا ہے اس کے بعد ایک مختصر مقدمہ ہے، جس میں ادب اور حسن کلام کی خوبیوں کا بیان ہے —

کتاب اعلی کاغذ پر بہت اچھی چھپی ہے —

فارسی مصادر

[A Readable Collection of Persian Infinitives

[مؤلفہ فضل الدین صاحب فیاض بی- اے، فارسی پروفیسر
امبالہ کالج قیمت دس آنے]

اس رسالے میں فارسی مصادر (مفرد اورمرکب) بہ ترتیب حروف تہجی جمع کئے گئے ہیں اور اُن کے بالمقابل اُن کا انگریزی ترجمہ بھی درج ہے —

متفرق

معتزلہ

[تالیف مولانا محمد عبدالحلیم شرر - دلگداز پریس لکھنو -
صفحات ۹۲ - قیمت بارہ آنے -]

مولانا شرر کی (جنھیں اِس وقت مرحوم لکھتے ہوے شاق گزرتا ہے) غالباً یہ آخری کتاب ہے، جو اُن کی حیات ہی میں شایع ہوگئی تھی- یہ ایک مضمون ہے، جو مولانا مرحوم نے مسلم اکیڈیمی لکھنؤ میں پڑھ کیا تھا - مولانا کی نظر تاریخ اسلام میں بہت وسیع تھی - اس رسالے میں انھوں نے معتزلہ، اُن کی ابتدا اور اُن کے عروج و زوال کا حال بیان کیا ہے - اُمید ہے کہ جو صاحب مولانا کی تصانیف کے قدرداں ہیں وہ اسے ضرور پڑھیں گے - اُردو میں معتزلہ کے متعلق اِس قدر حالات کہیں نہیں ملیں گے —

نظام قواعد

(عربی الف-یے، مولفۂ مولوی علی احمد صاحب (خبر) مدرس حاجی گنج
پٹنہ - قیمت ۱ آنہ)

یہ مبتدیوں کے لئے عربی الف یے کا قاعدہ ہے، جس کے ذریعہ سے قرآن کی تعلیم کو سہل کرنے کی کوشش کی گئی ہے - ہمیں اس قاعدے میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی، جس سے اِسے دوسرے قاعدوں پر جو حال ہی میں اس غرض سے لکھے گئے ہیں، کوئی فضیلت ہو—

اُردو کے جدید رسالے

خیابان

یہ نیا رسالہ لکھنؤ سے شایع ہوا ہے - اس کے اڈیٹر جناب شہنشاہ حسین رضوی صاحب ایم - اے، ایل ایل - بی (علیگ)، ایم - آر - اے - ایس ہیں—

رسالے کے مقاصد یہ بیان کئے گئے ہیں :

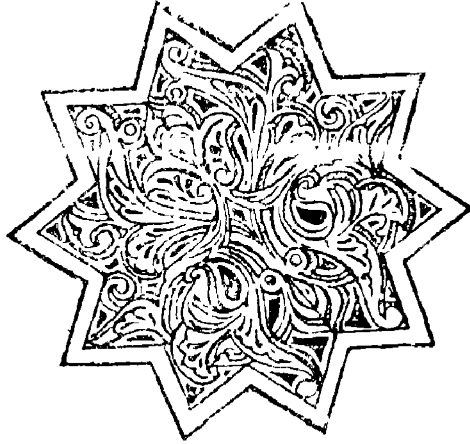
"سلف الصالحین کے علمی کارناموں کا احیا، اُردو میں علوم مغربیہ و مشرقیہ کی ترویج، باقیات الصالحات کی علمی تحقیقات کی اشاعت، دوسری زبانوں کے علمی تراجم و اقتباسات، مطبوعات جدیدہ پر تنقید و تبصرہ" —

ہمیں اِس رسالے کو دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ترتیب اور مضامین کے لحاظ سے فی الحقیقت قابل تعریف ہے - لکھنے والے بھی جناب عبداللہ یوسف علی صاحب، پروفیسر حبیب صاحب، پروفیسر اقبال بہادر سکسینہ، پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی وغیرہ جیسے قابل اور فاضل لوگ ملے ہیں - مضامین ادبی اور علمی اعتبار سے بہت خوب ہیں اور رسالہ اپنے مقاصد میں کامیاب معلوم ہوتا ہے - لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے —

زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ لکھنؤ سے ایک ایسا اچھا رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے - قیمت سالانہ چھ روپے—

عفت

یہ ماہانہ رسالہ عورتوں کی اصلاح و فلاح کی غرض سے گورگانواں (ڈاک خانہ کھگول- پٹنہ) سے شایع ہوا ہے - صالحہ خاتون صاحبہ اس کی اڈیٹر ہیں- بہار کا غالباً یہ! پہلا رسالہ ہے جو اس مقصد کے ساتھہ نکلا ہے - مضامین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مقصد اس کے پیش نظر ہے' اس میں ضرور کامیاب ہوگا- لکھنے والوں میں بھی زیادہ تعداد خواتین کی ہے - ایسی مجلسیں اور انجمنیں' اخبار اور رسالے جن کی غرض تعلیم و اصلاح نسواں ہے' اُن میں جب تک عورتوں خود شریک نہ ہوں گی اور خود اُن کے فرائض کو انجام نہ دیں گی' کبھی کامیابی نہ ہوگی- اس رسالے کے چلنے اور کامیابی کی توقع اس لئے ہوتی ہے کہ اس کی کارپرداز اور لکھنے والی زیادہ تر عورتیں ہیں—



مولانا محمد عبدالحلیم شرر مرحوم

.........×.........

یہ رسالہ زیر طبع تھا اور تقریباً سب چھپ چکا تھا کہ مولانا محمد عبدالحلیم شرر کے انتقال کی خبر پہنچی - یہ ایک قومی حادثہ ہے- مولانا نے تمام علم و ادب کی خدمت کی اور آخر وقت تک اسی خدمت میں مصروف رہے - اردو زبان پر اُن کا بہت بڑا احسان ہے - افسوس کہ ہم میں سے ایک ایسا جامع اور وسیع‌النظر شخص اُٹھ گیا ہے جس کا اِس وقت کوئی بدل موجود نہیں - اُن کی ذات سے اہل ملک اور زبان کو جو جو فائدے پہنچے ہیں وہ محتاج بیان نہیں - ایسے بےبدل لوگ ہمارے ملک میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں اور اِس لئے اُن کی ناگہانی وفات سے جو صدمہ اور قلق اُن کے قدر دانوں کو ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے - ہم آیندہ اُردو کے کسی نمبر میں اُن کے حالات اور تصانیف پر مستقل مضمون لکھیں گے —

اڈیٹر -

اُردو کے چندے میں رعایت

بعض شایقین اور طلبہ کی خواہش پر ہم نے 'اُردو' کے چندے میں ایک روپیہ کی کمی کردی ہے- یعنی سالانہ چندہ سات روپے کلدار یا آٹھہ روپیہ حالی ہونگے جس میں رجسٹری، محصول و ڈاک صرفہ بندش وغیرہ شامل ہیں —

اڈیٹر



فہرستِ مضامین

جلد ششم — بابتہ سنہ ۱۹۲۶ ع



تبصرے



ادب

تاریخ

مآثر دکن
جشن جبلی علی گڈھ کالج اور اس
کی علمی و ادبی کانفرنس
۱۹۲ تا ۳۲۱

وقار حیات
مآثر صدیقی موسوم بہ سیرت
والا جاہی
تاریخ زوال روما
بشیر پاشا سیریز
تاریخ دریا باد
سراج منیر
۳۴۳ تا ۳۵۵

بدھ اور اُس کامت یاد ایام (اعزی)
تاریخ گجرات
۷۰۱ تا ۷۰۲

متفرق

التحفة الحجازیہ
موجودہ لندن کے اسرار
مطالبہ فطرت
کتاب صحت ثبات
۳۵۵ تا ۳۵۸

مطلع الانوار
تاریخ الاسماء
فلسفیانہ مضامین
۵۴۹ تا ۵۵۰

مذاکرات (سال اول)
نظریۂ اضافیت
زراعت علمی
فن پولٹری فارمنگ
عربی طب پر ایک لیکچر
خطبہ صدارت
رپورٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل
کانفرنس بابت سنہ ۱۹۲۵ ء
نقشہ مقامات مقدسہ و عالم اسلام
۷۰۴ تا ۷۱۴

رسالے

سہیل
انتخاب
پریم
نظارہ
خوش خبر
طالب علم
انوار القدس
۳۶۰ تا ۳۶۳

(۱) تبلیغ نسوان
(۲) حرم
(۳) معین نسوان
(۱) مرقع لکھنو (۲) نظام کالج
اردو میگزین (۳) یاران قدیم
(۴) طالب علم
(۵) پیام تعلیم (۶) الہادی
(۷) الاصلاح (برلن)
(۸) دلگداز
۵۵۲ تا ۵۵۵

کتاب	نمبر
آفتاب	۵۷۱ تا ۷۱۱
ادبستان	
تحفه	
زبان	
کائنات	
مرقع ادب	
مصلح	
تجارت	

تعلیم

کتاب	نمبر
معلومات	۵۴۵ تا ۵۴۶
بہشتی جھومر	
تاریخ ریاست جموں و کشمیر	
فن تعلیم اور طریقہ تعلیم کی کتاب	
القریتہ الاستقالیہ	۶۹۷ تا ۷۰۰
فطرت اطفال	
تمرینات النحو	

مذہب

کتاب	نمبر
خطبات مدارس	۷۰۲
خورشید صداقت	۷۰۳

---*O*---



مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق
سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے بھیجا تھا۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے۔ جو ہمارے اہل وطن کے لیے بہت سبق آموز ہے۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے۔ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے۔ جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۳۸۲ صفحہ)
قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بیان کی گئی ہے۔ سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے۔ حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر [illegible] ارتقائے انسانی تک پہنچایا [illegible]
سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا — یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے
(حجم ۳۰۰ صفحہ)
قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار —

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی۔ میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے۔ اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار — غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ کلدار —

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمہ ہے - الف سے ی تک تمدن کے ہر
مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث
کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید
میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے
اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب
اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے -
حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ
مجلد دو روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد
۲ روپیہ کلدار —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور
سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا
جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے -
اس میں ابظاہر فطرت کی بحث درج ہے
لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے -
قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار —
مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف
فوزالاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب
فلسفۂ الہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے
اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو
منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد
۸ آنہ کلدار - مجلد ایک روپیہ کلدار —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی
کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو
جدید انکشافات ہوے ہیں ان سب کو
جمع کردیا ہے طرز بیان دلچسپ اور
کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد
۱۰ آنہ کلدار - مجلد ۱ روپیہ کلدار —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد
اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے
جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم
ہونی چاہئے ان کی تشرح کے لئے ایک
کلید بھی تیار کی گئی ہے - قاعدہ
غیر مجلد ۲ آنہ کلدار - کلید قاعدہ
غیر مجلد ۴ آنہ کلدار —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور
مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور
و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم
کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے
قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ
مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم
ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت
مجلد ۲ روپیہ کلدار - غیر مجلد ایک
روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر
انشاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو
صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ
کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے
متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج
ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ
کلدار - مجلد ۲ روپیہ کلدار —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - تین سو
صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل

قلم بند کئے ہیں۔کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے۔قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے۔سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے۔وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے۔قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف ہے۔اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ کلدار۔حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار—

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵صفحے)قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر۔تحقیق وصداقت کا مرادف ہے۔ یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن معاشرت۔اصول۔اخلاق۔مذاہب و خیالات کا مرقع ہے۔حصۂ اول مجلد ۳ روپیہ کلدار۔حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سےسلاست و شگفتگی کا نمونہ۔اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے۔ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو انتہادرجہ مفید پائیں گے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے۔مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے-علمی اصطلاحات سے معرا-طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں-قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار—

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاًھوا-پانی-غذا-لباس-مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے-زبان عام فہم اور پیرایہ موثرو دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے-اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ھوگا-حجم ایک ہزار صفحے-قیمت مجلد چار روپیہ کلدار—

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے-بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے-اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں-نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ھیں-مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذھبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے-قیمت مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار—

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ھندوستان کا مشہور نفسی ہے-جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے-متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشاپرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف ”یہ بالکل نیا موضوع ہے-میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں“-اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ھیں-مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی-مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے-سابقوں اور لاحقوں-اردو مصادر اور ان کے

مشقتات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور
علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں/
اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں
ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے
کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن
اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط
کردی ہیں- اور ہمارے حوصلے بلند
کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو
علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس
کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے
ہوے ہچکچاتے تھے- مگر اس کتاب کے
ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا- اس نے
حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں
کے سامنے کھول دیا ہے-تعداد صفحات
۵۰۳- قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ
کالدار—

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین
کے معلومات کا خزانہ ہے - خلافت اسپین
کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی
کرنی پڑی ہے- علامۂ مقری کی نامور
اور مشہور آفاق کتاب ہے - جو پہلی
دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے- یہ
کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب
میں بھی داخل ہے-صفحات ۶۰۴ قیمت
مجلد چھہ روپیہ ۸ آنہ کالدار—

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا
معرکۃالارا مضمون ہے- اُردو زبان میں
یہ پہلی تحریر ہے-جو اس شان کی لکھی
گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر
میں طبع ہوا تھا- صاحب نظر قدر دانوں
کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے -
قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کالدار —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے -
اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت
کالدانی' آشوری' بابل - بنی اسرائیل
و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت
و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور
خوبی کے ساتھہ دیے ہیں- اُردو میں
کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان
قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے
معلوم ہوسکیں اس لیے انجمن نے اسے
خاص طور پر طبع کرایا ہے -حالات کی
وضاحت کے لیے جابجا تصویریں دی
گئی ہیں-صفحہ ۲۷۳ قیمت مجلد
دو روپیہ ۶ چھہ) آنہ کالدا —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین
خانصاحب بی-اے نے مختلف انگریزی
کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے-
برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور
سہل زبان میں لکھی ہے- ہمارے بہت سے
ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا
چیز ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا کام آسکتی
ہے-یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی
ہے-لڑکے لڑکیوں کے لیے بڑی مفید ہے-
قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کالدار —

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں:—
(کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑہ)

سیرۃ النبی حصۂ اول ۴ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ دوم ۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرۃ النبی حصۂ سوم ۶ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے ۱۳ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی ۲ روپیہ
علم الکلام ۲ روپیہ
الکلام ۲ روپیہ
کلیات شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے ۸ روپیہ
انقلاب الامم ۲ روپیہ
برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مکالمات برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مثنوی بحرالمحبت ۱۲ آنہ
تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی) ۲ روپیہ
سیرالصحابیات ۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع ۲ روپیہ
ابن رشد ۴ روپیہ
گل رعنا ۵ روپیہ
سیرالانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ
شعرالہند مجلد ۵ روپیہ
شعرالہند غیر مجلد ۴ روپیہ

(مطبع کاویانی - برلن)

زادالمسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
گلستان فارسی ۲ روپیہ
تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رھنمائے پسراں (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ھزار ویک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دلی)

الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۶ آنہ
سیرۃ الرسول ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوھر ۸ آنہ
مجموعہ کلام جوھر ۶ آنہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازھارالعرب (عربی) ۸ آنہ

انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۴ آنہ
خطبۂ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس - بدایون)

قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد تیرہ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۱ روپیہ ۸ آنہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زرین مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ قسم دوم ۴ روپیہ
تذکرۃ الصلحا ۸ آنہ
کنزالتاریخ ۱ روپیہ ۸ آنہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
مینائے سخن ۱ روپیہ
حزن اختر ۸ آنہ
درس عمل ۴ آنہ
خواتین انگورہ ۱ روپیہ
بیگمات بنگال ۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
مشرقی ترکستان ۶ آنہ
سیاحت زمین ۱ روپیہ
سیاحت ہوا ۱ روپیہ

الناظر پریس - لکھنؤ

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب ۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد ۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد ۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ ۶ آنہ
مسلمانان اندلس ۱ روپیہ
اسرار رنگون ۱ روپیہ
ہوم رول ۵ آنہ
خوان دعوت ۱ روپیہ
مصنوعی شوہر ۲ آنہ
و کرم اروسی ۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب ۶ آنہ
الاحسان ۸ آنہ
ارض نہرین ۴ آنہ
تذکرۂ حزیں ۴ آنہ
حیات نظامی ۴ آنہ
خطاب ۴ آنہ

میلاد نبوی	۴ آنہ
تصویر درد	۴ آنہ
شمع و شاعر	۲ آنہ
فریاد اُمت	۳ آنہ

(دار الاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی	۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ	۱ روپیہ
سنجوگ	۱۰ آنہ
جوہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائنس	۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
اختر النسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرنارت	۱ آنہ
رسوم دہلی	۴ آنہ ۹ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی سکھل	۳ روپیہ
پریم بتیسی حصۂ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد	۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
چندن ہار	۲ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنہ
گوہر مقصود	۹ آنہ
لیلیٰ	۲ روپیہ
سواء السبیل	۱ روپیہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ
چترا	۱۲ آنہ
امتیاز پچیسی	۸ آنہ
دلپسند کہانیاں	۱۲ آنہ
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنہ

(تصانیف نور الٰہی و محمد عمر صاحبان)

موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ
ناٹک ساگر (یعنی دنیا کے ڈراما کی تاریخ) مجلد	۳ روپیہ
تین ٹوپیاں	۸ آنہ
ظفر کی موت	۴ آنہ
قزاق	۸ آنہ
بگڑے دل	۸ آنہ

(دوسری قابل قدر کتابیں)

رسائل شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانۂ اسکندریہ	۵ آنہ
بادل کے بچے	۱ روپیہ
مجموعۂ نظم حالی	۸ آنہ
اکبری اقبال	۳ آنہ
الفاروق	۳ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	۸ آنہ
پردۂ غفلت	۱ روپیہ ۸ آنہ
بشریٰ	۶ آنہ
ذکریٰ	۱۰ آنہ



رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی هوئی کتابیں فی روپیہ چارآنہ کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی - اُمید هے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُتھائیں گے —

دیگر مقامات کي کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت هوتی هیں ان کی قیمتوں میں کوئي کمی نہیں کی جاسکتی —

آنریری سکریتری

انجمن ترقی اُردو - اورنگ‌آباد (دکن)



اُردو

جلد ہفتم　　　　　　حصۂ بست و ہشتم

اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرستِ مضامین



۱۲۶۱ ھجری میں دھلی کا ایک مشاعرہ

از

[جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی - اے دھلوی]

۱ - تمہید

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت بر قرار

بقول غالب مرحوم انسان "ایک محشر خیال" ھے لیکن خیال میں حشر بپا ھونے کے لئے کسی بیرونی تحریک کا ھونا لازمی ھے - دماغ خیال کا گلنجینہ ھے ' لیکن اس گنجینے کے کھلنے کے واسطے کسی ظاھری اسباب کی کُنجی کی ضرورت ھے - مجھے بچپن سے شعراے اُردو کے حالات پڑھنے اور سننے کا شوق رھا ھے' مگر کبھی کوئی ایسی تحریک نہیں ھوئی جو اُن کے حالات کو ایک جگہ جمع کرنے کا خیال پیدا کرتی- اور یہ خیالات الفاظ کی شکل میں ظاھر ھوکر ایک خوشنما چلتی پھرتی تصویر بن جاتے-

جب کوئی بات ھونیوالی ھوتی ھے تو اسباب خود بخود پیدا ھوجاتے ھیں - اتفاق دیکھئے کہ پرانے قدیم کاغذات میں مجھکو حکیم مومن خاں 'مومن' دھلوی کی ایک قلمی تصویر ملی؛ تصویر کا ملنا تھا کہ یہ خیال پیدا ھوا کہ تو بھی محمد حسین آزاد مرحوم کے "نیرنگ خیال" کی محفل شعراء کی طرح ایک مشاعرہ قایم کر ' مگر اُن لوگوں کے کلام پر تنقید کرنے کی بجاے صرف اُن کی چلتی پھرتی تصویریں دکھا- خیال میں رفتہ رفتہ پختگی ھوئی اور اس پختگیء خیال نے ایک مشاعرے کا خاکہ پیش نظر کردیا - لیکن یہ سمجھہ میں نہیں آتا تھا کہ مختلف زمانوں کے شاعروں کو کس طرح ایک جگہ جمع کروں اس عقدے کو امیراللہ تسلیم مرحوم کے اس شعر نے حل کردیا —

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

اس شعر کا یاد آنا تھا کہ شعرائے دہلی کا آخری دور آنکھوں کے سامنے پھر گیا - اور دل میں یہ بات جم گئی کہ بجائے تمام شعرائے اُردو کے، دہلی کے آخری دور کا نقشہ کھینچ دیا جائے - قاعدے کی بات ہے کہ مرنے سے پہلے بیمار سنبھالا لیتا ہے - اُردو شاعری کے حق میں بہادر شاہ ثانی کا زمانہ بھی دہلی کا سنبھالا تھا - بادشاہت برائے نام تھی اور جو تنخواہ بادشاہ سلامت کو ملتی تھی اس میں قلعہ کا خرچ بھی مشکل سے چلتا تھا - برخلاف اس کے دکن اور اودہ میں دولت کی گنگا بہ رہی تھی، پھر بھی "دریائے جمنا کی چمکیلی ریت" دہلی والوں کے آگے نظر فریب رہی اور اس "اُجڑے دیار" میں شعرا ہی نہیں ہر فن کے کاملوں کا ایک ایسا مجمع ہو گیا جس کی نظیر ہندوستان تو ہندوستان دوسرے کسی ملک میں بھی ملنی دشوار ہے—

زمانہ ایک رنگ پر نہیں رہتا - ۱۸۵۷ع سے قبل ہی ان کاملین فن میں سے بہت سے تو ملک عدم کو سدھارے، جو بچے کُھچے رہ گئے تھے ان کو غدر کے طوفان نے تتر بتر کر دیا - جس کو جہاں کچھ سہارا ملا، وہیں کا ہو رہا - دہلی برباد ہو کر حیدرآباد اور رامپور آباد ہوئے - اکثر شرفا گھروں سے ایسے نکلے کہ پھر ان کو دہلی کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی، جو رہ گئے ہیں وہ چلنے چلانے کو تیار بیٹھے ہیں: بہت سے اُٹھ گئے، بہت سے اُٹھتے جاتے ہیں: اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے کہ کوئی یہ بتانے والا بھی نہ رہے گا کہ مومن مرحوم کا مکان کہاں تھا، جس طرح سوائے میرے اب شاید کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی قبر کہاں ہے—

ان حالات کو دیکھ دیکھ کر مجھے خیال آیا اس خیال کی محرک مومن مرحوم کی تصویر بھی ہوئی کہ "اُردو" کے لئے ان سے ایک ایسا تو چراغ روشن کر لوں

جس کی روشنی میں آنے والی نسلیں زبان اُردو کے ان محسنوں کی شکلیں (خواہ وہ دھندلی ھی کیوں نہ سہی) دیکھہ سکیں اور ان کا کلام پڑھتے وقت کم سے کم ان کی صورتوں کا ایک موھوم سا نقشہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے پھر جاے- جو لوگ علمی مذاق رکھتے ھیں وہ جانتے اور سمجھتے ھیں کہ کسی کا کلام پڑھتے وقت اگر اس کی شکل و صورت، حرکات و سکنات، آواز کی کیفیت، نشست و برخاست کے طریقے، طبیعت کا رنگ اور سب سے زیادہ یہ کہ اس کے لباس اور وضع قطع کا خیال دل میں رھے تو اس کا کلام ایک خاص اثر پیدا کردیتا ھے اور پڑھنے کا لطف دوبالا ھوجاتا ھے - ورنہ مصنف کے حالات سے واقف ھوے بغیر اسکی کسی کتاب کا پڑہ لینا گراموفون کے ریکارڈ سننے سے زیادہ موثر نہیں ھوتا - یہی وجہ ھے کہ آجکل مہذب ممالک کے کسی مصنف کی کوئی کتاب شائع نہیں ھوتی جس کے شروع میں اسکے حالات درج نہ کئے جائیں اور وہ واقعات نہ دکھائے جائیں جن کی موجودگی میں وہ تصنیف ضبط تحریر میں آئی —

یہی خیالات تھے جنھوں نے مجھے ان چند اوراق کے لکھنے پر آمادہ کیا - اس البم میں آپ ایسی بہت سی تصویریں دیکھیں گے جو ان کاملین فن نے اپنے ھاتھہ سے خود کھینچی ھیں: بہت سے ایسے مرقعے پائیں گے جو دوسرے مصوروں کے ھاتھہ کے بنے ھوے ھیں: بعض ایسے نقش و نگار ملیں گے جو فوٹو یا قلمی تصاویر دیکھکر الفاظ میں اُتارے گئے ھیں: اکثر و بیشتر ایسی صورتیں ھوں گی جو خود میں نے بڑے بوڑھوں سے پوچھکر بنائی ھیں - لیکن ھر صورت میں شہادت تائیدی کے مقابلے میں شہادت تردیدی کو زیادہ وقعت دی ھے یعنی اگر کسی واقعے کے متعلق ایک بھی مخالف بات معلوم ھوئی تو اس واقعے کو قطعاً ترک کر دیا—

اگر اتنے سارے حلیے ایک جگہ ھی جمع ھو جاتے تو یقیناً یہ مضمون فوج کے چہروں کا رجسٹر بن کر بے لطف ھو جاتا لیکن اِدھر تو آزاد مرحوم کے نیرنگ خیال نے دل میں مشاعرہ کا خیال ڈالا، اُدھر کریم الدین مغفور کی کتاب

طبقات الشعرائے هند کے طبقۂ چهارم نے رجب ۱۲۶۱ هجری کے ایک مشاعرے کا پته دیا - اب کیا تها دونوں کو ملا کر ایک مضمون پیدا کر لیا ' رهی رنگ آمیزی اس کی تکمیل میں خود کر دیتا هوں - البته اچهے برے کی ذمه داری نہیں لیتا—

بحیثیت مورخ ۱۲۶۱ هجری کے واقعات میں خود اس طرح لکهه سکتا تها گویا یه سب میرے چشم دید هیں - اور

همچو سبزه بارها روئیده ام　　هفصد و هفتاد قالب دیده ام

پر نظر رکهتے هوے اس زمانے کا بهی " مرزا الم نشرح" بن سکتا تها - مگر میرے دل نے گوارا نهیں کیا که کریم الدین مرحوم کی کامیابی کا سهرا اپنے سر پر باندهوں اور ایسے شخص کو دوده کی مکهی کی طرح نکال کر پهینکدوں حس نے اس مشاعرے میں بہت بڑا حصه لیا تها؛ جس کے مکان پر یه مشاعره هوا تها اور جو اس مشاعرے کی روح رواں تها - یه ضرور هے که ان کی یه مجلس محدود تهی اور میں نے اس کو اتنی وسعت دی هے که اُس زمانے کے تقریباً سب بڑے بڑے شعراء کو اس میں لا بٹهایا هے - اب اس میں مجهے کامیابی هوئی یا نهیں اس کا اندازه قارئین کرام فرما سکتے هیں - اگر هوئی هے تو زهے نصیب میری محنت ٹهکانے لگی' اگر نهیں هوئی تو کم سے کم یهی سمجهه کر میری داد دی جاے که " مرزا صاحب نے بات تو اچهی پیدا کی تهی مگر نباه نه سکے' جو ان سے نهیں هوا وه اب هم کر دکهاتے هیں"- ممکن هے که اس طرح کوئی قلم کا دهنی ان " خفتگان خاک" کا ایک ایسا مرقع تیار کردے جو بزم ادب اُردو میں سجانے کے قابل هو—

لیجئے " میں" اب " مولوی کریم‌الدین صاحب" کی جون میں حاضر خدمت هوتا هوں' لیکن یه ضرور عرض کئے دیتا هوں که جب میں اپنی تمام محنت " کریم‌الدین صاحب" کے نذر کر رها هوں تو جو کچهه برا بهلا آپ کو اس مضمون کے متعلق کہنا هے وه مجهے نه کهئے' مولوی صاحب کو کهئے اور خوب دل بهر کر کهئے - میں خوش اور میرا خدا خوش - والسلام—

۲ - تدبیر

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا   نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

میرا نام کریم الدین ہے - میں پانی پت کا رہنے والا ہوں یہ قصبہ دہلی سے ۴۰ کوس پر بجانب شمال مغرب واقع ہے اور اپنی لڑائیوں کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہے - ہم اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے : مولویوں کا خاندان تھا : لیکن زمانے کی گردش نے ایسا پیسا کہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگئے - جائداد ضبط ہوگئی : میرے دادا صاحب قبلہ ایک مسجد میں جا بیٹھے اور اللہ اللہ کرکے گزار دی - جب ضبط شدہ جائدادوں کے متعلق دریافت شروع ہوئی تو توکل نے انکا دامن پکڑلیا : اپنی جگہ سے نہ ہلے - نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے روٹیوں کا سہارا کھو بیٹھے - میرے والد سراج الدین مرحوم بمصداق عصمت بی بی از بے چادری متوکل بنے رہے اور مسجد میں ایسے بیٹھے کہ مر کر اٹھے - میں ۱۲۳۷ ہجری میں عین عیدالفطر کے دن پیدا ہوا - میری تعلیم انہی دونوں بزرگوں کے ہاتھوں ہوئی - لیکن بے چین طبیعت اور خاندانی جھگڑوں نے آخر پانی پت چھڑایا - اس زمانے میں دہلی میں علم کا بڑا چرچا تھا ہر فن کے کاملوں سے دہلی بھری پڑی تھی : ہر سمت علم کے چشمے جاری تھے "ملا کی دوڑ مسجد" میں بھی پانی پت چھوڑ دہلی آگیا - کاپی نویسی سے گزارا کرتا : محنت مزدوری کے بعد بھی ذوق علم ہر حلقۂ درس میں مجھے لے جاتا - اسی زمانے میں دہلی کالج کی تنظیم جدید ہوئی تھی - طالب علموں کی تلاش تھی ، میں بھی ۱۸ سال کی عمر میں وہاں شامل ہوگیا - سولہ روپیہ وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اس طرح میں نے علم کی پیاس بڑی حد تک بجھائی ، لیکن یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ علم کو علم کے لئے حاصل کیا جاتا : اب اس کے ساتھ گزارہ کی ایک بڑی شق لگ گئی تھی - اس لئے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک مطبع کھولا - قاضی کے حوض پر مبارک النساء بیگم کی حویلی کرایہ پر لی - عربی کی مشہور مشہور کتابوں کے ترجمے چھاپے لیکن مطبع جیسا چلنا چاہئے تھا نہ چلا - یہ اُردو شاعری کے

شباب کا زمانہ تھا - بادشاہ سے لیکر فقیر تک سب اسی رنگ میں رنگے ہوے تھے خیال آیا کہ ایک مشاعرہ قائم کر کے شعراء کے حالات اور ان کا کلام طبع کروں ، ممکن ہے کہ اس طرح مطبع چل جاے - مجھے شاعری سے نہ کبھی لگاؤ تھا اور نہ اب ہے' بلکہ شعر کہنا میں برا جانتا ہوں : کیونکہ اہل علم کا یہ پیشہ نہیں ہے - وہ لوگ جو ، معیشت سے فارغ البال ہیں اپنے دل بہلانے اور حسرت نکالنے کے لئے شاعری کرتے ہیں —

میں خود عالم ہوں' میرے باپ دادا عالم تھے ، بھلا میں تو اس قسم کے فضولیات کی طرف توجہ بھی نہ کرتا ، مگر کیا کروں ، ضرورت سب خیالات پر حاوی ہوگئی اور مجھے قیام مشاعرہ پر مجبور کیا - لیکن بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک تو اس شہر میں غریب اور خاص کر پردیسی غریب کو منہ نہیں لگاتے : دوسرے یہ کہ میری جان پہچان تھی تو مولویوں سے وہ بھلا اس معاملے میں میرا کیا ساتھ دے سکتے تھے- سوچتے سوچتے نواب زین العابدین خان 'عارف' پر نظر پڑی ، اُن سے دو چار دفعہ ملنا ہوا تھا - بڑے خوش اخلاق آدمی ہیں - لال کوئیں کے پاس ایک حویلی ہے اس کو مدرسہ بھی کہتے ہیں ، وہاں رہتے ہیں - کوئی ۳۰ سال کی عمر ہے؛ گوری رنگت' اونچا قد اور نہایت جامہ زیب آدمی ہیں-البتہ داڑھی بھر کر نہیں نکلی ہے'تھوڑی ھی پر کچھ گنتی کے بال ہیں - غالب کے بھانجے بھی ہیں اور شاگرد بھی-کچھ عرصے تک شاہ نصیر سے بھی اصلاح لی ہے' بہر حال اُن کی محبت' اُن کی شرافت اور سب سے زیادہ اُن کے رسوخ نے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور اس بارے میں ان کی امداد حاصل کرنے پر مجبور کیا - ایک روز صبح ھی صبح گھر سے نکل ان کے مکان پر پہنچا - معلوم ہوا کہ وہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب وزیراعظم کے مکان پر تشریف لے گئے ہیں - حکیم صاحب کا مکان سرکی والوں ھی میں تھا - واپسی میں دروازے پر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نواب زین العابدین خان اندر ہیں - چوبدار کے ذریعہ سے اطلاع کرائی - انہوں نے اندر بلا لیا - بڑا عالیشان مکان ہے ،

صحن میں نہر ہے، سامنے بڑا چبوترہ ہے اور چبوترے پر بڑے بڑے دالان دردالان، مکان خوب آراستہ پیراستہ ہے : ہر چیز سے امارت ٹپکتی ہے - سامنے گاؤتکیہ سے لگے نواب صاحب بیٹھے تھے- میں نے تو ان کو پہچانا بھی نہیں، سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے اور چہرے پر جھریاں پڑگئی تھیں - میں نے سلام کرکے کیفیت پوچھی - کہنے لگے " مولوی صاحب کیا کہوں کچھ دل بیٹھا جاتا ہے بظاہر کچھ مرض بھی معلوم نہیں ہوتا، علاج کر رہا ہوں مگر بے نتیجہ - بھئی اب ہمارے چل‌چلاؤ کا زمانہ ہے کچھ دنوں دنیا کی ہوا کھا رہے ہیں - مگر یہ تو کہئے آج آپ کدھر نکل آئے "- میں نے واقعات کا اظہار کر کے ضرورت بیان کی - تھوڑی دیر تک سوچتے رہے - پھر ایک آہ بھر کر کہا " میاں کریم‌الدین تم کو بات تو اچھی سوجھی ہے، مگر بھئی اس کا نباہنا مشکل ہے - تمہیں خبر نہیں دھلی کے پہلے مشاعروں نے کیا کچھ دلوں میں فرق ڈالدئے ہیں - دل تو میرا بھی چاھتا ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھ لوں جس میں یہاں کے سب کاملین فن جمع ہوجائیں، مگر مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی معلوم نہیں ہوتی - اچھا تم بھی کوشش کرو، میں بھی کرتا ہوں ممکن ہے کہ کوئی صورت نکل آئے - ہاں ٹھیرو، حکیم صاحب کو آنے دو، ایک تجویز ذھن میں آئی ہے، اگر چل گئی تو میری بھی آخری خواھش پوری ہوجائیگی اور تمہارا بھی کام نکل جائے گا" - ہم یہ باتیں کرھی رہے تھے کہ حکیم صاحب نکل آئے - گورے چٹے آدمی ہیں، سفید بھری ہوئی داڑھی، گول چہرہ اس میں کچھ کچھ چیچک کے داغ، آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی؛ سر سے پاؤں تک سفید لباس پہنے ہوئے تھے: فن‌طب میں کامل اور تاریخ کے عالم ہیں- میں آداب بجا لایا- میری طرف مسکرا کر دیکھا- اور نواب صاحب سے کہا "آپ کی تعریف کیجئے"-اُنھوں نے کہا "یہ میرے قدیم ملنے والوں میں سے ہیں- خود شاعر نہیں مگر شعر فہم ہیں - آجکل خیال پیدا ہوا ہے کہ شعرائے دھلی کا ایک تذکرہ لکھیں اور اس میں ان کے حلیے اور ان کے کلام کے نمونے دکھائیں - مجھ سے

مشورہ کرنے آئے تھے - آپ جانتے ھیں مجھے ان چیزوں سے عشق ھے - اب اپنے آخری وقت میں چاھتا ھوں کہ پرانے رنگ کا ایک مشاعرہ اور دیکھہ لوں اگر آپ مدد فرمائیں تو یہ مشکل آسان ھوسکتی ھے "- حکیم صاحب کہنے لگے " میاں عارف خدا کے لئے تم ایسی مایوسی کی باتیں نہ کیا کرو' ابھی جوان ھو ' انشاءاللہ خود طبیعت مرض پر غالب آجائیگی اور تمہیں مرض ھی کیا ھے' وھم ھی وہم ھے' مگرھاں یہ تو بتاؤ تم مجھہ سےکس قسم کی مدد چاھتے ھو"- نواب صاحب نے کہا " حکیم جی اور کچھہ نہیں اتنا کردو کہ میاں کریم الدین کو بارگاہ جہاں پناھی تک پہنچادو' میں خود جاتا مگر ھمت نہیں ھوتی' میں ان کو بہت کچھہ سمجھا دونگا - اگر حضرت ظل اللہ اپنا کلام بھیجنے پر راضی ھوگئے تو مشاعرے کا جم جانا کوئی مشکل کام نہیں ھے - اور اگر بدقسمتی سے انکار ھوگیا تو پھر مشاعرے کا خیال کرنا ھی فضول ھے - اب رھا مشاعرے کا انتظام وہ میں خود کرلوں گا' کیونکہ یہ بچارے ان چیزوں کو کیا سمجھیں " - حکیم صاحب پہلے تو کچھہ سوچتے رھے - پھر کہا " عارف! تمہارے لئے میں سب کچھہ کرنے کو تیار ھوں' اس لئے اور بھی کرونگا کہ اس سے تمہاری طبیعت بہل جائیگی اور کچھہ دنوں اس مشغلے میں لگ کر ممکن ھے کہ تمہارے دل سے مرض کا وھم جاتا رھے - بادشاہ سلامت سے تو میں کہتا نہیں' ھاں آپ کے دوست کو صاحب عالم مرزا فتح الملک بہادر * سے ملا دیتا ھوں - ان کو آجکل مشاعرہ کی لولگی ھوئی ھے' حضور سے بھی کئی مرتبہ عرض کرچکے ھیں مگر وہ ٹال گئے - اگر

---

* ان کا نام مرزا فخرالدین' خطاب مرزا فتح الملک' شاہ بہادر عرف مرزا فخرو اور تخلص 'رمز' تھا - بہادر شاہ ثانی کے منجھلے بیٹے تھے - مرزا محمد دارا بخت عرف مرزا شبو ولیعہد سلطنت کے انتقال کے بعد ۱۸۴۹ع میں ولیعہد ھوئے - مگر غدر سے پہلے ھی ۱۰- جولائی ۱۸۵۶ع میں ۴۰ سال کی عمر میں انتقال کیا - ان کے انتقال کے بعد مرزا جوان بخت کی ولیعہدی کے جھگڑے ھوئے —

ان صاحب نے ذرا بھی زور دیا تو مجھے یقین ہے کہ صاحب عالم کہہ سن کر ضرور اجازت حاصل کرلیں گے - اچھا تو مولوی صاحب کل آپ ایک بجے قلعۂ معلی میں آجائیے - میں چوبدار سے کہے جاتا ہوں ' یہ اندر پہنچادے گا ' آگے آپ جانیں اور آپ کی قسمت " - یہ کہہ کر حکیم صاحب نے خدابخش کو آواز دی - وہ آیا تو اس سے کہا کہ " کل یہ صاحب حویلی * میں ایک بجے آئیں گے ' ان کو میری بیٹھک میں پہنچا دینا " - یہ کہہ کر وہ نواب صاحب کی طرف متوجہ ہوگئے اور میں آداب کرکے واپس چلا آیا —

دوسرے روز ایک بجے کے قریب میں مولویانہ ٹھاٹھ سے جبہ پہن ' شملہ باندھ قلعۂ معلی پہنچا - لاہوری دروازے کے باہر خدابخش کھڑے ہوے تھے وہ مجھ کو حکیم صاحب کی بیٹھک میں لے گئے - یہ بیٹھک جس کو پہلے زمانے میں " نشست " کہا جاتا تھا دیوان عام سے ملی ہوئی تھی حکیم صاحب بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے ' مجھے دیکھ کر بولے - اجی مولوی صاحب ! میں نے آپ کا کام کردیا ہے : صاحب عالم مرزا فتح الملک بہادر سے صبح ہی کو ملنا ہوگیا ' وہ اس تجویز سے بڑے خوش ہوے - فرماتے تھے ' جہاں پناہ سے میں اجازت لئے لیتا ہوں ' مگر مشاعرے کا انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ ہم لوگ بھی آسکیں - خیر بیٹھئے ' شاید ابھی آپ کی یاد ہو - میں ایک طرف بیٹھ گیا - بیٹھا ہی تھا کہ چوبدار نے آکر کہا ' " وہ کریم الدین کون صاحب ہیں ان کو حضور والا یاد فرماتے ہیں " - یہ سننا تھا کہ میرے پسینے چھوٹ گئے - میں سمجھا تھا کہ حکیم صاحب ہی کے پاس جاکر معاملہ طے ہوجاے گا ' یہ کیا خبر تھی کہ بارگاہ جہاں پناہی میں یاد ہوگی - اور یاد

---

* قلعۂ دہلی کو لال حویلی یا صرف حویلی بھی کہا جاتا تھا —
حافظ عبدالرحمن خاں احسان کا شعر ہے کہ

مری تنخواہ لوٹی ان لٹیروں نے حویلی میں
بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے دوہائی ہے

بھی ایسے وقت نہ میرا سانس بھی پیٹ میں پوری طرح نہیں سمایا ہوگا - " حکم حاکم مرگ مفاجات " اُٹھا اور چوبدار کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا - تمام راستے آیۃالکرسی پڑھتا رہا، آنکھ اُٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بندۂ خدا کدھر لئے جارہا ہے - اندر سے قلعہ دیکھنے کا مدت سے شوق تھا ' اب جو موقعہ ملا تو کن‌انکھیوں سے بھی دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی - چلتے چلتے آندہ آگئی - آخر خدا خدا کرکے چوبدار نے دیوان خاص کی سیڑھیوں کے پاس لے جاکر کھڑا کر دیا اور آپ اندر اطلاع دینے چلا گیا- حضرت جہاں پناہ اس وقت حمام میں رونق افروز تھے- جن صاحبوں نے دھلی کا قلعہ نہیں دیکھا ہے وہ شاید نہ سمجھ سکیں کہ گرمیوں میں حمام میں بیٹھنے کے کیا معنی - اصل یہ ہے کہ یہ حمام کیا ہے ایک عالی شان عمارت ہے- اس کے دو درجے ہیں ' ایک گرم اور دوسرا سرد - عمارت کا جو حصہ موتی مسجد کی جانب ہے وہ گرم ہے اور جو جمنا کے رخ پر ہے وہ سرد ہے - ریتی کے رخ حس کے پردے ڈال کر حس خانہ بنا لیا جاتا ہے - اندر نہر بہتی ہے - بیچ میں کئی بڑے بڑے حوض ہیں ' ان میں فوارے چلتے ہیں - حمام کیا ایک بہشت کا ٹکڑا ہے - چوبدار جو گیا تو آنے کا نام نہیں لیتا - دھوپ میں کھڑے کھڑے فشار ہوگیا - پسینہ میں تر بتر گردن نیچی کئے کھڑا ہوں اور ناک سے پسینے کی بوندیں ٹپک رہی ہیں - ارادہ ہوا کہ واپس چلا جاؤں ' مگر اول تو طلبی کے بعد بھاگ جانا ہی نازیبا ' دوسرے راستہ کس کو معلوم - خدا خدا کرکے یہ مشکل آسان ہوئی اور چوبدار نے آکر کہا کہ " چلئے " - اِس ایک لفظ نے خود بخود پاؤں میں لغزش اور دل میں کپکپی پیدا کردی-خیر کسی نہ کسی طرح الٹے سیدھے پاؤں ڈالتا' حمام مبارک میں داخل ہوگیا- چوبدار نے آواز دی " ادب سے ' نگاہ روبرو ' حضرت جہاں پناہ سلامت ' آداب بجا لاو " - میں نواب زین‌العابدین خاں صاحب سے یہ سبق پورا اور اچھی طرح پڑھ کر آیا تھا ' دھرا ہوکر سات تسلیمات بجا لایا اور نذر گزارنی - نذر دیتے وقت ذرا آنکھ اونچی ہوئی تو وہاں کا رنگ دیکھا - حضرت پیر و مرشد ایک چاندی کی

پلنگڑی پر لیٹے تھے ' پائنتی مرزا فخرو بیٹھے پاوں دبا رہے تھے - دھلی میں وہ کون ھے جس نے حضرت ظل‌الله کو نہیں دیکھا - میانہ قد ' بہت ضعیف جسم ' کسی قدر لمبا چہرا ' بڑی بڑی روشن آنکھیں ' آنکھوں کے نیچے کی ھڈیاں بہت اُبھری ھوئی ' لمبی گردن ' چوکا ذرا اونچا ' پتلی ستواں ناک ' بڑا دھانہ ' گہری سانولی رنگت' سر منڈا ھوا' چھدری ڈاڑھی' کلوں پر بہت کم ' ٹھوڑی پر ذرا زیادہ ' لبیں کتری ھوئی - (۷۰) برس سے اونچی عمر تھی ' بال سفید بھق ھوگئے تھے : لیکن پھر بھی ڈاڑھی میں اکا دکا سیاہ بال تھا - چہرے پر جھریاں تھیں لیکن باوجود اس پیرانہ سالی اور نقاھت کے آواز میں وھی کوارا پن تھا - سبز کمخواب کا ایک برکا پیجامہ اور سفید ڈھاکے کی ململ کا کرتہ زیب بدن تھا - سامنے ایک چوکی پر جامہ وار کی حفتان اور کار چوبی چوگوشیہ ٹوپی رکھی ھوئی تھی - اب رھے مرزا فخرو تو وہ عین مین باپ کی تصویر تھے' ۳۲' ۳۳ برس کی عمر تھی' فرق تھا تو بس یہی کہ وہ بڈھے تھے ' یہ جوان - اُن کا رنگ بڑھاپے کی وجہ سے ذرا کلونس لے آیا تھا - اِن کا کُھلا گیہواں رنگ تھا- اُن کی ڈاڑھی سفید تھی ' اِن کی سیاہ- ورنہ یہی معلوم ھوتا تھا کہ ایک بادشاہ لیٹے ھیں اور ایک بیٹھے ھیں - دونوں نے مجھہ پر ایک گہری نظر ڈالی اور بادشاہ سلامت نے فرمایا - " اماں * ! تمہارا ھی نام کریم‌الدین

---

* شاھان دھلی ھمیشہ مرد عورت دونوں کو " اماں " سے خطاب کیا کرتے تھے - چنانچہ اس طرز کلام کی جھلک ابتک حیدرآباد میں پائی جاتی ھے - مجھے بڑا تعجب ھے کہ ایک مورخ نے اس طریقۂ مخاطبت کی بنا پر قلعۂ معلی کی تہذیب و اخلاق پر حملہ کیا ھے اور لکھا ھے کہ " بادشاہ کے اخلاق کی پستی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ھے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی "اماں" کہتا تھا " - معلوم ھوتا ھے کہ یہ صاحب انگریزی نہیں جانتے تھے ورنہ انکو یہ پڑھ کر تعجب ھوتا کہ جس قوم کو وہ تہذیب کا پتلا اور اخلاق کا نمونہ ظاھر کرتے ھیں انکے ھاں بھی خاوند اپنی بیوی کو " اماں " ھی کہتا ھے اور بیوی خاوند کو کبھی "ابا" کبھی "دادا" پکارتی ھے —

(میرے خیال میں یہ " ارے میاں " کا اختصار ھے - چنانچہ اب بھی بے تکلف بول چال میں میاں کو ماں ھی کہہ جاتے ھیں - اڈیٹر)

ھے : تم کہیں باھر کے معلوم ھوتے ھو ۔ " میں نے کہا کہ " خانہ زاد پانی پت کا رھنے والا ھے ' بچپن ھی سے حضرت ظل اللہ کے سایۂ عاطفت میں آ رھا ھے " فرمایا " اماں ! ابھی تمہارا ھی تذکرہ مرزا فخرو کر رھے تھے میرا خود جی چاھتا ھے کہ پہلے کی طرح دیوان عام میں مشاعرہ کروں ' مگر کیا کروں زمانے کی ھوا ایسی بگڑ گئی ھے کہ مناسب معلوم نہیں ھوتا ۔ یہ صحیح ھے کہ " بود ھم پیشہ باھم پیشہ دشمن " لیکن خدا محفوظ رکھے ایسی دشمنی بھی کس کام کی کہ دو گھڑی مل جل کر نہ بیٹھنے دے ۔ دیوان عام میں مشاعرہ ھوتا تھا : وہ کچھ دنوں ٹھیک چلا ' پھر میں نے دیکھا کہ بے لطفی بڑہ رھی ھے ۔ اس لئے بند کردیا ۔ منشی فیض پارسا نے اجمیری دروازے کے باھر غازی الدین خاں کے مدرسے میں مشاعرہ شروع کیا ' وہ تیلیوں کی طرح بکھر گیا ۔ وہ تو کہو غنیمت ھوا کہ ردیف میں " تیلیاں " ھی تھیں ' کہیں خدانخواستہ اگر ردیف " کڑیاں " ھوتیں تو خدا معلوم کتنوں کے سر پھوٹ جاتے ۔ تم مشاعرہ تو کر رھے ھو مگر ان ھاتھیوں کی ٹکر کیسے سنبھالو گے ۔ اُستاد ذوق تو بچارے بے زبان آدمی ھیں' مگر خدا بچائے حافظ ویران سے وہ ضرور لڑ مریں گے ۔ اور تم جانتے ھو " اندھے کی داد نہ فریاد اندھا مار بیٹھے گا " کسی نے اگر مشاعرے میں استاد پر ذرا بھی چوٹ کردی تو ان نابینا صاحب کا سنبھالنا مشکل ھوجائے گا ۔ میاں تم سے یہ کام سنبھلتا نظر نہیں آتا "۔

میں نے عرض کی کہ " قبلہ عالم ! میری کیا ھمت ھے جو میں اتنے بڑے کام میں ھاتھ ڈال سکوں' مشاعرے کا سارا انتظام نواب زین العابدین خاں 'عارف' نے اپنے ذمے لیا ھے۔" فرمایا " تو پھر مجھے اطمینان ھے ۔ یہ لڑکا بڑا ھشیار اور ذھین ھے ' مرزا نوشہ اور مومن خاں کو وہ سنبھال لے گا ' رھے اُستاد ذوق ان سے میں کہدوں گا ۔ خدا نے چاھا تو اس طرح مشاعرہ چل جائے گا ۔ مگر میں یہ کہے دیتا ھوں ۔ کہ مشاعرے سے پہلے ان لوگوں سے مل لو ۔ کہیں ایسا نہ ھو کہ وقت پر انکار کر بیٹھیں ۔ میں اور مرزا شبو تو آ نہیں سکتے ھیں ۔ ھاں مرزا فخرو کو اپنی جگہ بھیج دوں گا اور

انشاءاللہ اپنی غزل بھی بھیجوں گا۔ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم نے " طرح " کیا رکھی ہے ؟
" طرح " ہی تو بڑے جھگڑے کی چیز ہے - یہ ذرا سوچ سمجھ کر دینا - " یہ باتیں
ہو ہی رہی تھیں کہ بازو سے آواز آئی - " اے ہے ! یہ انا بچہ کو کیا بے طرح سلا
گئی ہے " - یہ سنتے ہی بادشاہ سلامت نے یہ فرمایا " لو بھائی ! یہ خود بخود
فال گوش مل گئی - تم اس مشاعرے میں کوئی " طرح " ہی نہ دو - جس شخص
کا جس بحر ، جس ردیف قافیہ میں غزل پڑھنے کو دل چاہے پڑھے - نہ لینا ایک نہ
دینا دو - " میں نے عرض کی " تاریخ " فرمایا " ۱۴ رجب مقرر کردو ' دن بھی
اچھا ہے ، چاندنی رات بھی ہوگی ۔ آج پانچ تاریخ ہے نو دن باقی ہیں : اتنے دنوں
میں بہت کچھ انتظام ہوسکتا ہے : ۲۰ جولائی پڑے گی موسم بھی ٹھنڈا ہوجاے گا -
اچھا اب خدا حافظ ' میں نے عمر و دولت و اقبال کو دعا دی اور خوش خوش الٹے
قدموں واپس ہوا - مرزا فخرو بیچ میں کچھ نہیں بولے مگر میں سمجھتا تھا کہ
یہ سب کیا دھرا انہیں کا ہے ' ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ خلوت شاہی - سچ ہے
" بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے " - یہاں میں اتنا ضرور کہوں گا کہ
میرے لئے حضوری اتنا مشکل کام نہ تھی جتنا یہ الٹے پاوں واپس ہونا - زمین
پاوں کو نہیں لگی تھی ' اس لئے دو چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ دیوار سے ٹکر کھائی
اس ٹکر سے نہیں سنبھلا تھا کہ نہر میں پاوں جا پڑا - خیر بہ ہزار دقت باہر نکل
ہی آیا - اِدھر میں نکلا اُدھر چوبدار ساتھ ہوا - اس کو انعام دے دلا کر ٹالا - حکیم
صاحب کے پاس آیا - وہ میرے انتظار ہی میں بیٹھے تھے- ان سے تمام واقعہ بیان کیا -
فرمانے لگے " مولوی صاحب بات یہ ہے کہ مرزا فخرو بہت دنوں سے مشاعرے کے لئے
بیچین ہو رہے تھے - انہی کی یہ کارگزاری ہے ' ورنہ بھلا یہ معاملہ اس طرح تھوڑی
طے ہوتا - مگر چلو تمہارا کام بن گیا - میاں عارف سے بھی جاکر کہدو ' وہ میرے
ہی ہاں بیٹھے انتظار کررہے ہوں گے —

حکیم صاحب کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ واقعی نواب صاحب میرے انتظار

میں بیٹھے ھیں - ان سے حالات بیان کئے - کہنے لگے کہ " چلو یہ مشکل تو آسان ھوئی
اب تم یہ کرو کہ کل کم سے کم استاد ذوق، مرزا نوشہ اور حکیم مومن خان کے مکان کا گشت
کا ڈالو : مگر دیکھنا ذرا پھونک پھونک کر قدم رکھنا' یہ تینوں بڑے دماغ دار
آدمی ھیں ' اگر ذرا بھی تم سے بات چیت میں لغزش ھوئی تو یاد رکھو کہ بنا بنایا
کھیل بگڑ جائیگا - جب دیکھو کہ ان میں سے کوئی ھاتھوں سے نکلا ھی جاتا ھے تو میرا
نام لے دینا - امید ھے کہ میرا نام سنکر شاید راضی ھوجائیں - دوسری بات یہ ھے کہ
مبارک النساء بیگم کی حویلی جسمیں تمہارا مطبع ھے دو روز میں خالی کرکے
بالکل میرے حوالے کردو مجھے وھاں نشست کا انتظام کرنا ھوگا " میں نے کہا " اور
میں کہاں جاؤں " فرمانے لگے " میرے مکان میں آٹھ نو روز کے لئے آجاؤ تم کو تکلیف
تو ھوگی مگر کیا کیا جائے جب قلعہ کے لوگوں کو بلا رہے ھیں تو انہی کے رتبے
کے موافق مکان کو بھی درست کرنا ھوگا دیکھئے خرچ کیا پڑتا ھے " - میں نے کہا
" مشاعرے میں خرچ ھی کیسا ونسا ھوتا ھے' زیادہ سے زیادہ سو سوا سو روپئے
اُٹھ جائینگے " - یہ سنکر نواب صاحب مسکرائے اور کہا " میاں کریم الدین - تم کیا
جانو کہ ایسے مشاعروں میں کیا خرچ ھوجاتا ھے- ھزار دو ھزار میں بھی اگر پوتھ
پورا ھو گیا تو سمجھو کہ سستے چھوٹے " - یہ سنکر تو میرے ھاتھوں کے طوطے
اُڑ گئے- میں نے کہا نواب صاحب اگر یہ صورت ھے تو میرا ایسے مشاعرے کو دور ھی سے
سلام ھے: مطبع تو مطبع اگر اپنے آپکو بھی بیچ ڈالوں تو اتنی رقم نہ اُٹھے"- فرمانے لگے
" میاں تم اس خرچ کے جھگڑے میں نہ پڑو' خدا یہ مشکل بھی آسان کردیگا - جب
میں نے اس کام میں ھاتھ ڈالا ھے تو میں جانوں اور میرا کام جانے - تم بیٹھے تماشہ
دیکھو - مگر ھاں مکان کل تک خالی کردینا - نوھی دن تو رہ گئے ھیں' رات کم
اور سوانگ بہت ھے - اب جاؤ خدا حافظ - تم تھک بھی گئے ھو' ذرا آرام لیلو اور
کل صبح ھی سے ادھر مکان خالی کرنے کی فکر کرو' ادھر ان تینوں استادوں کے مکان
کا چکر لگاؤ - مکان خالی ھوجائے تو فوراً مجھے اطلاع دینا اور خود میرے ھاں چلے

آغا۔ اس میں شرم کی کونسی بات ھے ' آخر میری ھی وجہ سے توتم اپنا مکان چھوڑ رھے ھو''۔ وھاں سے نکل کرمیں اپنے گھر آیا ' مطبع کو بند کرتے کرتے اور سامان کو سمیٹتے سمیٹتے شام ھوگئی۔صبح اُٹھکر اپنے پہننے اُوڑھنے کا سامان تو نواب زین العابدین خان کے مکان پر روانہ کیا اور خود کابلی دروازے کی طرف چلا کہ پہلے استاد ذوق ھی سے بسم اللہ کروں —

کابلی دروازے کے پاس ھی اُن کا مکان ھے۔ مکان بہت چھوٹا ھے' چھوٹی سی ڈیوڑھی ھے اس میں ایک طرف جاے ضرور ھے ۔اندر صحن اتنا چھوٹا ھے کہ دو پلنگ بچھنے کے بعد راستہ چلنے کے لئے مشکل سے جگہ رھتی ھے ۔ سامنے چھوٹا سا دالان ھے اور اس کے اوپر ایک کمرہ۔ صحن میں سے زنانے مکان میں راستہ جاتا ھے۔ جب میں پہنچا تو اُستاد صحن میں بان کی کُھری چارپائی پر بیٹھے حقہ پی رھے تھے ۔ دوسری چار پائی پر ان کے چاھیتے شاگرد حافظ غلام رسول ویران بیٹھے تھے ۔ یہ اندھے ھیں اور انہی سے ھوشیار رھنے کے لئے حضرت جہان پناہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اُستاد ذوق قد و قامت میں متوسط اندام ھیں ' رنگ اچھا سانولا ھے ' چہرے پر چیچک کے بہت داغ ھیں۔ آنکھیں بڑی بڑی اور روشن اور نگاھیں تیز ھیں ۔ چہرے کا نقشہ کھڑا کھڑا ھے ۔ اس وقت سفید تنگ پیجامہ ' سفید کُرتہ اور سفید ھی انگرکھا پہنے ھوئے تھے ۔ سرپر گول چندوے کی ململ کی ٹوپی تھی ۔ میرے پاؤں کی آھٹ سنتے ھی حافظ ویران نے چونک کر کہا '' کون ھے '' میں نے کہا ''کریم الدین ' استاد ذوق کی خدمت میں حاضر ھوا ھوں ''۔ اُستاد نے اپنا نام سنکر کہا '' آئیے آئیے ' اندر تشریف لائیے'' میں نے آداب کیا ۔ انہوں نے فرمایا '' بیٹھو ' بھئی بیٹھو ''۔ میں حافظ ویران کے پاس چار پائی پربیٹھ گیا۔ کہا '' فرمائیے کیسے تشریف لانا ھوا میں نے عوض کی کہ '' میرا ارادہ قاضی کے حوض پر ایک مشاعرہ شروع کرنے کا ھے ۔ ۱۴۔رجب تاریخ مقرر ھوئی ھے اگرحضور بھی از راہ ذرہ نوازی قدمرنجہ فرمائیں تو بعید ازکرم نہوگا '' ۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ حافظ ویران تو چراغ پا ھوگئے ۔ کہنے لگے

"جائیے، جائیے، کہاں کا مشاعرہ نکالا ہے؟ استاد کو فرصت نہیں ہے۔ ان مرزا لے پالک *
کے پاس کیوں نہیں جاتے جو خواہ مخواہ ان کو آکر دق کرتے ہو"۔ استاد نے کہا
" بھئی حافظ ویران! تمہاری زبان نہیں رکتی۔ بیٹھے بٹھائے تم دنیا بھر سے
لڑائی مول لیتے ہو"۔ حافظ ویران کہنے لگے "اُستاد، جب وہ آپ کو برا بھلا کہیں تو
ہم کیوں چپ بیٹھنے لگے۔ وہ ایک کہینگے تو ہم سو سنائینگے۔ اور تو اور میاں
آشفتہ کو دن لگے ہیں، کل ہی کی بات ہے آپ کو ناوڑا کہہ رہے تھے، مگر میں نے
بھی ایسی خبر لی کہ تمام عمر یاد کرینگے اُن کی سات پشت کو تول ڈالا"۔ اُستاد
ہنسکر فرمانے لگے "نا، بھئی نا، تم میرے وجہ سے کیوں بلا میں پڑتے ہو۔ مجھے
جس کا جو جی چاہے سو کہے میں نے تو ان سب کا جواب ایک رباعی میں دیدیا ہے —

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق
ہے برا وہ ہی کہ جو تجھکو برا جانتا ہے
اور جو خود تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں برا کہنے سے اس کے تو برا مانتا ہے

میں نے عرض کی کہ "میں کل بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا تھا، حضرت
ظل اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس مشاعرے میں ہم مرزا فتح الملک بہادر کو اپنی
طرف سے بھیجیں گے اور اپنی غزل بھی بھیجکر مشاعرے کی عزت بڑھائیں گے۔ اور یہ بھی
ارشاد ہوا تھا کہ استاد ذوق سے بھی کہدیں گے وہ بھی مشاعرے میں ضرور آئیں گے"
یہ سنکر حافظ ویران تو ٹھنڈے پڑ گئے۔ استاد نے فرمایا "ہاں بھئی مجھے یاد آگیا

---

* اُن دنوں دہلی میں لوگوں نے یہ اُڑا رکھا تھا کہ مرزا نوشہ [غالب] مرزا عبداللہ
بیگ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اُنہوں نے ان کو لے لیا ہے اور یہ در اصل کسی کشمیری کی اولاد
ہیں۔ حافظ ویران نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ خدا محفوظ رکھے دہلی والوں سے
جو باہر سے آیا اس کے حسب نسب میں اُنہوں نے کیڑے ڈالے —

+ اُستاد ذوق کو شہر بھر نائی کہتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آزاد مرحوم نے
اُن کے ہاتھ میں استرے کی بجائے تلوار دیکر اُن کو سپاہی زادہ بنا دیا ہے —

کل شام کو حضرت پیرومرشد نے مجھ سے بھی فرمایا تھا اور یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ تو بھی ضرور جائیو - میاں میں انشاءاللہ تعالیٰ ضرور آؤنگا - مگر یہ تو بتاؤ "طرح" کیا رکھی ہے"- میں نے واقعہ عرض کیا اور کہا کہ "حضرت ظل سبحانی نے "طرح" کا جھگڑا ہی نکال دیا- جو شخص جس بحر اور جس ردیف قافیہ میں چاہے آکر غزل پڑھے" - اُستاد تو "بہت خوب - بہت خوب" کہتے رہے مگر حافظ ویران کی تیوری کے بل نہیں گئے' برابر بڑبڑاتے ہی رہے کہ "اللہ خیر کرے' دیکھیے اس مشاعرے کا کیا حشر ہوتا ہے - حضرت پیر و مرشد بھی بیٹھے بیٹھے اشقلے* چھوڑا کرتے ہیں"- وہ اپنی کہے گئے میں تو اُٹھ سلام کر چلا آیا—

دوسرا حملہ اسداللہ خاں غالب پر تھا - چاندنی چوک سے ہوتا ہوا بلی ماروں میں آیا - حکیم محمود خاں صاحب کے مکان کے سامنے سے قاسم جان کی گلی کٹتی ہے - بائیں طرف پہلا ہی مکان اُن کا تھا - یہ مکان مسجد کے پیچھے ہے اس کے دو دروازے ہیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ - محلسرا کا ایک راستہ مردانے مکان میں سے بھی ہے - باہر کے دروازے کی دہلیز ذرا دھنسی ہوئی سی ہے - دروازے کے اوپر ایک کمرہ ہے اور کمرے کے دونوں پہلوؤں میں دو کوٹھریاں - گرمی میں مرزا صاحب دو پہر کے وقت اسی ایک کوٹھری میں رہا کرتے ہیں - دروازے سے گزر کر مختصر سا صحن ہے اور سامنے ہی دالان در دالان - جب میں پہنچا تو اندر کے دالان میں گاؤ تکیے سے لگے بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے—

مرزا نوشہ کی عمر کوئی ۵۰ سال کی ہوگی - حسین اور خوشرو آدمی ہیں - قد اونچا اور ہاڑ بہت چوڑا چکلا ' موٹا موٹا نقشہ اور سرخ و سفید رنگ ہے - لیکن اس میں کچھ کچھ زردی جھلکتی ہے - ایسے رنگ کو محاورے میں چمپئی کہا جاتا ہے - آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ہیں' داڑھی بھری ہوئی ہے' مگر گھنی نہیں ہے-

---

* معلوم نہیں کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے - مگر دہلی میں عام طور پر "شگوفے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے—

سر منڈا ہوا اُس پر لمبی سیاہ پوستین کی ٹوپی ہے جو کلاہ پاپاخ سے ملتی جلتی ہے - ایک بر کا سفید پیجامہ' سفید ململ کا انگرکھا' اُس پر ہلکے زرد زمین کی جامہ وار کا چغہ ● میری آہٹ پا کر لکھتے لکھتے آنکھ اونچی کی - میں نے آداب کیا- سلام کا جواب دیا اور آنکھوں سے بیٹھنے کا اشارہ کیا - میں ایک طرف بیٹھ گیا - ابھی بیٹھا ہی تھا کہ نواب ضیاءالدین احمد خاں آگئے - یہ امین‌الدین خاں صاحب نواب لوہارو کے بھائی ہیں - ریختے میں 'رخشاں' اور فارسی میں 'نیر' تخلص کرتے ہیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہے - انشاء پردازی' جغرافیہ' تاریخ' علم انساب' اسماے رجال' تحقیق لغات اور واقفیت عامہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے - مرزا نوشہ کے حلیفہ ہیں - چھوٹا قد' بہت گورا رنگ' نازک نازک نقشہ' غلافی آنکھیں' چگی داڑھی' چھریرا بدن - غرض نہایت خوبصورت آدمی ہیں - ایک بر کا سفید پیجامہ اور سفید ہی انگرکھا زیب بدن تھا- قالب چڑھی ہوئی چوگوشہ ٹوپی سر پر تھی - ایک بڑا رومال سموسہ بنا کندھے پر ڈالے ہوے تھے - میں نے اُٹھ کر سلام کیا - اُنھوں نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور خاموش ایک طرف دو زانو نہایت ادب سے بیٹھ گئے - تھوڑی دیر میں مرزا غالب بھی لکھنے سے فارغ ہوے' پہلے نواب صاحب کی طرف مڑے اور کہنے لگے "میاں نیر! تم کس وقت آبیٹھے - بھئی' اس مرزا تفتہ نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے - ظالم کی طبیعت کی روانی کسی طرح کم نہیں ہوتی - ہر خط میں آٹھ دس غزلیں اصلاح کے لئے بھیج دیتے ہیں - اصلاح دیتے دیتے تھک جاتا ہوں"- میری طرف دیکھکر کہا " آپ شاید مولوی کریم‌الدین صاحب ہیں"- میں نے کہا "جی ہاں" فرمانے لگے "حضرت آپ کے تشریف لانے کی مجھے پہلے ہی سے اطلاع مل گئی تھی - کل ہی میاں عارف آکر مجھ سے مشاعرے میں چلنے کا وعدہ لے گئے ہیں - کہو میاں نیر! تم بھی چلو گے"- نواب صاحب نے

● قلعۂ دہلی کے عجائب خانے میں مرزا غالب کی ایک تصویر ہے - اس سے یہ لباس لیا گیا ہے—

کہا ''جہاں آپ وہاں میں - آپ تشریف لے جائیں گے تو انشاالله میں بھی ضرور همراہ هونگا'' - مرزا صاحب نے پوچھا ''مگر بھئی اب تک 'علائی' نہیں آے - مجھکو ان کا کل سے انتظار ھے - اے لو! وہ آھی گئے - بھئی بڑی عمر ھے' ابھی میں تم کو پوچھہ رہا تھا ''—

نواب علاء الدین خاں 'علائی' نواب لوھارو کے ولیعہد ھیں - کوئی ۲۳' ۲۴ سال کی عمر ھے - متوسط قد' گندمی رنگ' موٹا موٹا نقشہ' گول چہرہ' شربتی آنکھیں اور گھنی چڑھی ھوئی ڈاڑھی ھے - لباس میں غلطے کا تنگ مہری کا پیجامہ' سفید جامدانی کا انگرکھا' اس پر سینہ کُھلی ھوئی سیاہ مخمل کی نیمہ آستین اور سر پر سیاہ ھی مخمل کی چوگوشیہ ٹوپی تھی: وہ بھی آداب کر کے ایک طرف بیٹھہ گئے اور کہا '' واقعی آج دیر ھوگئی' مجھے خود خیال تھا کہ آپ انتظار کر رھے ھوں گے''- میری طرف دیکھکر کہا ''آپ کی تعریف'' مرزا نوشہ نے تمام قصہ بیان کیا اور کہا '' علائی تم کو بھی چلنا ھوگا' ابھی تو شاید تم لوھارو نہیں جا رھے ھو''- انھوں نے کہا ''بہت خوب آپ تشریف لے جائیں گے تو میں بھی حاضر ھوں''- جب یہ مرحلہ بھی طے ھو گیا تو میں نے اجازت چاھی - وھاں سے رخصت ھو کر زین العابدین خاں کے مکان میں آیا - انھوں نے مردانے کا ایک حصہ میرے لئے خالی کر دیا تھا - جو اسباب صبح میں نے بھیجا تھا اس کو جما جمایا پایا - کپڑے اُتارے' اندر سے کھانا آیا - کھانا کھا کر تھوڑی دیر سو رہا - چار بجے کے قریب اُٹھکر حکیم مومن خاں کے ھاں جانے کی تیاری کی—

حکیم صاحب کا مکان چیلوں کے کوچہ میں ھے - راستے میں مولوی امام بخش صاحب 'صہبائی' مل گئے - یہ کالج میں میرے استاد رھے ھیں - کُھلا ھوا گندم گون رنگ ھے' منہ پر کہیں کہیں چیچک کے داغ ھیں - سر پر پٹھے ھیں ' بڑے دبلے پتلے آدمی ھیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ھوگی - ایک بر کا سفید پیجامہ ' سفید انگرکھا ' کشمیری کام کا جبہ پہنتے اور سر پر چھوٹا سفید صافہ باندھتے ھیں - یہ بھی

چیلوں کے کوچے ھی میں رھتے ھیں - مجھ سے پوچھنے لگے " کہاں جاتے ھو" میں نے کہا " حکیم مومن خاں کے پاس"- پوچھا " کیا کام ھے"- میں نے حال بیان کیا - کہنے لگے " چلو میں بھی وھیں جا رھا ھوں"- حکیم آغا خاں کے چھتے کے سامنے خاں صاحب کا مکان تھا - بڑا دروازہ ھے ' اندر بہت وسیع صحن اور اس کے چاروں طرف عمارت ھے - دو طرف دو صحنچیاں ھیں اور سامنے بڑے بڑے دالان در دالان - پہلے دالان کے اوپر کمرہ ھے - سامنے کے دالان کی چھت کو کمرے کا صحن کردیا ھے - لیکن منڈیر بہت چھوٹی رکھی ھے* - دالانوں میں چاندنی کا فرش ھے - اندر کے دالان میں بیچو بیچ قالین بچھا ھوا ' قالین پر گاؤ تکیے سے لگے حکیم صاحب بیٹھے ھیں - سامنے حکیم سکھا نند المتخلص بہ 'رقم' اور مرزا رحیم الدین 'حیا' مؤدب دو زانو بیٹھے ھیں - معلوم ھوتا تھا کہ کوئی دربار ھو رھا ھے کہ کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے اور بلا ضرورت بولنے کا یارا نہیں - حکیم مومن خاں کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی - کشیدہ قامت ' سرخ و سفید رنگ تھا جس میں سبزی جھلکتی تھی - بڑی بڑی روشن آنکھیں ' لمبی لمبی پلکیں ' کھنچی ھوئی بھوئیں ' لمبی ستواں ناک ' پتلے پتلے ھونٹ ' ان پر پان کا لاکھا جما ھوا ' مسی آلودہ دانت ' ھلکی ھلکی موچھیں ' خشخاشی ڈاڑھی ' بھرے بھرے ڈنڈ ' پتلی کمر ' چوڑا سینہ اور لمبی انگلیاں - سر پر گھونگر والے لمبے لمبے بال کاکلوں کی شکل میں کچھ تو پشت پر اور کچھ کندھوں پر پڑے ھوے - کان کے قریب تھوڑے سے بالوں کو موڑ کر زلفیں بنا لیا تھا۔ بدن پر شربتی ململ کا نیچی چولی کا انگرکھا تھا لیکن اس کے نیچے کرتہ نہ تھا

---

* میں نے خود یہ مکان ۲۰ ' ۲۲ برس ھوے دیکھا تھا - ٹوٹ کر کھنڈر ھوگیا تھا - تین طرف کی عمارت ڈھے گئی تھی - سامنے کا حصہ قائم تھا - معلوم نہیں کہ اوپر کی منڈیر کیوں اتنی نیچی رکھی گئی تھی - اسی منڈیر سے ٹھوکر کھا کر حکیم مومن خاں نیچے گرے- ھاتھ اور بازو ٹوٹ گیا اور اسی کی وجہ سے انکا انتقال ھوا - خود ھی مرنے کی تاریخ کہی تھی کہ " دست و بازو بشکست "-

اور جسم کا کچھ حصہ انگرکھے کے پردے میں سے دکھائی دیتا تھا - گلے میں سیاہ رنگ کا فیتہ ' اس میں چھوٹا سا سنہری تعویذ - کاکریزی رنگ کے دوپٹے کو بل دے کر کمر میں اپیٹ لیا تھا اور اس کے دونوں کونے سامنے پڑے ہوے تھے - ہاتھ میں پتلا سا خار پشت' پاوں میں سرخ گلبدنی کا پیجامہ ' مہریوں پر سے تنگ اوپر جاکر کسی قدر ڈھیلا - کبھی کبھی ایک برکا پیجامہ بھی پہنتے تھے - مگر کسی قسم کا بھی ہو ہمیشہ ریشمی اور قیمتی ہوتا تھا ؛ چوڑا سرخ فیفہ - انگرکھے کی آستینیں آگے سے کٹی ہوئیں ' کبھی لٹکتی رہتی تھیں اور کبھی پلٹ کر چڑھالیتے تھے - سر پر گلشن کی بڑی دو پلڑی ٹوپی ' اس کے کنارے پر باریک لیس - ٹوپی اتنی بڑی تھی کہ سر پر اچھی طرح منڈھ کر آگئی تھی - اندر سے مانگ اور ماتھے کا کچھ حصہ اور بال صاف جھلکتے تھے - غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب آدمی تھے - جب ہم دونوں پہنچے تو صاحب عالم مرزا رحیم الدین ' حیا ' سے کہہ رہے تھے کہ " صاحب عالم ! تمہارے شطرنج کے نقشوں نے میرا ناک میں دم کردیا ہے ؛ ایک ہوں ' دو ہوں ' آخر یہ روز روز کی فرمائشیں کوئی کہاں تک پوری کرے " - صاحب عالم نے کہا " استاد کیا کروں رزیڈنٹ بہادر کے پاس ولایت سے حل کے لئے شطرنج کے نقشے آیا کرتے ہیں ' کچھ تو میں خود حل کرکے ان کے پاس بھیج دیتا ہوں ' جو سمجھ میں نہیں آتے وہ آپ کے پاس لے آتا ہوں " - حکیم صاحب نے نظر اُٹھا کر ہماری طرف دیکھا - ہمارا سلام لے کر کہا " بیٹھئے ' بیٹھئے " - ہم بیٹھ گئے اور وہ پھر صاحب عالم کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے " میاں حیا ! جو نقشہ تم لائے ہو وہ تو میرے خیال میں کچھ پیچیدہ نہیں ہے - تم کہتے ہو کہ سرخ مہروں کو مات ہوگی ' میں کہتا ہوں نہیں ' سبز کو ہوگی - تم بساط بچھاؤ ' میں ابھی سمجھائے دیتا ہوں - اچھا پہلے ذرا مولوی صہبائی سے بات کر لوں - اور میاں سکھا نند تم بیٹھے انتظار کرتے رہو ' میں حکم لگا چکا ہوں کہ جب تک پورب کی طرف سے اس چھپکلی کا جوڑا نہ آجاے یہ سامنے کی دیوار سے نہ جاے گی - اس کا

جوڑا آ پر آئے -" سکھا نند حکیم تھے ' رقم تخلص کرتے تھے ؛ دھرم میں پورے رہتے تھے - کوئی ۶۰ سال کی عمر تھی - ریختے میں شاہ نصیر کے اور رمل میں خاں صاحب کے شاگرد تھے - بڑے خوش پوشاک ' خوش وضع ' خوش اخلاق ' ظریف الطبع ' حلیم ' خوبصورت اور سکیل آدمی تھے - استاد کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے کوئی بیٹا باپ کا کرتا ہے - حکیم صاحب کی باتیں سن کر " بہت خوب ' بہت مناسب " کہتے رہے - ان سے گفتگو کرکے حکیم صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے " ارے بھئی صہبائی ! تم تو کئی دن سے نہیں آئے - کہو خیریت تو ہے - اور آپ کے ساتھ یہ صاحب کون ہیں " - مولوی صہبائی نے کہا " یہ پہلے کالج میں میرے شاگرد تھے ' اب مطبع کھول لیا ہے ' وہاں مشاعرہ کرنا چاہتے ہیں : آپ کو تکلیف دینے آئے ہیں " - حکیم صاحب نے ہنس کر کہا " بس صاحب مجھے تو معاف ہی کیجئے - اب دھلی کے مشاعرے شریفوں کے جانے کے قابل نہیں رہے - ایک صاحب ہیں وہ اپنی امت کو لے کر چڑھ آتے ہیں * ؛ شعر سمجھنے کی تو کسی کو تمیز نہیں ' مفت میں ! واہ واہ ! سبحان اللہ ! سبحان اللہ ! کا غل مچاکر طبیعت کو منغض کر دیتے ہیں - یہ نہیں سمجھتے کہ —

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را　　　تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

دوسرے صاحب ہیں وہ ہد ہد کو ساتھ لئے پھرتے ہیں اور خواہ مخواہ استادوں پر حملہ کرتے ہیں - خود تو میدان میں نہیں آتے ' اپنے نا اہل پٹھوں کو مقابلے میں لاتے ہیں - اس روز جو اس جانور نے یہ شعر پڑھ کر —

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں　　　ناخن قوس قزح شبہہ مضراب نہیں

کہا کہ یہ غالب کے رنگ میں لکھا ہے تو میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھکو کس قدر ناگوار گزرا - غالب کے رنگ میں شعر کہنا تو کجا وہ یا ان کے اُستاد پہلے

---

* یہ اُستاد ذوق اور شہزادوں کی طرف اشارہ تھا —

مرزا نوشہ کے شعروں کوسمجھہ تو لیں- اب رهے میر صاحب * تو اُن کی بات دوسری هے - وہ بهی واهیات بکتے هیں مگر کسی پر حملہ تو نهیں کرتے ' بلکہ ان کی وجہ سے مشاعرے میں چهل پهل هوجاتی هے - بهئی میں نے تو اسی وجہ سے مشاعروں میں جاناهی ترک کردیا هے - میں نے عرض کی کہ " اس مشاعرے میں استاد ذوق اور مرزا نوشہ نے آنے کا وعدہ کرلیا هے - حضرت ظل سبحانی کی غزل بهی آئیگی" فرمایا "هرشخص مختار هے چاهے غزل بهیجے' میں تو نہ آؤںگا نہ غزل بهیجوں گا"- یہ باتیں هی هورهی تهیں کہ ایک بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹهے لیکر آیا - شہر میں جب کوئی کپڑوں کا سوداگر آتا تو حکیم صاحب کے پاس اس کا آنا لازمی تها - ریشمی کپڑوں سے ان کو عشق تها- کوئی کپڑا پسند آتا تو پهر قیمت کی پروا نهیں کرتے تهے - جو مانگتا دیتے - اس سوداگر نے آکر ایک گٹهری مزدور کے سر پر سے اُتاری - اس میں سے پٹ سے ایک چهپکلی نیچے گری اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر چڑہ گئی - جو چهپکلی پهلے سے دیوار پر حهی بیٹهی تهی وہ لپک کر اس سے آملی اور دونوں ملکر ایک طرف چلے گئے † - هم لوگ بیٹهے یہ تماشہ دیکهتے رهے - جب دونوں چهپکلیاں چلی گئیں توحکیم صاحب نے کہا" کهو میاں رقم' تم نےدیکها" انهوں نے کہا "جی هاں'ایک خانےکے حساب لگانے میں مجهہ سے غلطی هوئی-میں نے جو اپنی رائے پر اصرار کیا تها اس کی معافی چاهتا هوں"- کهنے لگے "بهئی انسان هی سے غلطی هوتی هے - هاں تو بهئی صهبائی مشاعرے کے متعلق همارا تو صاف جواب هے "- میں نے جب دیکها کہ حاں صاحب هاتهوں سے نکلے هی جارهے هیں تو مجهے نواب زین‌العابدین خان کا آخری نسخہ یاد آیا - میں نے کہا " مجهے تو اس مشاعرے سے برائے نام تعلق هے ' سب کیا دهرا نواب زین‌العابدین خان عارف کا هے - وہ بہت

---

* انکا مفصل حال آگے آئےگا یہ بهی عجیب رقم تهے-

†یہ واقعہ هے- اس کے دیکهنے والےایک صاحبکا ابهی کوئی بیس برس هوئے انتقال هوا هے - میں نے یہ واقعہ خود اُن کی زبانی سنا هے —

بیمار ہوگئے ہیں اور ان کو اب زندگی کی اُمید نہیں رہی - اُن کی آخری خواہش ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھہ لوں جس میں دہلی کے تمام کاملین فن جمع ہوں - وہ خود حاضر ہوتے مگر حکیم احسن اللہ خاں صاحب نے ان کو کہیں آنے جانے سے منع کردیا ہے" - یہ آخری فقرہ میں نے اپنی طرف سے بڑھا دیا - خان صاحب بڑے غور سے میری بات سنتے رہے - میں خاموش ہوا تو مولوی امام بخش صاحب کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے" افسوس ہے، کیا خوش فکر اور ذہین شخص ہے - یہ عمر اور یہ مایوسی - سچ ہے ' ہمیشہ رہے نام اللہ کا ' "- میری طرف دیکھکر کہا " اچھا بھئی ' تم جاؤ : میری طرف سے عارف سے کہدینا کہ میاں میں ضرور آؤں گا " - جب م ں نے دیکھا کہ یہ جادو چل گیا تو اور پاؤں پھیلائے اور کہا " نواب صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صہبائی صاحب ' مفتی صدرالدین صاحب اور نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ کو بھی اپنے ہمراہ لائیےگا تو عنایت ہوگی"- حکیم صاحب کہنے لگے- "میاں صہبائی سے تو میں ابھی کہے دیتا ہوں' اب رہے آزردہ اور شیفتہ تو واپس جاتے جاتے ان سے بھی کہتے جاو - یہ کہدینا کہ میں نے تم کو بھیجا ہے - ہاں تاریخ کیا مقرر کی ہے : مشاعرہ کہاں ہوگا اور ' طرح ' کیا ہے" - میں نے تاریخ بتا کر مکان کا پتہ دیا - " طرح " کے متعلق حضرت جہاں پناہ کے حضور میں جوگفتگوہوئی تھی وہ بیان کی-کہنے لگے"ہمارے بادشاہ سلامت بھی عجیب چیز ہیں' جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے -شاید ایسا مشاعرہ کہیں بھی نہ ہوا ہوگا جس میں " طرح" نہ دی گئی ہو - خیر یہ تو اچھا ہوا جھگڑے کا جھونپڑا ہی نہیں رہا - مگر بھئی بات یہ ہے کہ جب تک مقابلے کی صورت نہو نہ شعر کہنے میں جی لگتا ہے اور نہ پڑھنے میں لطف آتا ہے"- یہ کہکر وہ کپڑے دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور میں سلام کرکے رخصت ہوا —

چتلی قبر کے قریب حویلی عزیزآبادی کے سامنے مفتی صدرالدین صاحب کا مکان تھا اس کے نزدیک مٹیا محل میں نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ رہتے ہیں

مفتی صاحب کے ھاں جاکر معلوم ھوا کہ شیفتہ بھی مفتی صاحب ھی کے پاس بیٹھے ھیں - میں نے کہا چلو ' اس سے بہتر موقعہ ملنا مشکل ھے' دونوں سے ایک ھی جگہ ملناھوگیا- یہ سوچ کر اندر گیا - مکان کوٹھی کے نمونے کا ھے' انگریزی اورھندوستانی دونوں وضع کو ملاکر بنایا گیا ھے صحن بہت بڑا نہیں ھے - اس میں مختصر سی نہر ھے - سامنے دالان در دالان اور پہلو میں انگریزی وضع کے کمرے ھیں - باھر کے دالان میں کواڑ لگا کر اسکو بھی کمرے کی شکل کا کردیا ھے - دالانوں کے سامنے اونچا چبوترہ ھے- چبوترے کے اوپر تخت بچھے ھوئے تھے' اس پر چاندنی کا فرش اور دو طرف گاؤ تکیے لگے ھوے تھے- تختوں پر مفتی صاحب اور نواب صاحب بیٹھے باتیں کر رھے تھے - مفتی صاحب کی عمر کوئی ۵۶ ' ۵۷ سال کی تھی- گداز جسم' سانولا رنگ' چھوٹی چھوٹی آنکھیں' ذرا اندر کو دھنسی ھوئیں ' بھری ھوئی ڈاڑھی ' بہت سیدھی سادی وضع کے آدمی ھیں : ظاھری نمائش سے کوئی سرو کار نہیں- لباس سفید ایک بر کا پیجامہ ' سفید کرتا اور سفید ھی صافہ تھا * جامہ زیبی میں حکیم مومن خاں کے بعد دھلی میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ ھی کا لمبر تھا ' ان کا رنگ گہرا سانولا تھا لیکن ناک نقشہ غضب کا پا یا تھا - اس پر نیچی سیاہ گول ڈاڑھی بہت بھلی معلوم ھوتی تھی - جسم کسی قدر بھاری اور قد متوسط تھا - لباس میں بھی زیادہ تکلف نہیں کرتے تھے - تنگ مہری کا سفید پیجامہ' سفید کرتہ'

---

* پرانے زمانے میں شرفاء گھر پر بھی پورا لباس پہنے رھتے تھے - زنانے میں جانے کے خاص خاص وقت تھے ورنہ سارا وقت مردانے ھی میں گزرتا تھا- ھر وقت کوئی نہ کوئی ملنے جلنے والا پاس بیٹھا رھتا - عالم ھوے تو درس کا حلقہ ھوتا ' شاعر ھوے تو شعر کا چرچا رھتا - غرض کوئی وقت بیکار نہ گزرتا- خاص خاص دوستوں سے مذاق کی گفتگو ھوتی ورنہ عام طور پر اپنے کو بہت لئے دئے رھتے - جہاں جاؤ یہی معلوم ھوتا کہ دربار لگا ھوا ھے - ھر شخص دوزانو مودب بیٹھا ھے- بےضرورت نہ بات کی جاتی ھے نہ جواب دیا جاتا ھے - کوئی ھنسی کی بات ھوئی تو ذرا مسکرا دئے' کھلکھلاکر ھنسنا معیوب اور بڑہ بڑہ کر بولنا یا اونچی آواز میں بات کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا -

نیچی چولی کا سفید انگرکھا اور قبہ نما پچگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے - تقریباً ۳۹ ' ۴۰
سال کی عمر ہے—

میں آداب کر کے تخت کے ایک کونے پر دو زانو بیٹھ گیا - مفتی صاحب نے
آنے کا سبب پوچھا - میں نے حکیم مومن خاں کا پیام پہنچا دیا - مفتی صاحب نے
بڑے تعجب سے پوچھا " ہیں! خاں صاحب نے تو مشاعرے میں نہ جانے کا عہد
کر لیا ہے - بھئی شیفتہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ یا تو خود نہیں جاتے تھے یا دوسروں کو
بھی ساتھ گھسیٹ رہے ہیں" - میں نے نواب زین العابدین خاں عارف کا واقعہ
بیان کیا - کہنے لگے " ہاں، یوں کہو ' یہ بات ہے - ورنہ مجھے تو یہ سنکر حیرت
ہوئی تھی کہ حکیم صاحب اور مشاعرے میں جائیں - اچھا بھئی عارف سے کہدینا
کہ میں اور شیفتہ دونوں آئیں گے" - یہاں سے چھٹی ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ
گویا گنگا نہا لیا - خوشی خوشی آکر نواب زین العابدین خاں سے واقعہ بیان کیا
وہ بھی مطمئن ہو گئے - میں نے حکیم مومن خاں کا جب حال بیان کیا تو ان کے
آنسو نکل آئے - کہنے لگے " میاں کریم الدین! تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میرو
حکیم صاحب سے صفائی نہیں ہے" - میں نے کہا " نواب صاحب! آپ کیا فرماتے ہیں
ان پر تو آپ کی بیماری سننے کا ایسا اثر ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا - شاید ان کے
سگا بھائی بھی بیمار ہوتا تو اتنا ہی اثر ہوتا - مفتی صاحب سے معلوم ہوا کہ
انھوں نے مشاعروں میں نہ جانے کا عہد کرلیا تھا ' صرف آپ کی وجہ سے انھوں نے
یہ عہد توڑا ہے" - نواب صاحب نے کہا " بھئی، تم کو ان لوگوں کی محبتوں کا کیا
حال معلوم؟ یہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے دشمن کو بھی مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے
خیر اس کو جانے دو ؛ اب یہ بتاؤ کہ تمھارا مکان خالی ہو گیا یا نہیں" - میں نے کہا
" جی ہاں بالکل خالی ہے - حکم ہو تو میں بھی خدمت میں حاضر رہ کر مدد کروں"
فرمایا " نہیں بھئی، نہیں - جہاں دو آدمیوں نے مل کر کسی کام میں ہاتھ ڈالا
اور وہ خراب ہوا - تم اس انتظام کو بس مجھ پر چھوڑ دو، میں جانوں اور میرا

کام جانے - بلکہ تم تو ادھر آنا بھی نہیں - تم نے آکر اگر میں میخ نکالی تو مجھ پر
دوھری تہری محنت پڑ جائیگی"—

۳ - ترتیب

به شعر و سخن مجلس آراستند   نشستند و گفتند و برخاستند

میں تاریخ ابوالفداء کے ترجمے میں ایسا گُتھہ گیا کہ ۷، ۸ روز تک گھر سے
باھر ھی نہیں نکلا - نواب زین‌العابدین خاں کے شوق کی یہ حالت تھی کہ با وجود
کمزوری و نقاھت کے روز صبح ھی سے جو باھر نکلتے تو کہیں رات کے آٹھہ نو بجے
جا کر ان کی صورت گھر میں دکھائی دیتی - اس لئے ان سے ملنا نہیں ھوا کہ
کچھہ حال پوچھتا - بہر حال یہ آٹھہ دن آنکھہ بند کرتے گزر گئے اور مشاعرے کی
تاریخ آھی گئی - ۱۴ - رجب کو شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب میں بھی مشاعرے
میں جانے کو تیار ھوا - نواب صاحب کو دریافت کیا تو معلوم ھوا کہ وہ صبح سے
جو گئے ھیں تو اب تک واپس نہیں آئے - گھر سے جو نکلا تو بازار میں بڑی چہل پہل
دیکھی - ھر شخص کی زبان پر مشاعرے کا ذکر تھا - کوئی کہتا تھا کہ یہ میاں
کریم‌الدین کون ھے - کوئی کہتا کہ بھئی کوئی ھوں مگر انتظام ایسا کیا ھے کہ
دیکھکر جی خوش ھوتا ھے - "میں یہ باتیں سنتا اور دل میں خوش ھوتا ھوا قاضی کے
حوض پر آیا، کیا دیکھتا ھوں کہ سڑک کے دونوں جانب ٹٹیاں لگا کر اور ان میں
روشنی کے گلاس جما کر رات کو دن کر دیا ھے - سڑک پر خوب چھڑکاؤ ھے، کٹورا
بج رھا ھے - مبارک‌النساء بیگم کی حویلی کے بڑے پھاٹک کو گلاسوں، قمقموں اور
قندیلوں سے سجا کر گلزار آتشین کر دیا ھے - صدر دروازے سے اندر کی دھلیز تک
روشنی کا یہ عالم ھے کہ آنکھوں میں چکا چوند آتی ھے - مکان کے اندر جو قدم رکھا
تو ھوش جاتے رھے - یا اللہ یہ میرا ھی مکان ھے یا کسی شاھی محل میں آگیا ھوں -
گھڑی گھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا اور کہتا "واہ میاں عارف
واہ! تم نے تو کمال کر دیا" - کہاں وہ بچارے کریم‌الدین کا مکان اور کہاں یہ

بادشاہی تھا تھہ: واقعی تمہارا کہنا صحیح تھا کہ اگر دو ہزار میں بھی کام نکل جائے تو یہ سمجھو دہ کچھ نہیں اُٹھا"۔ چونے میں ابرک ملا کر مکان میں قلعی کی گئی تھی جس کی وجہ سے در و دیوار پر جگ مگ، جگ مگ کر رہے تھے۔ صحن کو بھروا کر تختوں کے چوکے اس طرح بچھائے تھے کہ چبوترہ اور صحن برابر ہو گئے تھے۔ تختوں پر دری، چاندنی کا فرش اس پر قالینوں کا حاشیہ، پیچھے گاؤ تکیوں کی قطار، جھاڑوں، فانوسوں، ھانڈیوں، دیوار گیریوں، قمقموں، چینی قندیلوں اور گلاسوں کی وہ بہتات تھی کہ تمام مکان بقعۂ نور بن گیا تھا۔ جو چیز تھی خوبصورت اور جو تھی قرینے سے۔ سامنے کی صف کے بیچوں بیچ چھوٹا سا سبز مخمل کا کارچوبی شامیانہ، گنگا جمنی چوبوں پر سبز ھی ریشمی طنابوں سے استادہ تھا۔ اس کے نیچے سبز مخمل کی کارچوبی مسند، پیچھے سبز* کارچوبی گاؤ تکیہ، چاروں چوبوں پر چھوٹے چھوٹے آٹھ چاندی کے فانوس نصب تھے: فانوسوں کے کنول بھی سبز۔ چوبوں کے سنہری کلسوں سے لگا کر نیچے تک موتے موتے موتیا کے گجرے سہرے کی طرح لٹکے ہوے۔ بیچ کی لڑیوں کو سمیٹ کر کلابتونی ڈوریوں سے جس کے کونوں پر مقیش کے گھنے تھے اس طرح چوبوں پر کس دیا گیا تھا کہ شامیانے کے چاروں طرف پھولوں کے دروازے بن گئے تھے۔ دیواروں میں جہاں کھونٹیاں تھیں وہاں کھونٹیوں پر اور جہاں کھونٹیاں نہیں تھیں وہاں کیلیں گاڑ کر پھولوں کے ھار لٹکا دئے تھے۔ اس سرے سے لگا کر اُس سرے تک سفید چھت گیری جس کے حاشیے سبز تھے، کھنچی ہوئی تھی۔ چھت گیری کے بیچوں بیچ موتیا کے ھار لٹکا کر لڑیوں کو چاروں طرف اس طرح کھینچ دیا گیا تھا کہ پھولوں کی چھتری بن گئی تھی ایک صحنچی میں پانی کا انتظام تھا: کورے کورے گھڑے رکھے تھے اور شورے میں جست کی صراحیاں لگی ہوئی تھیں، دوسری صحنچی میں پان بن رہے تھے۔ باورچی خانے میں حقوں کا تمام سامان سلیقے سے جما ہوا تھا۔

● سبز رنگ دہلی کا شاہی رنگ تھا—

جابجا نوکر صاف ستھرا لباس پہنے دست بستہ مؤدب کھڑے تھے - تمام مکان مشک ' عنبر اور اگر کی خوشبو سے پڑا مہک رہا تھا - قالینوں کے سامنے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر حقوں کی قطار تھی ؛ حقے ایسے صاف ستھرے تھے کہ معلوم ہوتا تھا ابھی دوکان پر سے خرید ہوکر آے ہیں - حقوں کے بیچ میں جو کچھہ جگہ چھوٹ گئی تھی وہاں چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھہ کر ان پر خاصدان رکھہ دئے تھے - خاصدانوں میں لال قند کی صافیوں میں لپٹے ہوے پان - گلوریوں کو صافی میں اس طرح جمایا تھا کہ بیچ میں ایک ایک تہہ پھولوں کی آگئی تھی - خاصدانوں کے برابر چھوٹی چھوٹی کشتیاں ' ان میں الائچیاں ' چکنی ڈلیاں اور بن دھنیا - مسند کے سامنے چاندی کے دو شمعدان ' اندر کافوری بتیاں ' اوپر ہلکے سبز رنگ کے چھوٹے کنول - شمعدانوں کے نیچے چاندی کے چھوٹے لگن ' لگنوں میں عرق کیوڑا - غرض کیا کہوں ایک عجیب تماشہ تھا - میں تو الف لیلی کا ابوالحسن ہوگیا - جدھر نظر جاتی اُدھر ہی کی ہو رہتی * - میں اس تماشے میں محو تھا کہ لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا —

سب سے پہلے مرزا کریم الدین " رسا " آے - یہ سلاطین زادے ہیں - کوئی ستر برس کے پیٹے میں ہیں - استعداد علمی تو کم ہے مگر شاعری میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے - بہت رحم دل ' خوش خلق اور سادہ مزاج ہیں - دغل فصل نام کو نہیں ہے - ملاح کہا کرتے ہیں کہ کشتی میں " چڑھے سب سے پہلے اور اترے سب سے پیچھے " - انہوں نے اس مقولہ کو مشاعرے سے متعلق کر دیا ہے - مشاعرے میں سب سے پہلے آتے ہیں اور جب تک ایک ایک کرکے سب نہیں چلے جاتے یہ اُٹھنے

---

* بزرگوں کی زبانی دیوان عام کے مشاعروں کا جو حال میں نے سنا ہے بجنسہ اسی پر اس مشاعرہ کا نقشہ قایم کیا ہے —

کا نام نہ لیتے - ایک روز کا واقعہ ھے کہ مشاعرہ ھو رھا تھا - بڑے زور سے ابر آیا - سب نے جلدی جلدی مشاعرہ ختم کیا - لوگ اپنے اپنے گھر گئے لیکن یہ ٹھیرے اپنی وضع کے پابند جب تک سب نہ جا چکے اپنی جگہ سے نہ اٹھے - ھاں گھڑی گھڑی جھک جھک کر آسمان دیکھ لیتے - اتنے میں موسلا دھار مینھہ برسنا شروع ھوا - ایسا برسا ایسا برسا کہ جل تھل بھر گئے - کہیں دو گھنٹے کے بعد خدا خدا کرکے ذرا مینھہ تھما تو یہ بھی اٹھے مگر ایسا اندھیرا گھپ تھا کہ ھاتھہ کو ھاتھہ نہیں سوجھتا تھا - مالک مکان نے ایک نوکر کو قندیل دے کر ساتھہ کردیا - گلیوں میں ٹخنوں ٹخنوں پانی تھا - ان بچارے کے پاؤں میں زردوزی کا قیمتی جوتا ' کیچڑ میں پاؤں رکھیں تو کیسے رکھیں - آخر چپکے سے نوکر سے کہا کہ تو اپنا جوتا مجھے دیدے - اس کا جوتا کیا تھا لیتڑے تھے ' وھی گھسیٹتے ھوئے چلے : اپنا جوتا بغل میں دبا لیا - قلعہ پہنچ کر ایک نیا جوتا نوکر کو دیا اور کہا " میں نوکر نے آج میرے ساتھہ ایسا احسان کیا ھے کہ تمام عمر نہ بھولوں گا ' جب کبھی تجھے کوئی ضرورت ھو تو میرے پاس آجایا کیجئیو " — آگے چل کر اس بدمعاش نے ان کو بہت دق کیا اول تو اس راز کا ڈھنڈورا پیٹ دیا 'دوسرے ھر تیسرے چوتھے ان سے ایک دو روپئے مار لاتا - مگر انہوں نے کبھی " نا " نہیں کی : جب جاتا کچھہ نہ کچھہ سلوک ضرور کرتے —

نواب زین العابدین خاں صاحب نے بڑہ کر لب فرش ان کو لیا اور پوچھا - " ھیں صاحب عالم ! میاں ' حیا ' آپ کے ساتھہ نہیں آے " - مرزا رحیم الدین حیا' ان کے بڑے بیٹے ھیں ' لیکن تھوڑے دنوں سے باپ بیٹے میں کچھہ صفائی نہیں رھی ھے - نواب صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ صاحب عالم ناسور کی طرح پھوٹ بہے ' کہنے لگے " نواب ! وہ بھلا میرے ساتھہ کیوں آتے - جب سے بنارس ھوکر آے ھیں ان کا تو رنگ ھی بدل گیا - میں بچارہ تو کس گنتی میں ھوں وہ کسی کو بھی اب خاطر میں نہیں لاتے - پالا پوسا ' بڑا کیا ' پڑھایا ' لکھایا ' شاعر بنایا ' بٹیریں لڑانا

سکھایا اور تخت * کی قسم وہ وہ نسخے بٹیروں کے بتاتے ہیں کہ قلعہ تو قلعہ ہندوستان بھر میں کسی کے فرشتہ خاں کو بھی معلوم نہ ہوں گے ، اور اب وہی صاحبزادے صاحب ہیں کہ استاد ماننا تو درکنار مجھکو باپ بھی کہتے شرماتے ہیں۔ ہاں بھئی کیوں نہ ہو ، تیرھویں صدی ہے - ان کو بنارس بھیج کر میں تو مصیبت میں آگیا - ایک نقصان مایہ دوسرے شماتت ہمسایہ - بیٹا ہاتھہ سے گیا تو گیا ، دن رات کی دانتا کلکل اور مول لے لی " - یہ باتیں کرتے کرتے نواب صاحب نے میاں ' رسا ' کو لے جاکر ایک جگہ بٹھا دیا - ابھی ان سے فارغ نہ ہوے تھے کہ شہزادوں کا ایک گروہ حافظ عبدالرحمن احسان کو حیرمت میں لئے آ پہنچا - بھلا دلی شہر میں کون ہے جو حافظ جیو " کو نہ جانتا ہو ' حکت استاد ہیں - پہلے تو قلعے کا قلعہ ان کا شاگرد تھا مگر اُستاد ذوق کے قلعے میں قدم رکھتے ہی ان کا زور ذرا ٹوٹا۔ یہ بھی زمانے کی آنکھیں دیکھے ہوے تھے اور شاہ نصیر سے ٹکر لڑا چکے تھے ' اس بڑھاپے میں بھی جم ٹھونک کر سامنے آگئے اور مرتے دم تک مقابلے سے نہ ہٹنا تھا نہ ہٹے - کوئی ۹۰ برس کی عمر تھی ' کمر دھری ہونے سے قد کمان بن گیا تھا - اپنے زمانے کے بلعمباعور تھے - لیکن غزل اس کڑاکے سے پڑھتے تھےکہ تمام مشاعرے پر چھا جاتے تھے- ان کی استادی کا سکہ زمانے سے تمام دلی پر بیٹھا ہوا تھا - پہلے مرزا تیلی کے استاد ہوے ' رفتہ رفتہ شاہ عالم بادشاہ غازی نوراللہ مرقدہ تک رسائی ہوگئی- وہ ان کو " حافظ جیو " کہتے تھے ' اس لئے اسی نام سے تمام قلعے میں مشہور تھے - مصرعے پر مصرعہ لگانے میں کمال تھا اور سند ایسے تڑاخ سے دیتے تھے کہ معترض منہ دیکھتے رہ جاتے تھے - ایک روز بادشاہ سلامت نے مصرعہ کہا —

صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں

---

* روز روز کی خانہ جلگیوں نے ہر شہزادے کے دل میں یہ خیال پیدا کردیا تھا کہ شاید کل میں ہی بادشاہ ہوجاؤں ' اسلئے قلعہ کے سب لوگ خواہ وہ شہزادے ہوں یا سلاطین زادے ہمیشہ تخت کی ' تاج کی اور اسیطرح کی قسمیں کھایا کرتے تھے—

اُنہوں نے فوراً عرض کی:—

نامناسب ھے میاں وقت سحر گاہ نہیں

کسی نے " وقت سحر گاہ " کی ترکیب پر اعتراض کیا - انہوں نے جھٹ صائب کا یہ شعر پڑھا :—

آدمی پیر چو شد حرص جوان می گردد
خواب در وقت سحرگاہ گران می گردد

اور معترض صاحب اپنا سا منہ لیکر رہ گئے —

بڑے دبلے پتلے آدمی تھے ، رنگ بہت کالا تھا ، شاہ نصیر نے اسی رنگ کا خاکہ اس طرح اُڑایا ھے:—

اے خال رخ یار تجھے ٹھیک بنا تا
پر چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

نواب صاحب نے اُن سب کوبھی ھاتھوں ھاتھ لیااور اپنی اپنی جگہ لاکر بٹھا یا- ابھی ان کو بٹھانے سے فارغ نہ ھوئے تھےکہ منشی محمدعلی 'تشنہ' ننگ دھڑنگ 'نشے میں چور' جھومتےجھامتے اندر آئے-نوجوان آدمی ھیں مگر عجب حال ھے-کبھی برھنہ پڑے پھرتے ھیں ، کبھی کپڑے پہن خاصے بھلے آدمی بن جاتےھیں- کسی کے شاگرد نہیں اور پھر سب کےشاگرد ھیں- کبھی حکیم آغا خاں عیش سے اصلاح لینےلگتے ھیں' کبھی اُستاد ذوق کے پاس اصلاح کے لئے غزل لے آتے ھیں - ذھن بلا کا پایا ھے ! لاکھوں شعر زبان کی نوک پر ھیں ، شعر سنا اور یاد ھوا- اکثر ایسا بھی ھوا ھے کہ کسی کی غزل سنی اور یاد کرلی - مشاعرے میں خود اپنے نام سے وہ غزل پڑھ ڈالی اور وہ بیچارا منہ دیکھتا رہ گیا - نواب صاحب آگے بڑھے ، پوچھا " منشی جی یہ کیا رنگ ھے " - کہنے لگے " اصلی رنگ ، مشاعرہ کب شروع ھوتا ھے" - نواب صاحب نے کہا " ابھی شروع ھوتا ھے آپ بیٹھئے تو سہی"- خیر ایک کونے میں جاکر بیٹھ گئے- میاں عارف نے اُن پر ایک دوشالہ لاکر ڈالدیا- اُنہوں نے اٹھا کر پھینک دیا- غرض جس طرح ننگے آئے تھے

اسی طرح بلا تکلف بیٹھے رہے - اس کے بعد تو لوگوں کے آنے کا تانتا بندھ گیا -
جو آتا اس کا استقبال نواب صاحب کرتے اور لا لا کر بٹھاتے - حکیم مومن خاں آئے -
ان کے ساتھ آزردہ، شیفتہ، صہبائی اور مولوی مملوک العلی تھے - مولوی صاحب
مدرسۂ دھلی میں مدرس اول ھیں - عجیب با کمال آدمی ھیں - مدرسے میں ان کی
ذات بابرکات سے وہ فیض ھوا ھے کہ شاید ھی کسی زمانے میں کسی اُستاد سے
ھوا ھو - بہت پابند شرع ھیں، اس لئے خود شعر نہیں کہتے مگر سمجھتے ایسا ھیں
کہ ان کا کسی شعر کی تعریف کر دینا گویا اس کو دوام کی سند دینا ھے - کوئی
۶۰ سال کا سن ھے - رھنے والے تو نانوتے کے ھیں مگر مدتوں سے دھلی میں آرھے ھیں-
دن رات پڑھنے پڑھانے سے کام ھے - مشاعروں میں کم جاتے ھیں، یہاں شاید مولانا
صہبائی ان کو اپنے ساتھ گھسیٹ لائے - تھوڑے ھی دن ھوے بچارے پابندیٔ شرع
اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں آگئے تھے - ھوا یہ کہ رزیڈنٹ بہادر مدرسے کے معائنہ
کو آئے - ان کے علم اور رتبے کے خیال سے ھاتھ ملایا - جب تک صاحب بہادر وھاں رھے
انھوں نے ھاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور
رکھتا ھے - صاحب کے جاتے ھی بہت احتیاط سے ھاتھ کئی بار دھویا - کسی نے جا کر
صاحب سے یہ بات لگا دی، اُن کو بہت غصہ آیا کہ ھم نے تو ھاتھ ملا کر ان کی
عزت افزائی کی انھوں نے اس طرح ھماری توھین کی - غرض بڑی مشکل سے یہ
معاملہ رفع دفع ھوا —

مولوی صاحب میرے بھی اُستاد تھے - میں بھی آگے بڑھا - آداب کیا -
فرمانے لگے "میاں کریم الدین میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا - تم نے تو دھلی والوں
کو مات کر دیا، سبحان اللہ سبحان اللہ! کیا انتظام ھے، دیکھکر دل خوش ھو گیا،
خدا تمھیں اس سے زیادہ حوصلہ دے"- میں نے عرض کی "مولوی صاحب بھلا میں
کیا اور میری بساط کیا؛ یہ سب کیا دھرا نواب زین العابدین خاں کا ھے"- فرمانے لگے
"بھئی یہ بھی اچھی ھوئی، وہ کہیں کہ سارا انتظام کریم الدین خاں کا ھے، تم کہو

که نواب صاحب کا ہے - چلو' من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو''- ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مرزا نوشہ پالکی میں سے اُترے - نیر' علائی' سالک اور حزیں اُن کے ہمراہ تھے - مرزا غالب مومن خاں کی طرف بڑھے' مصافحہ کیا اور کہا ''بھئی حکیم صاحب آج محمد قاصر خاں محزوں کا عظیم‌آباد سے خط آیا تھا' تم کو بہت بہت سلام لکھا ہے: معلوم نہیں کہ کیوں ایکا ایکی پٹنہ چلے گئے - خواجہ میر درد کے پوتے ہوکر ان کا دہلی کو چھوڑنا ہم کو تو پسند نہیں آیا' اب یاروں کو روتے ہیں - دیکھنا کیا درد بھرا شعر لکھا ہے ---

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا

آہ محزوں مجھے یاران وطن بھول گئے

ارے بھئی رات تو خاصی آگئی ہے' ابھی تک میاں ابراہیم نہیں آئے - آخر یہ مشاعرہ شروع کب ہو گا''- حکیم صاحب کچھہ جواب دینے ہی والے تھے کہ دروازے کے پاس سے ''السلام علیکم'' کی آواز آئی - مولانا صہبائی نے کہا ''اے لیجئیے مرزا صاحب وہ اُستاد کے نشان کے ہاتھی حافظ ویران صاحب آگئے اور وہ آپ کے دوست ہدہد بھی ساتھہ ہیں : دیکھئیے آج کس کے چونچ مارتے ہیں''- میاں ہدہد کا نام عبدالرحمن ہے - پورب کے رہنے والے ہیں' دلی میں آکر حکیم آغا خاں عیش کے ہاں ٹھیرگئے ہیں- ان کے بچوں کو پڑھاتے ہیں - حکیم صاحب ہی کے مشورے سے ہدہد تخلص اختیار کیا - انہی کی تجویز سے چگی ڈاڑھی رکھی' سر منڈا کر نکو عمامہ باندھا اور اس طرح خاصے کھٹ بڑھئی ہو گئے - انہی کے ذریعے سے دربار میں پہنچے اور طائرالاراکین' شہپرالملک' ہدہدالشعراء' منقار جنگ بہادر خطاب پایا - شروع شروع میں تو ان کے ظریفانہ کلام سے مشاعرہ چمک جاتا تھا' مگر بعد میں انہوں نے اُستادان فن پر حملے شروع کر دئیے - کہتے تو یہ ہیں کہ حکیم صاحب کے اشارے سے ایسا کیا' لیکن کچھہ بھی ہو' آخر آخر سب کو ان سے کچھہ نفرت سی ہو گئی اور بجائے دوسروں کا مذاق اُڑنے کے خود اُن کا مذاق اُڑ جاتا تھا -

حکیم صاحب علانیہ تو اُن کی مدد کر نہیں سکتے تھے خود ان میں اتنی قابلیت نہ تھی جو دلی والوں کی پھبتیوں کو سنبھال سکتے، اس لئے تھوڑی ھی دیر میں ٹھنڈے ھوکر رہ جاتے - مرزا نوشہ اور حکیم مومن خاں پر ھمیشہ منہ آتے تھے - اسی لئے مرزا نوشہ مولانا صہبائی کے منہ سے ''آپ کے دوست'' کا لفظ سنکر مسکرائے اور کہا "بھئی میں تو ان کے منہ کیوں لگنے لگا مگر آج دیکھا جائے گا "ھر فرعونے را موسیٰ'' سنتا ھوں کہ ھمارے میر صاحب مولوی ھدھد کی شان میں آج کچھہ فرمانے والے ھیں - ان کے سامنے اگر یہ شہباز سخن تک گئے تو میں سمجھونگا کہ بڑا کام کیا''- غرض یہ باتیں ھو رھی تھیں کہ اُستاد ذوق بھی اندر آگئے - تمام قلعہ ان کے ساتھہ آیا تھا - صاحب سلامت کر کے سب اپنی اپنی جگہ بیٹھہ گئے - قلعہ والوں اور اُن لوگوں میں جن کا تعلق قلعہ سے ھے سلام کرنے کا کچھہ عجیب طریقہ ھے - سیدھے کھڑے ھو کر دایاں ھاتھہ اس طرح کان تک لے جاتے ھیں جس طرح کوئی نماز کی نیت باندھتا ھے اور پھر چھوڑ دیتے ھیں، چلو سلام ھو گیا- باقی سب لوگوں سے معمولی طرح سلام کرتے ھیں- قلعہ والوں کی صورت کچھہ ایسی ھے کہ ایک ھی نظر میں پہچان لئے جاتے ھیں - شہزادے ھوں یا سلاطین زادے سب کی وضع قطع ایک سی ھے - وھی لمبی گردن، وھی پتلی اونچی ناک، لمبا کتابی چہرہ، بڑی بڑی لمبوتری آنکھیں، بڑا دھانہ، اونچا چوکا، آنکھوں کے نیچے کی اُبھری ھوئی ھڈیاں، گہرا سانولا رنگ، داڑھی کلوں پر ھلکی، ٹھوڑی پر زیادہ - غرض جیسی مشابہت ان لوگوں میں ھے شاید ھی کسی خاندان والوں میں ھوگی- امیر تیمور سے لگا کر اس وقت تک ان کی شکل میں کوئی فرق نہیں آیا ھے - پہلے تو قلعہ بھر کا ایک ھی لباس تھا * مگر اب کچھہ دورنگی ھوگئی ھے - وجہ یہ

---

* اس مضمون میں جابجا دھلی والوں کے لباس کا ذکر آیا ھے - مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ذرا وضاحت سے اُس لباس کو بتا دوں تاکہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

ہوئی کہ جب سے سلیمان شکوہ کا اودھ کے دربار میں رسوخ ہوا خاندان کے کچھ لوگ تو وہیں جا رہے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ بنارس آتے جاتے رہتے ہیں - جو وہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۵)

اس محفل کا نقشہ اور اچھی طرح پھر جاے - مرزا نوشہ کا تو ذکر جانے ہی دو وہ تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے ہیں ' ان کی ٹوپی دنیا بھر سے جدا تھی - نہ ترکی تھی ' نہ تاتاری ' کھال کو (خواہ وہ سمور ہو یا برہ) اس طرح سی لیا جاتا تھا کہ نیچے کا گھیر اوپر کے چندوے سے ذرا بڑا ہے - اس کے بعد چار کنگرے قائم کرکے کھال کو ٹوپی کی آدھی لمبان تک ، اس طرح کاٹ لیا کہ ٹوپی کرکچ کی شکل بن گئی - بیچ میں چندوے کی جگہ مخمل یا گہرے رنگ کی بانات کنگروں کے کناروں سے ملا کر سی لی ' اندر استر دے دیا ' چلو مرزا نوشہ کی ٹوپی ہو گئی - شہر میں کلاہ تتری کا بہت استعمال ہے جس کو عام اصطلاح میں چوگوشیہ ٹوپی کہتے ہیں - یہ بھی کئی وضع کی ہوتی ہیں اور کئی طرح پہنی جاتی ہیں - جو ٹوپی شرفا استعمال کرتے ہیں اس کا دمہ (گوٹ) ذرا نیچا ہوتا ہے - دمے کے اوپر چار پاکھے - پاکھے کی وضع بالکل شاہجہانی محراب کی سی ہوتی ہے - چاروں کو اس طرح ملا کر سیتے ہیں کہ چاروں کونے کمرک (کمرخ) کے نمونے کے ہوجائیں - بعض لوگوں نے اس میں ذرا جدت بھی کی ہے ' وہ یہ کہ دمے کو اونچا کرکے پاکھوں کی لمبان کو چوڑان سے کسی قدر بڑھا دیا ہے اور ان کے سل جانے کے بعد جو پھل پیدا ہوے ہیں ان کو پھر کاٹ کر کلیاں ڈال دی ہیں - اس طرح بجاے چار پھل کے ٹوپی کے آٹھ پھل ہوگئے ہیں - خوبصورتی کے لئے دمے کے کناروں پر پتلی لیس اور گوشوں کے کناروں پر باریک نیطون لگاتے ہیں - بادشاہ سلامت کی ٹوپی ہوتی تو اسی نمونے کی ہے مگر سلمے ستارے کے کام سے لپی ہوئی اور جابجا موتی اور نگینے ٹکے ہوے - اس قسم کی ٹوپی کئی طرح پہنی جاتی تھی - قلعہ والے تو پاکھوں کو کھڑا رکھتے ہیں ' باقی لوگ ان کو کسی قدر دبالیتے ہیں - جو ٹوپی آٹھ پھل کی ہوتی ہے اس کے پاکھوں کو تو اتنا دباتے ہیں کہ گوشے دمے کے باہر پھیل کر کنول کی شکل بن جاتے ہیں - اس قسم کی ٹوپی ہمیشہ آڑی پہنی جاتی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا ایک کونہ بائیں بھوں کو دباے - اس ٹوپی کے علاوہ ارخ چین کی ٹوپی کا بھی بہت رواج ہے - اس کا بنانا کچھ مشکل کام نہیں - ایک مستطیل کپڑے کے کناروں کو سر کے ناپ کے برابر سی لیا ' نیچے پتلی سی گوٹ دیدی اور اوپر کے حصے میں چنٹ دے کر چھوٹا سا گول ڈھکنا دیا - دہلی کی دوپلڑی ٹوپی اور لکھنؤ کی ٹوپی میں صرف یہ فرق ہے کہ یہاں یہ ٹوپی اتنی بڑی بناتے تھے کہ سر پر منڈھ جاے '

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

جاکر آتا ہے لباس میں نئی تراش خراش کرتا ہے - اس طرح اس کا لباس آدھا تیتر آدھا بٹیر ہوکر نہ لکھنؤ کا رہتا ہے نہ دہلی کا- اب جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں انہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۶)

بر خلاف اس کے لکھنؤ کی ٹوپی صرف بالوں پر دھری رہتی ہے - ان ٹوپیوں کے علاوہ بعض بعض لوگ پچ گوشیہ ٹوپی بھی پہنتے ہیں - اس ٹوپی میں پانچ گوشے ہوتے ہیں ' لیکن اس کی کاٹ چوگوشیہ ٹوپی سے ذرا مختلف ہے - گوشوں کے اوپر کے حصے نوک دار ہوتے ہیں ' اس سمجھہ لو کہ جیسے فصیل کے کنگرے - نیچے دمے کی بجائے پتلی سی گوٹ ہوتی ہے - یہ ٹوپی قالب چڑھا کر پہنی جاتی ہے - قالب چڑہ کر بس ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ہمایوں کے مقبرے کا گنبد- عام لوگوں میں بڑے گول چندوے کی ٹوپی کا بھی بہت استعمال تھا - بعض تو بالکل سادی ہوتی ہیں اور بعض سوزنی کے کام یا فیتے کے کام کی ہوتی ہیں - اس ٹوپی کو بھی قالب چڑھا کر پہنتے ہیں—

لباس میں انگرکھا بہت پسند کیا جاتا ہے - انگرکھے کی چولی اتنی نیچی ہوتی ہے کہ ناف تک آتی ہے - چونکہ ہر شخص کو کسرت کا شوق ہے اس لئے جسم کی خوبصورتی دکھانے کے لئے آستین بہت چست رکھتے ہیں اور بعض شوقین آستینوں کو آگے سے کاٹ کر الٹ لیتے ہیں - انگرکھے کے نیچے کر تہ بہت کم لوگ پہنتے ہیں - قلعے والوں کے انگرکھے کے اوپر جامہ وار یا مخمل کی خفتان ہوتی ہے ' بہت تکلف کیا تو اس کے حاشیوں پر سمور لگا لیا ' نہیں تو عموماً پتلی لیس لگاتے ہیں - بٹنوں کی بجائے صرف ایک تکمہ اور گھنڈی ہوتی ہے جس کو '' عاشق معشوق یا چشمے '' کہتے ہیں ' اس کی آستینیں ہمیشہ آدھی ہوتی ہیں- قلعے میں تو اس کو خفتان کہا جاتا ہے - مگر شہر والے اس سینہ کھلے نیمہ آستین کو '' شہروانی '' کہتے ہیں - انگرکھے کے اوپر چوکور شامی رومال سموسہ کرکے پیٹھہ پر ڈال لیتے ہیں - اس رومال کو عام اصطلاح میں '' ارخ چین '' کہتے ہیں - کمر میں بھی بتی کرکے رومال لپیٹنے کا رواج ہے ' مگر بہت کم - پائجامہ ہمیشہ قیمتی کپڑے کا ہوتا ہے ' اکثر گلبدنی ' غلطے ' مشروع ' سوترے ' اطلس یا گورنٹ کا ہوتا ہے - پرانی وضع کے جو لوگ ہیں وہ تو اب بھی ایک برھی کا پائجامہ پہنتے ہیں ' مگر تنگ موریوں کے پائجامے بھی چل نکلے ہیں - سلیم شاہی جوتی کا استعمال شروع ہوگیا ہے - پھر بھی دہلی کے شرفا گھیتلی جوتی زیادہ پسند کرتے ہیں شاید ہی شہر بھر میں کوئی ہوگا جس کے ہاتھہ میں بانس کی لکڑی اور گز بھر کا

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

کو دیکھہ لیجئے - جو شاھزادے لکھنؤ جاکر آے ھیں ان کے سرپر لکھنؤ کی دو پلڑی ٹوپی ھے' اونچی چولی کا انگرکھا ھے' نیچے باریک شربتی ململ کا کرتہ اور تنگ پیجامہ ھے - جنھوں نے قلعہ کبھی نہیں چھوڑا اُن کے جسم پر وھی پرانا لباس ھے - سر پر چوگوشیہ ٹوپی' جسم پر نیچی چولی کا انگرکھا ' اس کے اُوپر مخمل یا جامہوار کی خفتانی ' پاؤں میں گلبدنی یا غلطے کا ایک برکا پیجامہ - جو لوگ لکھنؤ ھو آئے ھیں انھوں نے دھلی کے لباس کے ساتھہ داڑھی کو بھی خیر باد کہدیا ھے' چہرے کی ساخت سے تو ان کو دھلی کا شہزادہ کہدو توکہدو مگر لباس اور وضع قطع سے تو یہ ٹھیٹھ لکھنؤ والے معلوم ھوتے ھیں —

اُستاد ذوق سب سے مل ملا کر شامیانے کے داھنی طرف بیٹھہ گئے - مشاعرے میں شعرا کو سلسلے سے بٹھانا بھی ایک فن ھے - نواب زین‌العابدین خاں کی تعریف کروں گا کہ جس کو جہاں چاھا بٹھا دیا اور پھر اس طرح کہ کسی کو نہ کوئی شکوہ نہ شکایت - اگر کوئی ایسی جگہ بیٹھہ جاتا جہاں ان کے خیال میں اس کو نہ بیٹھنا چاھئے تھا تو بجائے اس کے کہ اس کو وھاں سے اٹھاتے خود ایسی جگہ جا بیٹھتے جہاں اس کو بٹھانا چاھتے' تھوڑی دیر کے بعد کہتے " ارے بھئی ' ذرا ایک بات تو سننا " - وہ آکر اُن کے پاس بیٹھہ جاتا ' اس سے باتیں کرتے رھتے : اتنے میں کوئی ایسا شخص آجا تا جس کو وہ خالی جگہ کے موزوں سمجھتے اس سے کہتے ' " تشریف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۷)

لٹھے کا چوکور رومال نہ ھو - ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لمبی پور کا ٹھوس بھاری بانس لیتے ' تیل پلاتے' مہندھی مل کر باورچی‌خانے میں لٹکاتے' یہاں تک کہ اس کی رنگت بدلتے بدلتے سیاہ ھوجاتی اور وزن تو ایسا ھوجاتا گویا سیسہ پلا دیا ھے - جو نکلتا ھے اینٹھتا ھوا نکلتا ھے ' جسکا دیکھو ' چوڑا سینہ ' پتلی کمر ' بلے ھوئے ڈنڈ - شرفا میں تو شاید ڈھونڈے سے ایک بھی نہ نکلیگا جسکو کسرت کا شوق نہو اور بانک ' بنوٹ اور لکڑی نہ جانتا ھو - بچپن ھی سے ان فنوں کی تعلیم دیجاتی ھے ' مقابلے ھوتے ھیں' واہ واہ سے بچوں اور نوجوانوں کا دل بڑھاتے ھیں اور فنون سپاہ گری کو شرافت کا تمغہ سمجھتے ھیں —

رکھئے' وہ جگہ خالی ھے"۔ جب وہ جگہ بھرجاتی تو کسی بہانے سے اُٹھ جاتے اور اس طرح دو نشستوں کا انتظام ھوجاتا - شہزادوں کا سلسلے سے بٹھانا ذرا ٹیڑھی کھیر ھے۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ کر اُٹھ جاتے ھیں کہ واہ ھم اور یہاں بیٹھیں۔ پھر لاکھ منائیے وہ بھلا کیا ماننے والے ھیں۔ ان جھگڑوں کو استاد ذوق خوب سمجھتے تھے اس لئے اپنے ساتھ والوں کا انتظام اُنھوں نے خود کرلیا ' مگر اس طرح کہ کسی کو یہ خیال ھی نہیں ھوا کہ یہ محفل کا بندوبست کر رھے ھیں۔ کسی سے کہتے "صاحب عالم ' ادھر آئیے" - کسی سے ' کسی خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے' کہتے " بیٹھو ' بھئی بیٹھو " - غرض تھوڑی دیر میں پوری مجلس جم گئی - نشست کا یہ انتظام تھا کہ میر مشاعرہ کے دائیں جانب وہ لوگ تھے جن کا تعلق قلعے سے تھا اور بائیں طرف شہر کے دوسرے استاد اور ان کے شاگرد۔ ایک چیز جو مجھے عجیب معلوم ھوئی وہ یہ تھی کہ قلعے والے جتنے آئے تھے ' سب کے ھاتھوں میں بٹیریں دبی ھوئی تھیں۔ یہ بٹیر بازی اور مرغ بازی کا مرض قلعہ میں بہت ھے - روزآنہ تیتروں ' بٹیروں اور مرغوں کی پالیاں ھوتی ھیں - ایک شہزادے صاحب نے تو کمال کیا ھے ' ایک بڑے چھکڑے پر ٹھاٹھر لگا کر چھوٹا سا گھر بنا لیا ھے اور اوپر چھت پر مٹی ڈالکر کنگنی بودی ھے - ٹھاٹھر میں خدا جھوٹ نہ بلائے تو لاکھوں ھی پدڑیاں ھیں۔ جہاں چاھا چھکڑا لیگئے اور پدڑیاں اڑا دیں ' ایسی سدھی ھوئی ھیں کہ جھلڑ سے ایک بھی پھٹ کرنہیں جاتی انھوں نے جھنڈی ھلائی او ر وہ اُڑیں ' انھوں نے آواز دی اور وہ آکر چھت پر بیٹھ گئیں —

اُستاد ذوق کو آئے ھوے چند ھی منٹ ھوے ھونگے کہ مرزا فتح الملک ھوادار میں آپہنچے - اُن کے ساتھ نواب مرزا خاں داغ تھے - میاں داغ کی کوئی سولہ سترہ برس کی عمر ھوگی - رنگت تو بہت کالی ھے مگر چہرے پر غضب کی نمکینی ھے - بڑی بڑی غلافی آنکھیں ' ستواں ناک کشادہ پیشانی ' سر پر سیاہ مخمل کی لیس لگی ھوئی چوگوشیہ ٹوپی - جس میں ساسنلیٹ کا انگرکھا ' سبز گلبدنی کا پیجامہ'

ھاتھ میں ریشمی رومال-ھیں تو ابھی نو عمر مگر شعر ایسا کہتے ھیں کہ سبحان اللہ-
شھر بھر میں ان کی غزلیں گائی جاتی ھیں - غرض ھوادار فرش سے ملا کر
لگا دیا گیا - پہلے میاں داغ اُترے* اور اُتر کر ایک طرف کھڑے ھوگئے - ان کے بعد
مرزا فتح الملک اُترے ان کا نیچے قدم رکھنا تھا کہ سب سرو قد کھڑے ھوگئے -
چار چوبدار سبز کھڑکی دار پگڑیاں باندھے، نیچی نیچی سبز بانات کی چپکنیں پہنے،
سرخ شالی رومال کمر سے لپیٹے، ھاتھوں میں گنگا جمنی عصا اور مورچھل لئے
ھوادار کے پیچھے تھے - ادھر مرزا فخرو نے فرش پر قدم رکھا ادھر عصا بردار تو
ان کے سامنے آگئے اور مورچھل بردار پیچھے ھولئے - اس سلیقے سے یہ جلوس
آھستہ آھستہ شامیانے تک آیا - مرزا فخرو نے شامیانے کے قریب کھڑے ھوکر سب کا
سلام لیا - پھر چاروں طرف نظر ڈال کر کہا "اجازت ھے"- سب نے کہا "بسم اللہ،
بسم اللہ" - اجازت پا کر یہ شامیانے میں گئے اور سب کو سلام کرکے بیٹھ گئے -
دوسرے سب لوگ بیٹھنے کی اجازت کے انتظار میں کھڑے تھے - ان سب کی طرف
نظر ڈال کر کہا "تشریف رکھئے، تشریف رکھئے" - سب لوگ سلام کرکے اپنی اپنی
جگہ بیٹھ گئے - اُستاد ذوق نے داغ کو اپنے قریب ھي ایک جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا،
وہ وھاں جا بیٹھے - مورچھل بردار شامیانے کے پیچھے اور عصا بردار سامنے کی صف
کی پشت پر جا کھڑے ھوے - جب یہ سب انتظام ھو گیا تو نواب زین العابدین خاں
آگے بڑھے، شامیانے کے پاس جا کر تسلیمات بجا لائے اور دو زانو ھوکر وھیں بیٹھ گئے-
چپکے چپکے صاحب عالم سے کچھ باتیں کیں اور پھر اُٹھ کر اپنی جگہ جا بیٹھے-

---

* مرزا فخرو کے ساتھ نواب مرزا خاں داغ کے آنے کی یہ وجہ تھی کہ نواب شمس الدین خاں کے پھانسی پانے کے بعد ان کی بیوی یعنی داغ کی والدہ کا نکاح مرزا فخرو سے ھو گیا تھا اور اسی نسبت سے داغ قلعہ میں رھتے تھے - (نواب فتح الملک کا عرف مرزا فخرو تھا)—

اُن کے اُٹھ کر چلے جانے کے بعد نواب فتح الملک نے دونوں ہاتھ فاتحہ * کو اُٹھائے۔
ساتھ ہی اہل مجلس نے ہاتھ اُٹھائے - فاتحہ خیر کے بعد صاحب عالم نے فرمایا
"اے خوشنوایان چمن دہلی! میری کیا بساط ہے جو آپ جیسے اُستادان فن کے
ہوتے ہوئے میر مشاعرہ بننے کا خیال بھی دل میں لا سکوں - صرف حضرت پیر و مرشد
کے فرمان کی تعمیل میں حاضر خدمت ہو گیا ہوں، ورنہ کہاں میں اور کہاں ایسے
بڑے مشاعرے کی میر مجلسی - صاحبو! اس مشاعرے کی ایک خصوصیت تو آپ کو
معلوم ہے کہ اس کے لئے کوئی "طرح" نہیں دی گئی - اس کی دوسری خصوصیت آپ
یہ پائیں گے کہ بجائے ایک شمع کے دو شمعیں گردش کریں گی - جس طرح "طرح"
کے نکل جانے نے ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر و مباہات کا دروازہ بند کر دیا ہے،
اسی طرح دو شمعوں کی وجہ سے پڑھنے میں تقدیم و تاخیر سے جو خیالات طبیعتوں
کو مکدر کرتے تھے وہ بھی رفع ہو جائیں گے- مشاعرے کی ابتدا کرنے اور ختم کا
خیال بھی اکثر دلوں میں فرق ڈالتا ہے، لیکن اس مشاعرے میں، میں نے انتہا
کو ابتدا کر دیا ہے - چنانچہ حضرت ظل سبحانی کے کلام معجز نظام سے مشاعرے کی
ابتدا ہو گی اور اس کے بعد ہی میں اپنی غزل عرض کرکے ابتدا اور انتہا کے فرق کو
مٹا دونگا" - یہ کہکر مرزا فخرو نے ہاتھ کا اشارہ کیا - دونوں چوبدار جو سامنے
کھڑے تھے دونوں شمعیں اُٹھا کر ان کے سامنے لائے - انہوں نے بسم اللہ کہکر فانوس
اُتارے اور شمعیں جلا کر فانوس چڑھا دئے - چوبداروں نے شمعوں کو لیجا کر لگنوں
میں رکھدیا اور سیدھے کھڑے ہو کر مرزا فخرو کی طرف دیکھا - انہوں نے گردن سے
اشارہ کیا - اشارہ پاتے ہی دونوں چوبداروں نے بآواز بلند کہا "حضرات! مشاعرہ
شروع ہوتا ہے"—

اس آواز کا سننا تھا کہ ایک سناٹا سا ہو گیا - قلعے والوں نے بٹیریں تھیلیوں

---

* نواب فتح الملک بڑے کٹے مسلمان تھے، کوئی کام بغیر فاتحہ خیر کے شروع
نہ کرتے تھے اسی لئے سب قلعے والے ان کو "ملا" یا "ملّیٹا" کہا کرتے تھے—

میں بلند کر، تکیوں کے پیچھے رکھدیں - نوکروں نے جھٹ پٹ حقے سامنے سے ھٹا دئیے اور ان کی جگہ سب کے سامنے اوگالدان، خاصدان اور پُن دھنیے کی طشتریاں رکھہ اپنی اپنی جگہ جا کھڑے ھوے - اتنے میں بارگاہ جہاں پناھی کا خواصی بادشاہ سلامت کی غزل لئے ھوے قلعے سے آیا - اس کے ساتھہ کئی نقیب تھے وہ خود شمع کے قریب آکر تسلیمات بجا لایا اور غزل پڑھنے کی اجازت چاھی - مرزا فخرو نے گردن کے اشارے سے اجازت دی - وہ وھیں بیٹھہ گیا - نقیبوں نے آواز لگائی—

"حاضرین! حضرت ظل سبحانی، صاحبقران ثانی خلدا للہ ملکہ و سلطنتہ کا کلام معجز نظام پڑھا جاتا ھے - نہایت ادب کے ساتھہ گوش دل سے سماعت فرمائیے"—

تکمیل

حضور شاہ میں اھل سخن کی آزمایش ھے

چمن میں خوشنوایان چمن کی آزمایش ھے

نقیب کی آواز کے ساتھہ ھی سب اھل محفل دوزانو ھو سنبھل کر بیٹھہ گئے اور پاس ادب سے سب نے گردنیں جھکا لیں - خواصی نے بادشاہ سلامت کی غزل خریطے میں سے نکالی، بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور بلند آواز سے سورتھہ کے سروں میں پڑھنا شروع کیا - الفاظ کی نشست، زبان کی خوبی، مضمون کی آمد اور سب سے زیادہ پڑھنے والے کے گلے نے ایک سماں باندہ دیا - ایک کیفیت تھی کہ زمین سے آسمان تک چھائی ھوئی تھی، کسی کو تعریف کرنے کا بھی ھوش نہ تھا - اُستادان فن ھر شعر پر جھومتے تھے - کبھی کبھی کسی کے منہ سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کے الفاظ بہت نیچی آواز میں نکل گئے تو نکل گئے ورنہ ساری مجلس پر ایک عالم بے خودی طاری تھا - مقطع پر تو یہ حال ھوا جیسے کسی نے سب پر جادو کر دیا - ھر شخص وجد میں جھوم رھا تھا - باصرار تمام کئی کئی دفعہ مقطع پڑھوایا اور مضمون اور زبان کی چاشنی کا لطف اُٹھایا - لیجئے آپ بھی پڑھئیے اور زبان

کے مزے لیجئیے—

نہیں عشق میں اسکا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا ' کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہاے غضب
کہ یہ عہد نشاط ' یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا

لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

غزل پڑھ چکنے کے بعد خواص نے کاغذ مرزا فخرو کے ہاتھہ میں دیا - زر افشاں' کاغذ پر خود حضرت ظل‌الله کے قلم کی لکھی ہوئی غزل تھی - خط ایسا پاکیزہ تھا کہ آنکھوں میں کھبا جاتا تھا- مرزا فخرو نے کاغذ لے کر اِدھر اُدھر دیکھا - مملوک‌العلی نے سینے پر ہاتھہ رکھہ کر کہا " صاحب عالم ! ہمارا کیا منہ ہے جو ہم حضرت ظل سبحانی کی غزل کی جیسی چاہئیے ویسی تعریف کرسکیں ' البتہ ان نوازشات شاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو حضرت پیر و مرشد نے غزل بھیج کر شرکاے مشاعرہ پر مبذول فرمائی ہیں ' بارگاہ جہاں پناہی میں ہمارا نا چیز شکریہ پیش کرکے ہماری عزت افزائی فرمائی جاے " - مرزا فخرو نے خواص کی طرف دیکھا - اُس نے عرض کی " قبلہ عالم ! میں یہ پیام جاتے ہی پیش گاہ عالی میں پہنچا دوں گا"- خواص آداب کرکے جانے والا ہی تھا کہ مرزا فخرو نے روکا اور کہا " جانے سے پہلے صاحب عالم و عالمیان حضرت ولی عہد بہادر کی غزل بھی پڑھتے جاو ' چلتے چلتے مجھے عنایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ کسی خوش گلو شخص سے پڑھوانا - بھلا تم سے زیادہ موزوں

اور کون شخص مل سکتا ھے - " یہ کہہ کر جیب میں ھاتھہ ڈالا اور ایک کاغذ نکال کر خواصی کو دیا - اُس نے آداب کرکے کاغذ لیا اور وھیں بیٹھہ کر یہ غزل سنائی —

دل سے لطف و مہربانی اور ھے	مہربانی کی نشانی اور ھے
قصۂ فرھاد و مجنوں اور ھے	عشق کی میرے نشانی اور ھے
روکنے سے کب مرے رکتے ھیں اشک	بلکہ ھوتی خوں فشانی اور ھے
ھم سے اے دارا وہ کب ھوتے ھیں صاف	ان کے دل میں بد گمانی اور ھے

غزل تو بہت پھسپھسی تھی مگر ولی عہد بہادر کی غزل تھی ' بھلا کس کا جگرا تھا جو تعریف نہ کرتا - البتہ غالب اور مومن بالکل چپ بیٹھے رھے - بعض قلعے والوں کو برا بھی معلوم ھوا مگر ان دونوں کو خوب سمجھتے تھے کہ یہ سچی تعریف کرنے والے لوگ ھیں - ولی‌عہد تو ولی عہد اگر بادشاہ سلامت کی بھی کمزور غزل ھو تو گردن تک نہ ھلائیں-القصہ خواصی تو غزل پڑہ رخصت ھوا اور اب حاضرین جلسہ کے پڑھنے کی نوبت آئی —

مرزا فخرو نے چوبدار کو اشارہ کیا - اس نے دونوں شمعیں لا شامیانے کے سامنے رکھہ دیں - صاحب عالم نے اپنی غزل نکالی اور اِدھر اُدھر نظر ڈال کر اور گردن کو ذرا جھکا کر کہا " بھلا میری کیا مجال ھے کہ آپ جیسے کاملین فن کے مقابلے میں کچھہ پڑھنے کا دعوے کروں ' البتہ جو کچھہ برا بھلا کہا ھے وہ بہ نظر اصلاح عرض کرتا ھوں" —

۱ - غم وہ کیا ھے جو جاں گزا نہ ھوا	درد وہ کیا جو لا دوا نہ ھوا
۲ - حال کھل جائیں غیر کے سارے	پر کروں کیا کہ تو سرا نہ ھوا
۳ - دردکیا جسمیں کچھہ نہو تاثیر	بات کیا جس میں کچھہ مزا نہ ھوا
۴ - وہ تو ملتا ' پر' اے دل کم ظرف	تجھہ کو ملنے کا حوصلہ نہ ھوا
۵ - شکوۂ یار اور زبان رقیب	کھیل ٹھیرا کوئی گلہ نہ ھوا
۶ - تم رھو اور مجمع اغیار	میرا کیا ھے ' ھوا ' ھوا نہ ھوا

۷ - پھر تمہارے ستم اٹھانے کو رمز اچھا ہوا برا نہ ہوا

مرزا فخرو کی آواز تو اونچی نہ تھی، مگر پڑھنے میں ایسا درد تھا کہ سن کر دل بے قابو ہوجاتا تھا سارا مشاعرہ واہ واہ اور سبحان اللہ کے شور سے گونج رہا تھا۔ تیسرے شعر پر مرزا غالب نے اور پانچویں پر حکیم مومن خاں نے ایسے جوش سے واہ واہ کی کہ صف سے آگے نکل آے - مرزا فخرو اپنی غزل پڑھتے رہے مگر ان دونوں کو انھی دو شعروں کی رٹ لگی رہی - پڑھتے اور مزے میں آکر جھومتے۔ جب غزل ختم ہوئی تو مرزا نوشہ نے کہا " سبحان اللہ! صاحب عالم! سبحان اللہ - واہ کیا کہنا ہے، شعر یوں کہتے ہیں، مزا آگیا "- اُستاد ذوق بھی مسکراے کہ چلو اسی بہانے سے میری تعریف ہورہی ہے - مرزا فخرو نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا " یہ آپ اصحاب کی بزرگانہ شفقت ہے جو اس طرح ارشاد ہوتا ہے ورنہ من آنم کہ من دانم " - وہ جدھر نظر ڈالتے لوگ تعریفیں کرتے اور وہ جھک جھک کر سلام کرتے - جب محفل میں ذرا سکون ہوا تو مرزا فخرو نے چوبدار کو اشارہ کیا اس نے شامیانے کے سامنے سے ایک شمع اٹھا، سامنے کی صف میں میاں یل*

---

* اس غرور ہی نے آخر اُن کو نیچا دکھایا - ان کا روز روز اکھاڑے میں آکر خم تھونکنا لوگوں کوناگوار گزرا - شیخو والوں کے اُستاد حاجی علی جان نے ایک پٹھا تیار کیا، بدن میں تو کچھ ایسا زیادہ نہ تھا مگر داوپیچ میں طاق تھا اور پھرتی اس بلا کی تھی کہ کیا کہوں - ایک دن جو میاں یل نے حسب معمول شیخو والوں کے ہاں آکر خم تھونکے تو لونڈا کپڑے اتار پوترا بدل سامنے آگیا اور خم تھونک کر ہاتھ ملانا چاہا - میاں یل کو ہنسی آگئی کہ بھلا یہ پودنا میرا کیا مقابلہ کریگا - ہاتھ ملانے میں تامل کیا - اُستاد علی جان نے کہا " کیوں بھئی ہاتھ کیوں نہیں ملاتے ' یا تو ہاتھ ملاو یا پھر کبھی اس اکھاڑے میں آکر خم نہ تھونکنا " - کہنے لگے " استاد! جوڑ تو دیکھ لو ' خواہ مخواہ اس لونڈے کو پسوانے سے حاصل "- اُستاد نے کہا " میاں جوجیسی کریگا ویسی بھریگا، دنگل میں تم اسے کچل ڈالنا، یہی ہوگا نا کہ ہڈی پسلی تڑوا کر آیندہ کو کان ہوجائینگے "- بہرحال دونوں ہاتھ مل گئے - تاریخ مقرر ہوگئی اس مشاعرے کے دوچار ہی دن بعد شاہی دنگل میں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے آگے رکھدی - نام تو ان کا عبدالقادر تھا مگر شہر کا بچہ بچہ ان کو میاں یل کہتا تھا ان کو اپنی طاقت پر اتنا غرور تھا کہ کسی پہلوان کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، جس اکھاڑے میں جاتے وہاں خم ٹھونک آتے اور کسی کو جواب میں ان کے سامنے خم ٹھوکنے کی ہمت نہ ہوتی، پہلوانی کی نسبت سے تخلص 'یل' رکھا تھا - مضمون بھی رندانہ باندھتے تھے - پڑھتے اس طرح تھے کہ گویا میدان کارزار میں رجز پڑھ رہے ہیں - اس سے غرض نہ تھی کہ کوئی تعریف کرتا ہے یا نہیں کرتا، ان کو اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۵)

کشتی قرار پائی - عیدگاہ کے پاس ہی یہ دنگل ہے، دس پندرہ ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے مگر اس روز وہاں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی - جدھر نظر جاتی سر ہی سر دکھائی دیتے - میاں یل کی بیہودگیوں کی وجہ سے ساری دہلی اس لونڈے کی طرف تھی - پہلے چھوٹی موٹی کشتیاں ہوتی رہیں، ٹھیک چار بجے یہ دونوں جانگئے پہن، چادریں پھینک دنگل میں اُترے - اُترتے ہی دونوں نے "یا علی" کا نعرہ مارا - دوچار ڈھکیلیاں کھائیں، کچھ پیترہ کر مٹی سینے پر ڈالی اور خم ٹھونک آمنے سامنے آگئے - دونوں کے جسموں میں زمین آسمان کا فرق تھا - ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تھا - تمام دنگل میں سناٹا تھا۔ سوئی بھی گرے تو آواز سن لو - ہاں آواز تھی تو یا علی کی یا خم ٹھوکنے کی۔ میاں یل نے لونڈے کا ہاتھ پکڑ جھٹکا دیا۔ وہ آگے کوجھکا یہ کمر پر آگئے - وہ چٹ غوط مار ہاتھوں کو چھڑ نکل گیا - انہوں نے اس کا سیدھا ہاتھ پکڑ دھوبی پاٹ پر کسنا چاہا وہ توڑ کر کے الگ جا کھڑا ہوا - یہ گاوزوری کر کے اس کو دبا تو لیتے لیکن وہ اپنی پھرتی کی وجہ سے ذرا سی دیر میں صاف نکل جاتا - آخر ایک دفعہ یہ اس کو دبا ہی بیٹھے وہ چپکا پڑا رہا انہوں نے ہفتے کس لئے- تھوڑی دیر تک اس کو خوب رگڑا وہ سہے چلا گیا - انہوں نے پہلو میں اکسکر اس کا سینہ کھولنا چاہا، وہ بھی موقعہ تاک رہا تھا، یہ کھینچنے میں ذرا غافل ہوئے اس نے ٹانگ پر باندھ جو اُڑایا تو میاں چاروں خانے چت جا پڑے لونڈا اُچک سینے پر سوار ہوگیا۔ "وہ مارا - وہ مارا" کی آوازوں سے دنگل ہل گیا - لوگوں نے دوڑ لونڈے کو گود میں اُٹھا لیا - کسی نے یہ بھی پھر کہ کر نہ دیکھا کہ میاں یل کہاں پڑے ہیں - یہ بھی چپکے سے اُٹھ چادر اُوڑھ منہ لپیٹ ایسے غایب ہوے کہ پھر کسی نے اُن کی صورت نہ دیکھی - دنگل سے کیا گئے ہمیشہ کے لئے دہلی سے گئے - تھے بڑے غیرتمند وہ دن اور آج کا دن، پھر اُن کی صورت نظر نہ آئی ؛ خدا جانے کہاں مرکھپ گئے —

شعر پڑھنے سے کام تھا۔ غزل لکھی تھی :—

کہدو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے
ہرگز نہیں ہیں یار بھی کچھہ اس دبنگ سے

لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے
ساقی نے پشت دی مئے صافی کو بنگ سے

دل اب کے بے طرح سے پھنسا زلف یار میں
نکلے یہ کیونکہ دیکھئے قید فرنگ سے

آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا
یاری تو تم نے کی ہے 'یل' اس شوخ و شنگ سے

ان کی غزل ختم ہوتے ہی چوبدار نے دوسری شمع اُٹھا ' مرزا علی بیگ کے سامنے رکھدی - یہ بڑے گورے چٹے نو جوان آدمی ہیں – کسرت کا بھی شوق ہے - نازنین تخلص کرتے ہیں- دھلی میں بس یہی ایک ریختی گو ہیں- ادھر شمع رکھی گئی اُدھر نواب زین‌العابدین خان نے آواز دی " اوڑھنی لاؤ "-ایک نوکر فوراً تاروں بھرے گہرے سرخ رنگ کی اوڑھنی لیکر حاضر ہوا - نازنین نے لے بڑے ناز و انداز سے اس کو اوڑھا ایک پلوکا بکل مارا، دوسرا پلو سامنے پھیلا لیا اورخاصی بھلی چنگی عورت معلوم ہونے لگے - غزل ایسی لڑ لڑ کر اور اَڑ اَڑ کر پڑھی کہ سارا مشاعرہ عش عش کرنے لگا - نرت ایسا پیارا کرتے تھے کہ کوئی بیسوا بھی کیا کریگی - دوسرا شعر تو اس طرح پڑھا کہ گویا"باجی"کو جلانے کےلئے سب کچھہ کرنےکوتیار ہیں- قلعے والوں کو تو اس غزل میں بڑا مزا آیا مگر جو ریختے کے اوستاد تھے وہ خاموش بیٹھے سنتے رہے - غزل یہ تھی :—

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا
ہوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا

مجھے کہتی ہیں باجی تونے تاکا چھوٹے دیور کو
نہیں ترنے کی میں بھی'ھاں' نہیں تاکا تو اب تاکا

اگر اے نازنین تو دبلی پتلی کاملی سی ہے
چھریرا سا بدن نام خدا ہے تیرے دولہا کا

اب دونوں شمعیں اس طرح گردش کرنے لگیں کہ پہلے صف کے سیدھی جانب کا

ایک‌شخص غزل پڑھتا تھا اورپھراسی طرف‌کا۔ نیچے ایک نقشہ دیتا ہوں اس‌سےنشست

کی کیفیت پڑھنے والوں کا سلسلہ اور مشاعرے کا انتظام اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا —

[۱۴ — رجب سنہ ۱۲۶۱ھ کے مشاعرے میں شعراء کی نشست کا نقشہ]

نازنین کے پڑھنے کے بعد دائیں جانب کی شمع هٹ کر میاں عاشق کے سامنے آئی - یہ بچارے ایک مزدور پیشہ آدمی هیں، لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے، نہ کسی کے شاگرد هیں نہ کسی کے اُستاد - شعر خاصہ اچھا کہتے هیں - اس مشاعرے میں ایک شعر تو ایسا نکل گیا ہے کہ سبحان اللہ، لکھا ہے:—

فقط تو هی نہ میرا اے بت خونخوار دشمن ہے
ترے کوچے میں اپنا هر در و دیوار دشمن ہے

غزل میں باقی سارے اشعار تو صرف بھرتی کے تھے مگر اس شعر پر هر طرف سے بڑی دیر تک واہ واہ هوتی رهی - ان کے غزل ختم کرنے پر بائیں طرف کی شمع اُٹھا کر عبداللہ خاں 'اوج' کے سامنے رکھدی گئی - یہ بڑے پرانے ۴۰، ۴۵ برس کے مشاق شاعر هیں - مضمون کی تلاش میں هر وقت سرگرداں رهتے هیں لیکن ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایسے بلند مضامین اور نازک خیالات لاتے هیں کہ ایک شعر تو کیا ایک قطعے میں بھی ان کی سمائی مشکل ہے اور کوشش یہ کرتے هیں کہ ایک هی شعر میں مضمون کو کھپادیں، نتیجہ یہ هوتا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ هو جاتا ہے - بھلا دوسروں کو تو ان کے شعروں میں کیا مزا آئے اور کوئی کیا داد دے - هاں یہ خود هی پڑھتے هیں خود هی مزے لیتے هیں اور خود هی اپنی تعریف کر لیتےهیں - غزل اس زور شور سے پڑھتے هیں کہ زور میں آکر صف مجلس سے گزوں آگے نکل جاتے هیں - ان کے شاگرد تو دو چار هی هیں مگر اُستاد بھی ان کو اُستاد مانتے هیں - بھلا کس کا بل بوتہ ہے جو ان کو اُستاد نہ کہکر مفت کی لڑائی مول لے - اِدھر انہوں نے شعر پڑھایا اُدھر اُستاد ذوق یا مرزا غالب نے داد دی - داد دینے میں ذرا دیر هوئی اور ان کے تیور بدلے - ان کے غصے کی بھلا کون تاب لا سکتا ہے - چار و نا چار تعریف کرنی پڑتی، جب کہیں جا کر یہ ٹھنڈے پڑتے - غزل هوئی تھی:

دم کا جو دمدمہ یہ باندھے خیال اپنا ‏ ‏ ‏ ‏ بے پل‌صراط اُتریں، یہ ہے کمال اپنا
طفلی‌هی‌سےہےمجھکو وحشت سرا سےنفرت ‏ ‏ ‏ ‏ سم میں گڑا هوا ہے، آهو کے نال اپنا

کسب شہادت اپنا، ہے یاد کسکو قاتل سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
چیچک کے آبلوں کی میں باگ توڑتا ہوں (رکھہ کے) دیوی کے آستاں پر سیمیں ہلال اپنا

آخری شعر پر تو مرزا غالب اُچھل پڑے - کہنے لگے " واہ میاں اوج اس شعر کے دوسرے مصرعے نے تو غضب ڈھا دیا ہے - بھئی واللہ الفاظ " رکھہ کے" کیا خوب پھنسائے ہیں - یہ سب کافر ہیں جو تمھیں اُستاد کہتے ہیں - میاں تم تو شعر کے خدا ہو خدا " - غرض، سب اُستادوں نے تعریفوں کے پل باندہ دئے اور میاں اوج ہیں کہ پھول کر کُپا ہوے جاتے ہیں - جب ذرا سکون ہوا تو سیدھی طرف شمع کھسک کر محمد یوسف 'تمکین' کے سامنے آئی - اُن کی عمر کوئی ۱۵، ۱۶ سال کی ہوگی - مدرسۂ دھلی میں طالب علم ہیں - غضب کی ظریفانہ طبیعت پائی ہے - بات کرنے میں منہ سے پھول جھڑتے ہیں - نازک نازک نقشہ، سانولا رنگ، بھرے بھرے ہاتھہ پاؤں - جوان ہوں گے تو بڑے خوبصورت آدمی نکلیں گے - غزل کہی تھی :

دوزخ بھی جس سے مانگتا ہر دم پناہ تھا کس دل جلے کی بار خدایا یہ آہ تھی
خانہ خراب ہو جو ترا عشق بے حیا تھا آئین کون سا تھا یہ کیا رسم و راہ تھی
تونے جو دل کو میرے صنم‌خانہ کردیا رہتا خدا تھا جس میں یہ وہ بارگاہ تھی
تمکیں کو اک نگاہ میں دیوانہ کر دیا جادو فریب آہ یہ کس کی نگاہ تھی

میاں تمکین کا دل بڑھانے کو سب نے تعریف کی - قطعہ کو کئی کئی دفعہ پڑھوایا - اُستاد احسان نے کہا "میاں یوسف! کیا کہنا ہے، خوب کہتے ہو، کوشش کئے جاؤ: ایک نہ ایک دن اُستاد ہو جاؤ گے - مگر میاں کسی کے شاگرد ہو جاؤ، بے اُستادے رہے تو بھٹک نکلو گے"- میاں تمکین نے مسکرا کر کہا " اُستاد! میں کہیں آپ کے حکم سے باہر ہو سکتا ہوں، کل ہی انشاءاللہ اُستاد اوج کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں"- اُستاد ذوق نے کہا " ہاں، بھئی ہاں، خوب انتخاب کیا - بس یہ سمجھو کہ چند ہی دن میں بیڑا پار ہے"- یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوسری شمع غلام احمد 'تصویر' کے سامنے پہنچ گئی - ان کو میاں ببن بھی

کہتے ہیں - الف کے نام بے نہیں جانتے، مگر طبیعت غضب کی پائی ہے - پہلے میاں تنویر کے شاگرد تھے، بعد میں اُن سے ٹوٹ کر اُستاد ذوق سے آ ملے - بھاری بدن، منڈی ہوئی ڈاڑھی، چھوٹی چھوٹی موچھیں، گہرا سانولا رنگ، جسم پر سوسی کا تنگ مہری کا پائجامہ، اوپر سوسی ہی کا کرتہ، کندھے پر لٹھے کا رومال، سر پر سوزنی کے کام کی گول ٹوپی - بیچارے نیچہ بندی پر گزر اوقات کرتے ہیں - بڑے پرگو شاعر ہیں، لکھنا پڑھنا تو جانتے ہی نہیں اس لئے جو کچھ کہتے دل و دماغ ہی میں ٹھونستے جاتے ہیں - یاد اس بلا کی ہے کہ ذرا چھیڑ دو تو ارگن کی طرح بجنے لگتے ہیں اور ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیتے - کلام ایسا پاکیزہ ہے کہ بڑے بڑے اُستادوں کے سر ہل جاتے ہیں - ان کو سنو تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ایک اُمی پڑھ رہا ہے - بس یہ سمجھ لو کہ "الشعراء تلامیذالرحمن" کی بہترین مثال ہیں - غزل کہی تھی :—

ہجر کی شب تو سحر ہو یارب وہ نہ آیا تو قیامت ہی سہی

جان بے کار تو اپنی نہ گئی اے ستمگر تری شہرت ہی سہی

مجھ سے اتنا بھی نہ کھنچئے صاحب آپ پر میری طبیعت ہی سہی

جذبۂ دل نہیں لایا تم کو آپ کی خیر عنایت ہی سہی

ہر شعر پر واہ، واہ اور سبحان اللہ کے شور سے محفل گونج جاتی تھی - غزل تمام ہوئی تو اُستاد ذوق نے حکیم مومن خاں کی طرف دیکھکر کہا "خاں صاحب یہ میاں ببن بھی غضب کی طبیعت لیکر آئے ہیں - کہنے کو تو میرے شاگرد ہیں مگر اب تک ان کے کسی شعر میں اصلاح دینے کی مجھے تو ضرورت نہیں ہوئی - کل ایک غزل سنائی تھی، میں تو پھڑک گیا - ایک شعر تو ایسا بے ساختہ نکل گیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - ہاں میاں ببن وہ کیا شعر تھا" - میاں ببن نے ذرا دماغ پر زور ڈالا اور شعر دماغ سے پھسل زبان پر آگیا - مطلع تھا:—

برچھی تری نگاہ کی پہلو میں آ لگی
پہلو سے دل میں، دل سے کلیجہ میں جا لگی

اور شعر یہ تھا —

دامن پہ وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی   لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آ لگی

حکیم صاحب نے بہت تعریف کی اور کہا " میاں ببن! یہ خدا کی دین ہے، یہ بات پڑھنے پڑھانے سے پیدا نہیں ہوتی - میاں خوش رہو، اس وقت دل خوش کردیا " —

ان کے بعد شمع محمد جعفر تابش کے سامنے آئی - یہ الہ‌آباد کے رہنے والے ہیں، بہت دنوں سے دلی میں آرہے ہیں - بچارے گوشہ نشین آدمی ہیں - شاعری سے دلی لگاو ہے، کوئی مشاعرہ نہیں ہوتا جہاں نہ پہنچتے ہوں - غزل میں دو شعر بہت اچھے تھے وہی لکھتا ہوں —

کبھی بن بادہ رہ نہیں سکتے   تو یہ کچھ ہم کو ساز گار نہیں
دل میں خوش ہیں عدو، پر اے تابش   وہ ستمگر کسی کا یار نہیں

مقطع کی کچھ ایسی پیاری بندش پڑی ہے کہ سب کے منہ سے بے ساختہ واہ واہ نکلی - مفتی صدرالدین صاحب کی تو یہ حالت تھی کہ پڑھتے تھے اور جھومتے تھے —

تابش کے بعد الٹی جانب کی شمع میاں قلق کے آگے گئی - خدا ان سے محفوظ رکھے بڑے چالاک آدمی ہیں - عبدالعلی نام ہے، مدراس کے رہنے والے ہیں، کوئی ۳۰ برس کی عمر ہے - بچپن ہی میں گھر سے نکل کھڑے ہوے، حیدرآباد ہوتے ہوے دھلی آے - ہزاروں کو تعویذوں کے جال میں پھنسا کر پترّا کردیا - ان کی شکل سے لوگ گھبراتے ہیں - شاہ صاحب بنے پھرتے ہیں مگر دل کا خدا مالک ہے - شعر خاصہ کہتے ہیں - لکھا تھا —

خم شراب سے خم گردوں تو بن گیا
ساقی بنا دے ماہ پیالا اوچھال کے

هم مشربوں میں چل کے قلق میکشی کرو
جھگڑے وهاں نہیں هیں حرام و حلال کے

یہ پڑھ چکے تو شمع* ملشی محمود جان اوج کے سامنے گئی - ان کی غزل میں دو هی شعر ایسے تھے جن کی تھوڑی بہت تعریف هوئی، باقی تو سب بھرتی کے تھے —

آنے میں اس جان جاں کے دیر هے　　کچھہ مقدر کا همارے پھیر هے
هے یقیں وہ جان جاں آتا نہیں　　موت کے آنے میں پھر کیوں دیر هے

اُن کے بعد مرزا کامل بیگ کی باری آئی - یہ سپاهی پیشہ آدمی هیں، کامل تخلص کرتے هیں - مشاعرے میں بھی اوپچی بن کر آے هیں - غزل اس طرح پڑھی گویا فوج کی کمان کر رهے هیں - دیکھہ لو مضمون میں بھی وهی سپاهیانہ رنگ کی جھلک هے ان کی غزل میں قطعہ بڑے مزے کا تھا وهی لکھتا هوں —

" مژگاں سے گر بچے دل، ابرو کرے هے ٹکڑے "
یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاهی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت هوے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاهی

اب حکیم سید محمد تعشق کے پڑھنے کا نمبر آیا - یہ بڑے پایہ کے ادیب هیں، ۶۳ - ۶۴ برس کی عمر هے - حکمت میں اپنا جواب نہیں رکھتے - غرض کیا کہوں ایک جامع کمالات شخص هیں مگر اپنے آپ کو بہت دور کھینچتے هیں - اچھا شعر سنتے هیں تو بیتاب هوجاتے هیں، چاهتے هیں کہ جس طرح میں تعریف کرتا هوں، اسی طرح دوسرے بھی میرے شعر کی تعریف کریں - شعر برا نہیں کہتے مگر ایسا بھی نہیں هوتا کہ مشاعرہ چھک اُٹھے اور هر شخص کے منہ سے بیساختہ واہ واہ نکل جاے - اب

---

* آیندہ یہ ظاهر کرنیکی ضرورت نہیں کہ سیدھی طرف کی شمع بڑھی یا اُلٹی جانب سے، بس یہ سمجھہ لیجئیےکہ پہلے دائیں طرف کا ایک شاعر پڑھتا تھا اور پھر بائیں طرف کا —

خود هی ان کا کلام دیکھہ لیجئے —

تجھہ کو اس میری آہ و زاری پر رحم اے فتنہ گر نہیں آتا

وعدہ شام تو کیا لیکن کچھہ وہ آتا نظر نہیں آتا

تیرے بیمار کا ہے یہ عالم ہوش دو دو پہر نہیں آتا

تعریف تو ہوئی مگر کچھہ ان کے دل کو نہ لگی اس لئے ذرا آزردہ سے ہوگئے —

ان کے بعد شمع میر حسین تجلی کے سامنے آئی - یہ میر تقی میر کے پوتے ہیں - بڑے ظریف اور نکتہ سنج آدمی ہیں - کلام میں وہی میر صاحب کا رنگ جھلکتا ہے - زبان پر جان دیتے ہیں - غزل تو چھوٹی سی ہوتی ہے مگر جو کچھہ کہتے ہیں اچھا کہتے ہیں - کیوں نہ ہو ، آخر کس کے پوتے ہیں —

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم

یہ سر ، یہ تیغ ہے ، لے اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلی نے

کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

دوسرے شعر پر وہ وہ تعریف ہوئی کہ میاں تجلی کی باچھیں کھل گئیں —

میاں تجلی پڑھ چکے تو حکیم سکھا نند رقم کی باری آئی - ان کو میں حکیم مومن خاں صاحب کے مکان پر دیکھہ چکا تھا - کلام تو ایسا اچھا نہیں ہوتا مگر پڑھتے خوب ہیں - جہاں کسی نے ذرا بھی تعریف کی اور انہوں نے سلام کا تار باندھ دیا - غزل لکھی تھی —

پہچانا آتش دل کا بھی کچھہ حقیقت ہے ذرا سا کام تجھے چشم‌تر نہیں آتا

عدم سے کوچۂ قاتل کی راہ ملحق ہے گیا ادھر جو گزر پھر اُدھر نہیں آتا

ہو خاک چارہ گری اس مریض کی تیرے نظر میں تجھہ سا کوئی چارہ گر نہیں آتا

تیسرا شعر حکیم مومن خاں صاحب کے رنگ کا تھا ، اس کی اُنہوں نے بہت تعریف کی - مگر اس کے ساتھہ یہ بھی کہا" میاں رقم ! یاتوتم حکمت ہی کرو یا شعر

ھی کہو ' ان دونوں چیزوں کا ملاکر چلانا ذرا مشکل کام ھے '' —

شمع کا شیخ نیاز احمد جوش کے سامنے جانا تھا کہ شاگردان ذوق ذرا سنبھل بیٹھے - جوش کو اُستاد ذوق بہت عزیز رکھتے ھیں - ان کی عمر تو ۱۸ - ۱۹ سال کی ھے مگر بلا کے طباع اور ذھین ھیں - ان کی سخن گوئی اور سخن فہمی کی قلعے بھر میں دھوم ھے ' مگر مشاعرے میں اُنھوں نے جو غزل پڑھی وہ تو مجھے کچھہ پسند نہ آئی - ھاں قلعے والوں نے واہ واہ کے شور سے مکان سر پر اُٹھا لیا ' استاد ذوق نے بھی سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ کہہ کر شاگرد کا دل بڑھایا - غزل دیکھہ لیجئے ممکن ھے کہ میں نے ھی غلط اندازہ لگایا ھو —

کیونکر وہ ھاتھہ آئے کہ یاں زور و زر نہیں
لے دے کے ھے اک آہ سو اس میں اثر نہیں

قسمت سے درد بھی تو ھوا وہ ھمیں نصیب
جس درد کا کہ چارہ نہیں ' چارہ گر نہیں

قسمت ھی میں نہیں ھے شہادت وگر نہ یاں
وہ زخم کونسا ھے کہ جو کار گر نہیں

سجدے میں کیوں پڑا ھے ارے اُٹھہ شراب پی
اے جوش مے کدہ ھے خدا کا یہ گھر نہیں

آپ نے غزل ملاحظہ کرلی - میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ کوئی شعر بھی ایسا نہیں جو تعریف کے قابل ھو ' اب زبر دستی کی تعریفیں کرنا دوسری بات ھے —

اُن کے بعد مولوی امام بخش صہبائی کے بڑے فرزند محمد عبدالعزیز کا نمبر آیا - یہ عزیز تخلص کرتے ھیں - غزل خوب کہتے ھیں - کیوں نہو بڑے باپ کے بیٹے ھیں - ھائے! کیا کیا شعر نکالے ھیں ' لکھتے ھیں :—

جوں شمع شغل تیرے سراپا نیاز کا — جلنا جو سوز کا ھے تو رونا گداز کا
کج فہمیوں سے خلق کي دیکھا کہ کیا ھوا — منصور کو حریف نہ ھونا تھا راز کا

هم عاصیوں کا بار گُنہ سے جھکا ہے سر   اور خلق کو گمان ہے ہم پر نماز کا
مغرور تھا ہی اور وہ مغرور ہوگیا   اس میں گلہ نہیں مجھے آئینہ ساز کا
اوروں کے ساتھہ لطف سے تھا صورت نیاز   یاں بڑھگیا دماغ تغافل سے ناز کا

ذرا سچ کہئے گا ' ساری کی ساری غزل مرصع ہے یا نہیں - ہاں اس غزل کی جو کچھہ تعریف ہوئی وہ بجا ہوئی - اُستاد ذوق نے بڑی کہا " بھئی صہبائی تمہارا یہ لڑکا غضب کا نکلا ہے ' خدا اس کی عمر میں برکت دے ' ایک دن بڑا نام پیدا کریگا - واہ میاں صاحبزادے واہ! کیا کہنا ہے! دل خوش ہوگیا- کیوں نہو ایسوں کے ایسوں کے ایسے ہی ہوتے ہیں "- میاں عزیزنے اُٹھہ کر سلام کیا اور بیٹھہ گئے —

میاں عزیز کے بعد شمع خواجہ معین‌الدین یکتا کے سامنے آئی - ان کا کیا کہنا' سرکار سے خطاب خالق پایا ہے - کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے-کبھی کسی کے شاگرد ہوتے ہیں کبھی کسی کے- پہلے احسان سے تلمذ تھا- آج کل مرزا غالب کی طرف ڈھلک گئے ہیں -ایسے متلون مزاجوں کو نہ کبھی کچھہ کہنا آیا ہے نہ آئیگا-میرا بڑا دل خوش ہوا کہ کسی نے تعریف نہیں کی - بڑے جلے ہونگے - بھلا ایسے شعروں کی کوئی خاک تعریف کرتا —

اے آہ شعلہ زا یہ خس‌وخار بھی نہیں   نوآسمان ہیں 'دو بھی نہیں چار بھی نہیں
ہےکس کو بات شکوۂ دشمن‌کہ ضعف سے   لب پر ہمارے تذکرۂ یار بھی نہیں
جینا فراق یار میں وعدے کی لاگ پر   آسان گر نہیں ہے تو دشوار بھی نہیں

ہاں اب جس کے سامنے شمع آئی ہے وہ شاعر ہے - یہ کون ہیں - مرزا حاجی بیگ شہرت -گورا رنگ'میانہ قد-'کوئی ۳۰ ' ۳۲ برس کی عمر-بڑے بلے سنورے رہتے ہیں - پہلے انھی کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا ' اب تھوڑے دنوں سے بند ہے - مفتی صدرالدین صاحب کے شاگرد رشید ہیں - کہتے بھی خوب ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں- بڑی پاٹ دار آواز ہے' پڑھنے کا ڈھنگ ایسا ہے کہ ایک ایک لفظ دل میں اُترتا جاتا ہے - ہر شعر پر تعریفیں ہوتیں اور کیوں نہ ہوتیں ' ہر شعر تعریف کے قابل

تھا- غزل یہ ھے :—

ایک دن دو دن ، کہاںتک ، تو بھی کچھہ انصاف کر
یہ تو جلنا روز کا اے سوز ھجراں ھوگیا

ھے ترقی جوھر قابل ھی کے شایاں کہ میں
خاک کا پتلا بنا ، پتلے سے انسان ھوگیا

کفر دیں میں تھا نہ کچھہ عقدہ بجز بند نقاب
اس کے کھلتے ھی یہ کار مشکل آسان ھوگیا

پہلے دعوائے خدائی اس بت کافر کو تھا
کچھہ درستی پر جو آج آیا تو انسان ھوگیا

آخری شعر پر تو مرزا غالب کی یہ حالت تھی کہ گویا بالکل مست ھوگئے ھیں ، رانوں پر ھاتھہ مارتے اور کہتے " واہ میاں شہرت واہ! کمال کردیا ، شعر کیا ھے اعجاز ھے - یہ ایک شعر بڑے بڑے دیوانوں پر بھاری ھے - ھاں کیا کہا ھے ، سبحان‌الله ! پہلے دعوائے خدائی اس بت کافر کو تھا - کچھہ درستی پر جو آج آیا تو انسان ھوگیا " - غرض اس شعر نے ایک عجیب کیفیت محفل میں پیدا کردی تھی - لوگ خود پڑھتے ، ایک دوسرے کو سناتے ، مزے لے لے کر جھومتے اور جوش میں واہ واہ اور سبحان‌الله کے نعرے مارتے - بڑی دیر میں جاکر محفل میں ذرا سکون ھوا تو شمع نوازش حسین خان تنویر کے سامنے گئی - یہ نو جوان‌آدمی ھیں ، کوئی ۳۲ ، ۳۳ برس کےھونگے . بادشاہ سلامت اُن کو بہت عزیز رکھتے ھیں' میاں شہرت کے شعر نے وہ جوش پیدا کردیا تھا کہ ان کی غزل کسی‌نےبھی غورسےنہیں سنی -غزل بھی معمولی تھی ، صرف یہ قطعہ خاصہ تھا —

جان کر دل میں مجھے اپنا مریض تپ غم — کہتا لوگوں سے بظاھر بت عیار ھے کیا
رنگ‌رخ زردھے' ترچشم‌ھے'لب پردم سرد — پوچھنا اس‌سے کہ‌اس شخص کوآزار ھےکیا

یہ پڑھ چکے تو شمع میر بہادر علی حزیں کے سامنے رکھی گئی - یہ بڑے

سنجیدہ، متین اور وضع دار آدمی ہیں، عارف کے شاگرد ہیں۔ اُن کا ایک شعر بڑے مزے کا ہے —

سبو سے منہ لگائیں گے اب اتنا صبر ہے کس کو
کہ بھرتے خم سے مے شیشے میں اور شیشے سے ساغر میں

جو غزل انھوں نے اس روز مشاعرے میں پڑھی تھی، اس کے یہ دو تین شعر اچھے تھے —

دنیا کی وسعتیں ترے گوشے میں آگئیں
اللہ رے وسعتیں تری اے تنگنائے دل

جل جل کے آخرش تپش غم کے ہاتھ سے
اک داغ رہ گیا مرے پہلو میں جائے دل

دیکھا وہ اپنی آنکھ سے جو کچھ سنا نہ تھا
اور دیکھئے حزیں ابھی کیا کیا دکھائے دل

مقطع کو سب نے پسند کیا اور واقعی ہے بھی اچھا —

ان کے بعد شمع ایسے شخص کے سامنے آئی جو خود شاعر، جس کا باپ شاعر، جس کا بھائی شاعر، جس کا سارا خاندان شاعر۔ وہ کون؟۔ میاں باقر علی جعفری، فخرالشعراء نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی، ملک الشعراء قمرالدین منت کے چھوٹے بیٹے۔ ان کی غزل میں زور نہ ہوگا تو اور کس کی غزل میں ہوگا۔ دو شعر لکھے ہیں —

تیغ یوں دل میں خیال نگہ یار نہ کھینچ
نا خدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ

بے سر و پا چمن و دشت میں عالم کے نہ پھر
ناز ہر گل نہ اُٹھا منت ہر خار نہ کھینچ

غزل کی جیسی چاهئے ویسی تعریف نہیں ہوئی - وجہ یہ ہے کہ یہ رنگ اب دهلی سے اُٹھتا جاتا ہے - اب تو روز مرہ پر لوگ جان دیتے ہیں، اس میں اگر مضمون پیدا ہو گیا تو سبحان اللہ - مرزا غالب اس رنگ کے بڑے دلدادہ تھے، وہ بھی اس کو اب چھوڑتے جارہے ہیں —

اس کے بعد منشی محمد علی تشنہ کے پڑھنے کی باری تھی - چوبدار ان کے سامنے شمع رکھنے میں ذرا ہچکچایا - یہ ننگ دھڑنگ مزے میں دوزانو بیٹھے جھوم رہے تھے - چوبدار نے مرزا فخرو کی طرف دیکھا - انہوں نے آنکھ سے اشارہ کیا کہ رکھ دے - اس نے شمع رکھ دی - جب شمع کی روشنی آنکھوں پر پڑی تو میاں تشنہ نے بھی آنکھیں کھولیں - کچھ سمجھ کر پھونک مار شمع گل کردی اور کہا میں بھی کچھ عرض کروں - سب نے کہا "ضرور فرمائیے"- انہوں نے نہایت آزادانہ لہجے میں کچھ گاتے ہوئے، کچھ پڑھتے ہوئے یہ غزل سنائی —

آنکھ پڑتی ہے کہیں، پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر، اپنی خبر کچھ بھی نہیں

شمع ہے، گل بھی ہے، بلبل بھی ہے، پروانہ بھی
رات کی رات یہ سب کچھ ہے، سحر کچھ بھی نہیں

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

نیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش
سیر کرتا ہوں اُدھر کی کہ جدھر کچھ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نہ کرے اے تشنہ
فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

میں کیا بتاؤں کہ اس غزل کا کیا اثر ہوا - ایک سناٹا تھا کہ زمین سے آسمان

تک چھایا ہوا تھا - غزل کا مضمون، آدھی رات کی کیفیت، پڑھنے والے کی حالت، غرض یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری محفل کو سانپ سونگھ گیا ہے - اِدھر یہ عالم طاری تھا، اُدھر میاں تشنہ ہاتھ جھٹکتے ہوے اور " کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں" کہتے ہوے اُٹھے اور اسی عالم بے خودی میں دروازے سے باہر نکل گئے - ان کی " کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں" کی آواز بڑی دیر تک کانوں میں گونجتی رہی - جب ذرا طبیعتیں سنبھلیں تو سب کے منہ سے بے اختیار یہی نکلا کہ " واقعی کچھ بھی نہیں" —

مرزا فخرو نے شمع منگا کر روشن کی اور کہا " ہاں صاحب پھر شروع کیجئیے"- شمع حافظ محمد حسین بسمل کے سامنے رکھی گئی - بھلا تشنہ کے بعد ان کا کیا رنگ جمتا - اول تو یہ نومشق ہیں، مرزا قادر بخش صابر سے اصلاح لیتے ہیں؛ دوسری غزل میں بھی کوئی خاص بات نہ تھی؛ البتہ مقطع اچھا تھا - غزل ملاحظہ ہو —

دل تونے ہم سے او بت کافر اُٹھا لیا
اس نازکی پہ بوجھ، یہ کیونکر اُٹھا لیا

بار گران عشق فلک سے نہ اُٹھ سکا
کیا جانے میرے دل نے یہ کیونکر اُٹھا لیا

پیر مغاں نے بسمل میکش کو دیکھکر
شیشہ بغل میں ہاتھ میں ساغر اُٹھا لیا

بہر حال کسی نے سنا کسی نے نہیں سنا، کچھ تھوڑی بہت تعریف بھی ہوئی اور شمع میر حسین تسکین کے پاس پہنچ گئی - ان کی کوئی ۴۰ برس کی عمر ہوگی - صہبائی کے شاگرد ہیں، مومن سے بھی اصلاح لی ہے - ان کا خاندان دھلی میں بہت مشہور ہے؛ انھی کے دادا میر حیدر نے میر حسین علی وزیر فرخ سیر

کو مارا تھا - سپاھی پیشہ آدمی ھیں؛ شعر بھی برا نہیں کہتے - لکھا تھا —

۱ - ھزار طرح سے کرنی پڑی تسلیءِ دل
کسی کے جانے سے گو خود نہیں قرار مجھے

۲ - شب وصال میں سننا پڑا فسانۂ غیر
سمجھتے کاش وہ اپنا نہ رازدار مجھے

۳ - وہ اپنے وعدے پہ محشر میں جلوا فرما ھیں
نہیں ھے ضعف سے انبوہ میں گزار مجھے

۴ - میرے قصور سے دیدار میں ھوئی تاخیر
نہ دیکھنا تھا تماشائے روزگار مجھے

۵ - مزے یہ دیکھے ھیں آغاز عشق میں تسکین
کہ سوجھتا نہیں اپنا مآل کار مجھے

غرض اسی غزل نے مشاعرے کا رنگ پھر درست کردیا اور لوگ ذرا سنبھل کر ھو بیٹھے اُستاد احسان کے شاگرد خواجہ غلام حسین بیدل کے سامنے شمع آئی ' انہوں نے یہ غزل پڑھی —

نگہ کی ' چشم کی ' زلف دوتا کی سہے اک دل جفا کس کس بلا کی
کب اُس گل کی گلی تک جا سکے ھے ھوا باندھی ھے یاروں نے ھوا کی
بتوں سے ملتے ھو راتوں کو بیدل تمھیں بھی دن لگے ' قدرت خدا کی

ساری کی ساری غزل پھسپھسی تھی ' بھلا اس کی کون تعریف کرتا - ھاں اس کے بعد جو غزل محمد حسین صاحب تائب نے پڑھی اس میں مزا آگیا - میاں تائب مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کے بھتیجے ھیں اور فخرالشعرا نظام‌الدین ممنون کے شاگرد - چھوٹی بحر میں ایسی غزل لکھتے ھیں کہ سبحان‌اللہ اور پڑھنا تو ایسا ھے کہ تعریف نہیں ھوسکتی - غزل تھی —

پھر کوئی ماہ لقا یاد آیا پھر کتاں وار جگر چاک ھوا

کہئے اس بت کو مشابہ کس کے　　دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا

عہد پیری میں جوانی کی امنگ　　آہ کس وقت میں کیا یاد آیا

دوسرے اور تیسرے شعر پر تو یہ حال تھا کہ لوگ تعریفیں کرتے کرتے اور میاں تائب سلام کرتے کرتے تھکے جاتے تھے - جب ذرا جوش کم ہوا تو شمع استاد ذوق کے استاد غلام رسول شوق کے سامنے آئی - بیچارے بڈھے آدمی ہیں ، شاہ نصیر کے شاگرد ہیں، مسجد عزیزآبادی میں امامت کرتے ہیں - شروع شروع میں استاد ذوق نے ان کو اپنا کلام دکھایا تھا ، اسی برتے پر یہ اپنے آپ کو ان کا استاد کہا کرتے ہیں اور اب یہی چاہتے ہیں کہ ذوق اسی طرح آکر مجھ سے اصلاح لیا کریں - مجھے تو کچھ سٹھیائے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں - غزل جو پڑھی تو واقعی اس کا مطلع بڑے زور کا تھا - باقی اللہ اللہ خیرسلا —

لکھا ہوا ہے یہ اس مہ جبیں کے پردے میں

نہیں ہے کوئی اب ایسا زمیں کے پردے میں

استاد ذوق کے چھیڑنے کو غالب ، مومن ، آزردہ ، صہبائی غرض جتنے استادان فن تھے سب نے میاں شوق کی بڑی واہ واہ کی - وہ سمجھے کہ میرے کلام کی تعریف ہورہی ہے یہ نہ سمجھے کہ بنا رہے ہیں - ذرا کسی نے واہ واہ کی اور انہوں نے استاد ذوق کی طرف دیکھ کر کہا " دیکھا شعر یوں کہتے ہیں " - وہ بیچارے ہنس کر خاموش ہوجاتے ، اُن کے ایک آدہ شاگرد نے جواب دینا بھی چاہا مگر انہوں نے روک دیا —

خدا خدا کرکے ان سے فراغت ہوئی تو شمع آزاد کے سامنے آئی - ان کا نام الکزنڈرھیڈلے ہے - قوم کے فرانسیسی ہیں - دھلی میں پیدا ہوئے ، یہیں تربیت پائی اور یہیں سے توپ خانے کے کپتان ہوکر الور گئے - کوئی ۲۱ سال کی عمر ہے - ڈاکٹری بھی جانتے ہیں ، شعر و سخن کا بہت شوق ہے - عارف کے شاگرد ہیں - جہاں مشاعرے کی خبر سنی اور دھلی میں آ موجود ہوئے - لباس تو وہی فوجی

ھے ، مگر بات چیت اُردو میں کرتے ھیں - ایسی صاف اُردو بولتے ھیں جیسے کوئی دھلی والا بول رھا ھے - شعر بھی کچھہ برے نہیں ھوتے - ایک فرانسیسی کا اُردو میں ایسے شعر کہنا واقعی کمال ھے - غزل ملاحظہ ھو —

وہ گرم رو راہ معاصی ھوں جہاں میں
گرمی سے رھا نام نہ دامن میں تری کا
کچھہ پاوں میں طاقت ھوتوکر دشت‌نوردی
ھاتھوں سے مزہ دیکھہ ذرا جیب دری کا
چہلم کو عیادت کے لئے وہ مرے آے
آزاد ٹھکانا بھی ھے اس بے خبری کا

آزاد کے بعد شمع دوسری طرف میر شجاعت علي تسلی کے پاس آئی - بچارے غریب صورت، فرسودہ لباس، کوئی ۶۴ - ۶۵ برس کے آدمی ھیں - شاہ نصیر کے بڑے چاھتے شاگردوں میں تھے - اپنے زمانے کے جرأت سمجھے جاتے تھے - اب بہت دنوں سے دنیا سے کنارہ کشی کرکے قدم شریف میں جارھے ھیں - مشاعرے کی کشش کبھی کبھی ان کو دھلی کھینچ لاتی ھے - پڑھنے کا انداز بھی نرالا ھے، اس طرح پڑھتے ھیں جیسے کوئی باتیں کرتا ھو - غزل دیکھہ لیجئے یہ معلوم ھوتا ھے کہ عاشق و معشوق میں سوال جواب ھورھے ھیں —

کیسی ٹھوکر جڑی ھے حضرت دل پاوں پر اس کے سر دھرو تو سہی
جب کہا میں نے تم پہ مرتا ھوں ق تم گلے سے مرے لگو تو سہی
بولے وہ کیا مزے کی باتیں ھیں خیر ھے کچھہ ، پرے ھٹو تو سہی
غیر کے کل وہ لگ کے چھاتی سے ق مجھہ سے کہنے لگے ، سنو تو سہی
اس لئے اس کے ھم گلے سے لگے کہ ذرا جی میں تم جلو تو سہی

اس غزل کی جیسی تعریف ھونی چاھئے تھی ویسی نہیں ھوئی ، کیوں کہ اب وہ وقت آگیا تھا کہ نیند کے خمار سے سر میں چکر آنے لگے تھے اور برے بھلے کی تمیز

دشوار ہوگئی تھی - اس کے بعد جو وہ دو غزلیں ہوئیں وہ بس ہوگئیں ' نہ کسی نے شوق سے سنااورنہ مزہ آیا —

میاں تسلی کے بعد شور نے غزل پڑھی - یہ کونل کے رہنے والے ہیں - قوم کے عیسائی ہیں اور نام حارج پیس ہے - یہ معلوم نہیں کہ کس کے شاگرد ہیں: ہاں اکثر دہلی آتے جاتے رہتے ہیں جو کچھہ کہ لیتے ہیں ' بہت غنیمت ہے - غزل

عاجز تھا اپنی جان سے ایسا ترا مریض　　دیکھے سے جسکے حالت عیسیٰ تباہ تھی

بل بے یہ بیخودی کہ خودی سے بھلا دیا　　ورنہ یہ زیست مرگ کی اپنے گواہ تھی

دیر و حرم میں تو نہ دے ترجیح زاہدا　　جس طرف سر جھکا وہی بس سجدہ گاہ تھی

ان کے بعد محمد عسکری نالاں کی باری آئی - بھلا اس نوے برس کے بڈھے کی آواز نیند کے خمار میں کسی کو کیا سنائی دیتی - مصحفی کے سب سے پہلے شاگرد ہیں - اب تو ان کو بس تبرک سمجھہ لو - شعر بھی وہی باوا آدم کے وقت کے کہتے ہیں —

سحر کے ہونے کا دل کو خیال رہتا ہے　　شب وصال بھی دل کو ملال رہتا ہے

وہ بدگماں ہوں کہ اس بت کے سایہ پر بھی مجھے　　رقیب ہی کا سدا احتمال رہتا ہے

میاں نالاں نے پڑھنا ختم ہی کیا تھا کہ شمع میر صاحب کے سامنے پہنچ گئی ' شمع کا رکھنا تھا کہ ہر شخص سنبھل کر بیٹھہ گیا - بعض نے انگلیوں سے آنکھیں مل ڈالیں ' بعض نے کرتے کے دامن سے رگڑیں ' بعض اُٹھہ اور پانی کا چھپکا منہہ پر مار آبیٹھے - کیسی نیند اور کہاں کا سونا ' میر صاحب کے نام نے سب کوچاق چو بند کردیا - مرزا فخرو اب تک ایک پہلو پر بیٹھے تھے ' اُنھوں نے بھی پہلو بدلا - اُستادان فن کے چہروں پر مسکراہٹ آئی ' نوجوانوں میں سر گوشیاں ہونے لگیں ' میرصاحب بھی صف سے کچھہ آگے نکل آئے - مرزا فخرو نے کہا " میر صاحب یہ ٹھیک نہیں ' آپ تو بیچ میں آکر پڑھئے " - یہ کہکر چوبدار کو اشارہ کیا اس نے دونوں شمعیں اُٹھا وسط صحن میں رکھدیں - میر صاحب بھی اپنی جگہ سے اُٹھہ شامیانے کے عین سامنے آبیٹھے بھلا دہلی میں کون ہے جو میر صاحب کو نہیں جانتا ' کونسا مشاعرہ ہے جو

اُن کی وجہہ سے چمک نہیں اُٹھتا ؛ کونسی محفل ھے جہاں ان کے قدم کی برکت سے رونق نہیں آجاتی - ان کا نام تو شاید گنتی کے چند لوگ جانتے ھوں ' ہم نے تو جب سنا ان کا نام میر صاحب ھی سنا۔ کوئی ستر برس کی عمر ھے ' بڑے سوکھے سہمے آدمی ھیں ' غلافی آنکھیں ' طوطے کے چونچ جیسی ناک ' بڑا دھانہ لمبی ڈاڑھی ' بٹیا سا سر ' خشخاشی بال ' گوری رنگت ' اونچاقد - غرض ان کے حلیے کو دھلی کے کسی بچے سے بھی پوچھئے تو پورا پورا بتادے۔ نہایت صاف ستھرا لباس ' سفید ایک بر کا پائیجامہ ' سفید کرتہ اس پر سفید انگرکھا ' سر پر ارخچین کی ٹوپی ' چہرے پر متانت بلا کی تھی- مگر جب غصہ آتا تھا تو پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھلتے تھے- چھوٹا ھو یا بڑا کوئی ان سے بغیر مذاق کے بات نہیں کرتا تھا اور یہ بھی تڑ سے وہ جواب دیتے تھے کہ منہ پھر جائے - اس سے ان کو غرض نہ تھی کہ جواب ھو بھی گیا یا نہیں - مشاعرے میں بادشاہ سلامت سے لیکر میاں ٹھکین تک ان کو چھیڑ تے تھے- انھوں نے نہ اِن کا برا مانا نہ اُن کا ' جواب دینے میں نہ اِن سے رکے نہ اُن سے - غزل ھمیشہ فیالبدیہ پڑھتے تھے - لکھکر لانے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی - غزل میں مصرعوں کے توازن کی ضرورت ھی نہ تھی - صرف قافیہ اور ردیف سے کام تھا - جو کچھہ کہنا ھوا نہایت اطمینان سے نثر میں بیان کرنا شروع کیا - بیچ میں دوسروں کے اعتراضوں کا جواب بھی دیتے رھے-جب کہتے کہتے تھک گئے تو ردیف اور قافیہ لا شعر کو ختم کردیا - اُنھوں نے شعر پڑھنا شروع کیا اور چاروں طرف سے اعتراضوں کی بوچھاڑ ھوئی - یہ بھلا کب دبنے والی آسامی ھیں' چو مکھالڑتے ؛ جب زبان سے نہ دباسکتے تو زور میں آکر کھڑے ھوجاتے - یہ کھڑے ھوئے اور کسی نہ کسی نے ان کو بٹھا دیا ' معترض کو ڈانٹا میر صاحب کا دل بڑھایا اور پھر وھی اعتراضوں کا سلسلہ شروع ھوا - اور تو اور مولوی مملوک العلی صاحب کو ان سے الجھنے میں مزا آتا تھا یہ بھی مولوی صاحب کی وہ خبر لیتے تھے کہ اگر ان کا کوئی شاگرد سن لیتا تو مدرسے سے مولوی صاحب کا سارا رعب داب رخصت ھوجا تا ——

میر صاحب * نے شمع کے سامنے بیٹھتے ہی ساری محفل پر ایک نظر ڈالی - اور کہا ''حضرات! میں آج میاں ھد ھد کی شان میں ایک قصیدہ سناؤں گا؛ اپنے منہ میاں مٹھو، یہ اپنی تعریف خود تو بہت کچھ کرچکے ہیں اب ذرا دل لگا کر اپنی ہجو بھی سن لیں '' -

میاں ھد ھد سے سب جلے بیٹھے تھے، اب جو سنا کہ ان کی ہجو ہورہی ہے اور پھر وہ بھی میر صاحب کے منہ سے ، سب نے کہا '' ہاں میر صاحب ضرور فرمائیے'' - میاں ھد ھد حکیم آغا جان عیش کے پٹھو تھے اور اُنھی کے بل پر پھدکتے تھے، اب جو حکیم صاحب نے سنا کہ میر صاحب ھد ھد کی ہجو پر اترآئے ہیں تو بہت پریشان ہوئے ڈر تھا کہ کہیں مجھکو بھی نہ لپیٹ لیں ، دوسرا کوئی ہجو کرے تو جواب بھی دیا جائے بھلا میر صاحب کی بحر طویل کا کون جواب دے سکتا ہے- اور تو کچھ بن نہ پڑا، میاں ھد ھد کو گاؤ تکیہ کے پیچھے غایب کردیا - اب جو میر صاحب ادھر نظر ڈالتے ہیں تو ھد ھد ندارد ہیں - بہت گھبراے ، ادھر دیکھا ادھر دیکھا، جب کسی طرح نظر نہ آئے تو کہا ''ہجو ملتوی کر کے اب میں غزل پڑھتا ہوں '' سب نے کہا ''ہیں! میر صاحب، یہ آپ نے ارادہ کیوں تبدیل فرمادیا، پڑھئے میرصاحب! خدا کے لئے پڑھئے - سودا کے بعد ہجوتو اُردو زبان سے اُٹھہ ھی گئی ، اگر آپ بھی اس طرف توجہ نہ کرینگے تو غضب ہوجائے گا ، زبان ادھوری رہ جائے گی ''- میر صاحب نےکہا '' نا ،بھئی نا میاں ھد ھد ہوتے تو ہم کوجو کچھہ کہنا تھا ان کے منہ پر کہتے ، ان کے پیٹھہ پیچھے ان کو کچھہ کہنا ہجو نہیں، غیبت ہے، اور میں غیبت

---

* غدر کے بہت بعد میر صاحب کا انتقال ہواہے - میاں کالے صاحب کے فرزند میاں نظام الدین صاحب کے مکان پر جو مشاعرہ ہوتا تھا اس میں بھی یہ شریک ہوتے تھے - اس مشاعرے کے دیکھنے والے اب بھی دھلی میں بہت موجود ہیں - انھی لوگوں کی زبانی میر صاحب کے حالات معلوم ہوئے اوردرج کئے گئے - تذکروں میں تو ان بیچارے کا کیوں ذکر آنے لگا —

کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہوں "-جب میر صاحب کایہ رنگ دیکھا تو حکیم آغاجان کے دم میں دم آیا انہوں نے بھی اس ھجو اور غیبت کے فرق کے متعلق چند مناسب الفاظ کہے اور خدا خدا کر کے یہ آئی بلا ٹلی —

اب میر صاحب نے غزل شروع کی - کیا پڑھا' خدا ھی بہتر جانتا ھے؛ بس اتنا تو معلوم ھوا کہ تیر' پیر' کھیر قافیہ اور "ھے" ردیف ھے - اس کے علاوہ میں تو کیا' خود میر صاحب بھی نہیں بتا سکتے کہ انہوں نے کیا پڑھا اور مضمون کیا تھا - جہاں قافیہ اور ردیف آئی لوگوں نے سمجھہ لیا کہ شعر پورا ھو گیا اور تعریفیں شروع ھوئیں - کسی نے ایک آدہ اعتراض بھی جڑ دیا - اعتراض ھوا اور میر صاحب بگڑے - ان کے بگڑنے میں سب کو مزا آتا تھا - اعتراضوں اور میر صاحب کے جوابوں کا رنگ بھی دیکھہ لیجئے - غزل میں میر صاحب نے جو ایک مصرعے کو کھینچنا شروع کیا تو اتنا کھینچا' اتنا کھینچا کہ شیطان کی آنت ھو گیا - مولوی مملوک العلی صاحب نے کہا "اجی میر صاحب! یہ مصرعہ بحر طویل میں جا پڑا"- میر صاحب نےکہا "مولوی صاحب کبھی بحر طویل دیکھی بھی ھےیایوں ھی سنی سنائی باتوں پر اعتراض ٹھونک دیا - پہلے مطول پڑھئے' مطول*' جب معلوم ھوگا کہ بحر طویل کس کو کہتے ھیں'' - مولوی صاحب بڑے چکرائے'کہنے لگے "میر صاحب بھلا مطول کو بحر طویل سے کیا واسطہ' ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھہ' آپ کا جو جی چاھتا ھے کہہ جاتے ھیں'' - میر صاحب کو اب کسی حمایتی کی تلاش ھوئی - مولانا صہبائی کی طرف دیکھا - انہوں نے کہا "مولوی صاحب! مطول میں بحر طویل کی بحریں نہیں ھیں تو اور کیا ھے' آپ بھی ھمارے میر صاحب کو اپنی علمیت کے دباؤ سے خاموش کر دینا چاھتے ھیں'' - بس اتنی مدد ملنی تھی کہ میر صاحب شیر ھو گئے - کہنے لگے "جی ھاں' مولوی صاحب آپ سمجھے ھوں گے کہ آپ کے سوا کسی نے مطول پڑھی ھی نہیں - اجی حضرت میں تو روزانہ اس کے دو دور کرتا ھوں' کل ھی اس

---

* علم کلام پر حضرت امام غزالی (رح) کی ایک مشہور تصنیف کا نام مطول ھے —

کی ایک بحر میں غزل لکھنے بیٹھا تھا، لکھتے لکھتے تھک گیا، ایک مصرعہ کوئی پونے دو سو صفحے میں لکھا؛ وہ تو کہو کہ بیاض کے صفحے ہی ختم ہو گئے جو مصرعہ ختم ہوا ورنہ خدا معلوم اور کہاں تک جاتا"۔ مرزا نوشہ نے کہا "میر صاحب! آپ سچ فرماتے ہیں، ہمارے مولوی صاحب نے بحر طویل کہاں دیکھی - مجھ سے پوچھو، میرے بھتیجے خواجہ امان کو جانتے ہو، اُس نے ایک کتاب بوستان خیال لکھی ہے، یہ بڑی اور یہ موٹی، بارہ جلدیں ہیں، بحر طویل کے بس بارہ مصرعوں میں ساری جلدیں ختم ہو گئی ہیں - آپ کا مصرعہ بحر طویل میں نہیں رباعی کی بحر میں ہے"۔ میر صاحب نے بڑے زور سے "ہیں" کی اور بگڑ کر کہا "واہ مرزا صاحب یہ سیدھا چلتے چلتے بھٹک گئے، رباعی کی بحریں آپ کو معلوم بھی ہیں، بھلا بتائیے تو سہی کونسی کتاب میں ہیں"۔ یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا، مرزا غالب ذرا چپ ہوے تو خود میر صاحب نے کہا "میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ آپ نے زبردستی اعتراض کر دیا ہے - مرزا صاحب! اربعین* پڑھئے، جب معلوم ہوگا کہ رباعی کی بحریں کون کونسی ہیں"—

غرض اسی طرح کی خوش مذاقی میں کوئی گھنٹہ بھر گزر گیا - ہنستے ہنستے جو آنسو نکلے انہوں نے نیند کے خمار سے آنکھیں صاف کردیں اور ایسا معلوم ہونے لگا گویا مشاعرے کا دوسرا دور شروع ہو رہا ہے اور سب لوگ تازہ دم ابھی آکر بیٹھے ہیں - جب لوگ اعتراض کرتے کرتے اور میر صاحب جواب دیتے دیتے تھک گئے تو ایک دفعہ ہی میر صاحب نے کہا "حضرات! غزل ختم ہوئی"۔ سب نے کہا "میر صاحب! ابھی مقطع تو آیا ہی نہیں، بے مقطع کی یہ کیسی غزل" - میر صاحب نے فرمایا "مقطع کی اس شاعر کو ضرورت ہے جو بتانا چاہے کہ یہ غزل میری ہے؛ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہماری غزل کی یہی پہچان ہے، جہاں شروع

---

* اربعین فی اصول الدین حضرت امام غزالی (رح) کی ایک مشہور تصنیف ہے جس کو میر صاحب نے رباعیوں کی بحروں سے متعلق کر دیا —

کی بس معلوم ہو گیا کہ یہ میر صاحب کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی"۔ یہ کہتے کہتے انھوں نے جزدان گردانا اور اپنی جگہ آبیٹھے - ایک شمع اُٹھا کر میر صاحب کے عین مقابل کے شاعر مرزا جمعیت شاہ ماہر کے سامنے رکھدی گئی - یہ شاہ عالم بادشاہ غازی انارالله برہانہ کے پوتے اور صابر کے شاگرد ہیں۔ کلام صاف اور زبان بڑی میٹھی ہے' لکھا تھا —

ہم بھی ضرور کعبہ کو چلتے پر اب تو شیخ
قسمت سے بتکدے ہی میں دیدار ہو گیا
ناصح کی بات سننے کا کس کو یہاں دماغ
تیرا ہی ذکر تھا کہ میں ناچار ہو گیا
اے ہمنشیں وہ حضرت ماہر نہ ہوں کہیں
اک پارسا' سنا ہے کہ میخوار ہو گیا

میر صاحب کے کلام نے سب کی آنکھوں سے نیند کا خمار اُتار دیا تھا' اس لئے اس غزل کی جیسی چاھئے ویسی تعریف ہوئی اور میاں ماہر کو محنت کا پورا پورا صلہ مل گیا —

ان کے بعد شمع قاضی نجم الدین برق کے سامنے آئی ۔ یہ سکندرآباد کے رہنے والے ہیں کوئی ۲۰' ۲۲ برس کی عمر ہے - سر پر لمبے لمبے بال' سانولی رنگت اس میں سبزی جھلکتی ہوئی' اونچا قد' وجیہ صورت' سفید غرارہ دار پائجامہ' سفید انگرکھا' دو پلڑی ٹوپی' بڑے خوش مزاج' شیریں کلام' ہنس مکھ' بذلہ سنج' وارستہ مزاج' رند مشرب آدمی ہیں-پہلے مومن خاں کے شاگرد تھے پھر ان کے ایما سے میاں تسکین کو کلام دکھانے لگے - آواز بڑی دلکش اور طرز ادا خوب ہے - غزل بھی ایسی پڑھی کہ واہ' واہ - کہتے ہیں—

بزم اغیار ہے' ڈر ہے نہ خفا تو ہوجاے
ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی ہو' ہوجاے

حرم و دیر کے جھگڑے تورے چھپنے سے پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھادے تو، توھی تو ھوجاے
کچھہ مزہ ھے یہ ترے روٹھہ کے من جانے کا
چاھتا ھوں یوں ھی ھر روز خفا تو ھو جاے
تو تو جس خاک کو چاھے وہ بنے بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ھو جاے
آپ انکار کریں، وصل سے میں در گزرا
کچھہ تو ھو، جس سے طبیعت مری یکسو ھو جاے
ھو نہ ھو، بس میں کوئی،کچھہ نہیں اسکی پروا
دل بیتاب پہ اے برق حو قابو ھو جاے

اللہ، اللہ! درو دیوار سے بے خودی برس رھی تھی - جب یہ مصرعہ پڑھا کہ " میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ھو جاے " تو ساری محفل پر ایک مستی سی چھا گئی - اور تو اور استادان فن کی بھی یہ حالت تھی کہ بار بار شعر پڑھواتے، خود پڑھتے اور مزے لیتے تھے —

ابھی ان کی تعریفیں ختم نہ ھوئی تھیں کہ شمع مرزا ملجولے المتخلص بہ فسوں کے سامنے رکھی گئی- یہ نوجوان آدمی ھیں مرزا کریم بخش مرحوم کے فرزند اور حضرت ظل سبحانی کے نواسے ھیں - ان کا کیا کہنا، زبان تو ان کے گھر کی لونڈی ھے - گا کر غزل پڑھتے ھیں؛ پڑھتے کیا ھیں جادو کرتے ھیں - ان کی غزل کے دو شعر لکھتا ھوں—

اللہ رے جذبۂ دل مضطر کہ تیر کا
باھر ھمارے پہلو کے سوفار بھی نہیں
کچھہ آپ ھی آپ دل یہ مرا بیٹھا جاے ھے
ظاھر میں تو الٰھی میں بیمار بھی نہیں

دوسرے شعر میں الفاظ کیا بتھاے ھیں ' نگینے جڑ دئے ھیں - آخر کیوں نہ ھو' قلعہ کے رھنے والے ھیں —

ان کے بعد سیدھی جانب سے شمع سرک کر لالہ بالمکند حضور کے سامنے آئی - یہ ذات کے کھتری اور خواجہ میر درد کے شاگرد ھیں - کوئی ۷۰ ' ۸۰ برس کا سن ھے - سفید نورانی چہرہ اس پر سفید لباس' بغل میں انگوچھہ' کندھوں پر سفید کشمیری رومال - بس جی چاھتا تھا کہ ان کو دیکھے ھی جاے - شمع سامنے آئی تو انہوں نے عذر کیا کہ میں اب سنانے کے قابل نہیں رھا ' سننے کے قابل رہ گیا ھوں - جب سبھوں نے اصرار کیا تو انہوں نے یہ قطعہ پڑھا —

نہ پاوں میں جنبش نہ ھاتھوں میں طاقت

جو اٹھہ ' کھینچیں دامن ' ھم اس دلربا کا

سر راہ بیٹھے ھیں اور یہ صدا ھے

کہ اللہ والی ھے بے دست و پا کا

قطعہ اس طرح پڑھا کہ خود تصویر ھوگئے - " نہ پاوں میں طاقت " کہتے ھوے اٹھے مگر پاوں نے یاری نہ کی لڑکھڑا کر بیٹھہ گئے - " نہ ھاتھوں میں طاقت" کہہ کر ھاتھہ اُٹھاے مگر ضعف سے وہ بھی کچھہ یوں ھی سے اُٹھہ کر رہ گئے - دوسرا مصرعہ ذرا تیز پڑھا - تیسرا مصرعہ پڑھتے وقت اس طرح بیٹھہ گئے جیسے کوئی بے دست و پا سر راہ بیٹھہ کر صدا لگاتا ھے' اور ایک دفعہ ھی دونوں آنکھوں کو آسمان کی طرف اُٹھا کر جو چوتھا مصرعہ پڑھا تو یہ معلوم ھوتا تھا گویا ساری مجلس پر جادو کردیا - ھر ایک کے منہ سے تعریف کی بجاے بیساختہ یہی نکل گیا " کہ اللہ والی ھے بے دست و پا کا "- استاد ذوق نے کہا " استاد یہ خدا کی دین اور خواجہ میر درد کا فیض ھے ؛ سبحان اللہ ! کیا موثر کلام ھے - ھم دنیا داروں میں یہ اثر پیدا ھونے کے لئے میر درد ھی جیسا استاد چاھئے" -

اس کلام کے بعد مرزا غلام معی الدین اشکی کی غزل بھلا کون سنتا - یہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے پوتے ھیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ھے - اونچا قد ' سفید پوش ' ثقہ صورت آدمی ھیں - پہلے نظام‌الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے اب مفتی صدرالدین کے شاگرد ھوگئے ھیں - لکھا تھا —

کچھ وجد نہیں نغمہ مطرب ھی پہ موقوف
کافی ھے یہاں نالۂ بے ربط درا کا
سجدے میں گرے دیکھ کے تصویر بت' اشکی
معلوم ھوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا

ان کے بعد صاحبزادہ عباس علی خاں بیتاب کے سامنے آئی - ۳۰ ' ۳۲ کا سن ھوگا - رامپور کے رھنے والے اور مومن خاں کے شاگرد ھیں - نواب مصطفی خاں شیفتہ سے بڑی دوستی ھے - انھی کے ساتھ مشاعرہ میں آگئے تھے - بڑی اونچی آواز میں غزل پڑھی - ایسا معلوم ھوتا تھا کہ تحت‌اللفظ پڑھ رھے ھیں - غزل تو کچھ اچھی نہ تھی مگر قطعہ ایسا تھا کہ تعریف نہیں ھوسکتی - میخانے کی تقسیم ایسی خوبی سے کی تھی کہ سبحان‌الله - ھائے لکھا ھے —

معمور ھے خدا کی عنایت سے میکدہ
ساقی اگر نہیں ھے ' نہ ھو' مے سے کام ھے
بیتاب پی' خدا نے تجھے بھی دئے ھیں ھاتھ
یہ خم ھے' یہ سبو ھے' یہ شیشہ ' یہ جام ھے

بھلا ایسے بڑے مشاعرے میں مرزا فخرالدین حشمت کو پڑھنا کیا ضرور تھا- نہ کلام ھی اچھا نہ پڑھنے کی طرز ھی اچھی - مگر ان کو روک کون سکتا تھا - شہزادے تھے اور وہ بھی شاہ عالم بادشاہ کے پوتے- خیر پڑھ لیا اور بھائی بندوں نے تعریفیں بھی کردیں خوش ھوگئے - غزل یہ تھی —

ترے بیمار ھجراں کا ترے بن یہ عالم ھے کہ عالم نوحہ گر ھے

مجھے روتے جو دیکھا ہنس کے بولے　　مرے حشمت بتاکیوں چشم تر ہے

ہاں ای کے بعد جس کےسامنے شمع آئی وہ نوجوان سہی مگر شاعر ہے؛ اور ایسا شاعرہوگاکہ ہندوستان بھر میں نام کرےگا- بھلا کونسا مشاعرہ ہےجس میں مرزا قربان علی بیگ سالک کی غزل شوق سے نہیں سنی جاتی - اور کونسا شعر ہوتا ہے جو بار بار نہیں پڑھوا یا جا تا -جو ایک دفعہ بھی کسی مشاعرہ میں گیاہے وہ ان کو دور سےپہچان لے گا- چھوٹا سا قد' دبلے پتلے ہاتھہ پاؤں' موٹی سي ناک ' چھوٹی چھوٹی آنکھیں ' موٹی جلد ' گندمی رنگ ' اس پر چیچک کے داغ ' چھدری چھوٹی سی ڈاڑھی ' کلوں پر کم ٹھوڑی پر ذرا زیادہ ' سر پر خشخاشی بال - کوئی ۳۰ سال کی عمر - بس بخارا کے ترک معلوم ہوتے ہیں - ہاں لباس ان لوگوں سے مختلف ہے- نیچی چولی کا انگر کھا ' تنگ مہری کا پائجامہ ' سر پر سفید گول ٹوپی ' ہاتھہ میں سفید لٹھہ کا رومال - شمع کا ان کے سامنے آنا تھا کہ سب سنبھل کر بیٹھہ گئے- انھوں نے بھی انگر کھے کی آستین اُلٹ ' ٹوپی کو اچھی طرح جما اپنے استاد مرزا غالب کی طرف دیکھا - ادھر سے مسکرا کر کچھہ اشارہ ہوا تو انھوں نے صاحب عالم کی طرف دیکھہ کر عرض کی " اجازت ہے" مرزا فخرو نے کہا " ہاں میاں سالک پڑھو' آخر اس میں اجازت کی ضرورت ھی کیا ہے " سالک نے جیب میں سے کاغذ نکالا ' کچھہ اُلٹا پلٹا ' پھر ایک بار سنبھل کر کہا ' "عرض کیا ہے" —

۱- انتہا صبر آزمائی کی　　ہے درازی شب جدائی کی

۲- ہے برائی نصیب کی' کہ مجھے　　تم سے اُمید ہے بھلائی کی

۳-نقش ہے سنگ آستاں پہ ترے　　داستاں اپنی جبھہ سائی کی

۴- ہے فغاں بعد امتحان فغاں　　پھر شکا یت ہے نارسائی کی

۵- کیانہ کرتا وصال شادی مرگ　　تم نے کیوں مجھہ سے بے وفائی کی

۶- راز کھلتےگئے مرے سب پر　　جس قدر اس نے خودنمائی کی

۷- کتنے عاجز ہیں ہم کہ پاتے ہیں　　بندے بندے میں بو خدائی کی

۸- رہ گئیں دل میں حسرتیں سالک آ گئی عمر پارسائی کی

ایک ایک شعر پر یہ عالم تھا کہ مجلس لوٹی جاتی تھی - ایک ایک شعر کئی کئی بار پڑھوایا جاتا تھا - ایک ایک لفظ پر تعریفیں ہوتیں اور ایک ایک بندش کی داد ملتی - استاد ذوق نے تیسرے شعر پر کہا " واہ میاں سالک کیا کہنا ہے ؛ سب ہی جبہہ سائی باندھتے آئے ہیں ، تمہاری داستان کو کوئی نہیں پہنچا - کیا کلام ہے ، کیا روانی ہے ، سبحان اللہ " - حکیم مومن خاں نے کہا " میاں سالک یہ جوانی اور مقطع میں یہ بوڑھا مضمون ، تمہاری " عمر پارسائی " کو بہت دن پڑے ہیں ، ابھی سے تو بڈھوں کی سی باتیں نہ کیا کرو " میاں سالک نے جواب دیا ، استاد میں توجوانی ہی میں بڈھا ہوگیا ، دیکھئے بڑھاپا دیکھنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں ، پھر دل میں آئے ہوے مضمون کیوں چھوڑدوں ، بعد میں یہ کون دیکھتا پھرےگا کہ یہ شعر بڈھے نے کہا تھا یا جوان نے - ہم نہ رہینگے مضمون رہ جائے گا "—

جب تعریفوں کا سلسلہ ذرا رکا تو شمع مرزا رحیم الدین ایجاد کے سامنے آئی - یہ شہزادے مرزا حسین بخش کے صاحب زادے اور مولانا صہبائی کے شاگرد ہیں - کوئی ۲۴ ، ۲۵ سال کی عمر ہے - شعر کہتے ہیں مگر پھیکے - ہاں پڑھتے بڑی اچھی طرح ہیں - گانا خوب جانتے ہیں - ان کی آواز شعر کی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتی —

بت خانے میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا
اے زاہد ناداں تجھے کیا ہے میں کہیں تھا

ہر چند کہ میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
پر دل وہ بلا ہے ، وہ جہاں تھا یہ وہیں تھا

توڑا ہے یہ کچھ آپ کو میں نے کہ جہاں میں
ثابت نہ رہا نام کا جو میرے نگیں تھا

غزل میں تو کیا خاک مزا آتا ہاں ان کے گانے میں مزا آگیا - گاکر پڑھنے کا یہ نیا رنگ

قلعہ سے چلا ہے ' مگر استادان فن اس کو پسند نہیں کرتے —

ان کے بعد شمع نواب علاءالدین خان علائی کے سامنے آئی - انھوں نے بہت اونچی آواز میں اپنی غزل سنائی - علائی مرزا غالب کے بڑے چاہیتے شاگرد ہیں ' ابھی نو عمر ہیں ' بڑے ہوکر اچھے شاعر نکلینگے —

شمع کا سامنے رکھنا تھا کہ مرزا کریم‌الدین رسا سنبھل کر بیٹھ گئے ایک بڑی لمبی غزل پڑھی مگر ساری کی ساری بے مزا - نہ الفاظ کی بندش اچھی نہ مضامین میں کوئی خوبی ' تعقیدوں سے اُلجھن پیدا ہوتی تھی اور رعایت لفظی سے جی گھبراتا تھا- ان کے بس دوھی شعر نمونے کے طور پر لکھدینا کافی سمجھتا ہوں—

باز آستا تومجھکو بہت عشوہ گر نہیں | کرتا کسی پہ ظلم کوئی اس قدر نہیں
گونزع میں ہوں میں ترے بن آے جان من | کرنے کي جان بھی مرے تن سے سفر نہیں

یہ پڑہ چکے تو نواب ضیاءالدین‌خاں نیرو رخشاں کے پڑھنے کی باري آئی-فارسي کے شعر خوب کہتے ہیں' اُردو کی غزلیں ذرا پھیکی ہوتی ہیں - لکھا تھا —

پی کے گرنے کا ھے خیال ھمیں | ساقیا لیجیو سنبھال ھمیں
شب نہ آے جو اپنے وعدے پر | گزرے کیا کیا نہ احتمال ھمیں
دل میں مضمر ہیں معنی باقی | کسی صورت نہیں زوال ھمیں
تیرے غصے نے ایک دم میں کیا | مردۂ نہ ہزار سال ھمیں
طالع بد سے نیر رخشاں | اپنے ھی گھرمیں ھے وبال ھمیں

ان کے بعد شمع مرزا پیارے رفعت کے سامنے آئی - یہ سلاطین زادے ہیں - بٹیریں لڑانے کا بڑا شوق ھے - شعر بھی خوب کہتے ہیں ' پڑھتے بھی خوب ہیں - پہلے احسان کے شاگرد تھے اب مولانا صہبائی سے تلمذ ھے - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہوگی' لکھا تھا—

بسان طائر رنگ پریدہ وحشت سے
کسے دماغ ہے اب آشیاں بنانے کا
نہ عذر تھا ہمیں ہونے میں خاک کے، گر ہم
یہ جانتے کہ وہ دامن نہیں بچانے کا
گندھی تھی کون سے بدمست تشنہ لب کی وہ خاک
کہ جس سے خم یہ بنائے شراب خانے کا
بذوق یار کو دے رخصت جفا کہ یہاں
ہمیں بھی عزم ہے طاقت کے آزمانے کا
ہیں ایک وہ بھی کہ تم سے ہے جن کو راز و نیاز
اور ایک ہم ہیں کہ تکتے ہیں منہ زمانے کا

آخری شعر میں مایوسی کی جو تصویر کھینچی ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی - کوئی نہ تھا جو اس شعر کے دوسرے مصرعے کو پڑھ پڑھ کر نہ جھومتا ہو اور بار بار واہ واہ اور سبحان اللہ نہ کہتا ہو - ہوتے ہوتے میاں عارف کا نمبر آهی گیا - بھلا ان کو مشاعرے کے انتظام سے کب فرصت تھی جو غزل لکھتے - پھر بھی چلتے پھرتے کچھ لکھ ھی لیا تھا، وھی پڑھ دیا - اس دن رات کی گردش کے بعد اتنا بھی لکھ لینا کہاں ہے - غزل تھی :-

اُٹھتا قدم جو آگے کو اے نامہ بر نہیں
پیچھے تو چھوڑ آئے کہیں اس کا گھر نہیں
اوروں کو ہو تو ہو، ہمیں مرنے سے ڈر نہیں
خط لیکے ہم ھی جاتے ہیں گر نامہ بر نہیں
بے التفاتیوں کا ترے شکوہ کیا کریں
اپنے ھی جب کہ نالۂ دل میں اثر نہیں

مطلع کی سب نے تعریف کی - اُستاد احسان نے کہا "میاں عارف! میں بھی

شعر کہتے کہتے بڈھا ہو گیا ہوں، لاکھوں شعر سنے، لاکھوں سنائے، مگر یہ مضمون بالکل نیا ہے اور کس خوبی سے ادا کیا ہے کہ دل خوش ہو گیا"۔ میاں عارت کے بعد شمع مرزا غلام نصیرالدین عرت مرزا منجھلے کے سامنے آئی - یہ شہزادے ہیں، احسان کے شاگرد ہیں اور قناعت تخلص کرتے ہیں - غزل خاصی کہتے ہیں - میں تو یہی کہونگا کہ شہزادوں میں بہت کم ایسے شاعر ہوں گے - غزل تھی—

شوق کو کثرت نظارہ سے رشک آتا ہے
حشر سے پہلے میسر ہو وہ دیدار مجھے
کعبے تک جانے میں تھی خاطر زاھد ورنہ
دیر میں بھی تھی سدا رخصت دیدار مجھے
جنس دزدیدہ کی مانند ہے اُلجھاؤ میں جاں
کہ نہ لیتا ہے نہ پھیرے ہے خریدار مجھے
راز دل لب پہ نہ لانا کبھی منصور، کہ یاں
کر دیا بات کے کہنے نے گنہگار مجھے

شمع کا حکیم آغا جان عیش کے سامنے آنا تھا کہ لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہوئیں - حکیم صاحب بادشاہی اور خاندانی طبیب ہیں - زیور علم سے آراستہ اور لباس کمال سے پیراستہ، صاحب اخلاق، خوش مزاج، شیریں کلام، شگفتہ صورت، جب دیکھو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکرا رہے ہیں - طبیعت ایسی ظریف و لطیف اور لطیفہ سنج پائی ہے کہ سبحان اللہ - میانہ قد، خوش اندام، سر پر ایک ایک اُنگل بال سفید، ایسی ہی ڈاڑھی، اس گوری سرخ و سفید رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی ہے - گلے میں ململ کا کرتہ جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے - مگر کچھ دنوں سے اُن کے دوست بھی ان سے ذرا کھنچ گئے تھے - میاں ھد ھد کو پال کر انھوں نے سب سے بگاڑ لی - شروع شروع میں تو اس کی واھی تباھی باتوں پر کسی نے دھیان نہیں کیا، لیکن جب اس نے اُستادوں پر حملے شروع کئے اس وقت سے

ھدھد کے ساتھہ ھی حکیم صاحب سے بھی لوگوں کو کچھہ نفرت سی ھو گئی - غضب یہ کیا کہ اجمیری دروازے والے مشاعرے میں خود انہوں نے مرزا نوشہ پر کھلا ھوا حملہ کر دیا - ایک قطعہ لکھا تھا کہ

اگر اپنا کہا تم آپ ھی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ھے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

مولوی مملوک العلی نے کہا " حکیم صاحب، شعر کے سمجھہ میں نہ آنے کی دو ھی صورتیں ھیں یا تو شعر ھی بے معنی ھے یا سمجھنے والے کے دماغ کا قصور ھے - ھم سب تو ان کے شعر سمجھتے ھیں، پھر آپ نے ھم غریبوں کو کیوں لپیٹ لیا "- مومن خاں نے کہا " بھئی مجھے تو اس قطعے کے تیسرے مصرعے میں بھی شاعرانہ تعلی معلوم ھوتی ھے" - بہر حال بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ھوا - اس معرکے کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا کہ حکیم صاحب مشاعرے میں تشریف لائے تھے - میر صاحب نے ھدھد کے مقابلے میں جو اعلان جنگ کیا تھا وہ سن چکے تھے، اب لوگوں میں جو کانا پھوسی ھونے لگی اس سے اور بھی پریشان ھوے - پڑھنے میں تامل کیا - آخر مرزا فخرو کے اصرار پر یہ غزل پڑھی—

صلح ان سے ھمیں کئے ھی بنی — دل پہ جھگڑا تھا دل دئے ھی بنی
زھد و تقوے دھرے رھے سارے — ھاتھہ سے اس کے مے پیئے ھی بنی
لائے وہ ساتھہ غیر کو، ناچار — پاس اپنے بٹھا لئے ھی بنی
کس کا تھا پاس شوق ظلم، اے عیش — ان جفاؤں پہ بھی جئے ھی بنی

جب ایسی غزل ھو تو بھلا کون تعریف نہ کرے - صل علی کے شور اور سبحان اللہ کی آوازوں نے پڑھنے والے اور سننے والوں دونوں کے دلوں سے غبار کدورت دور کردیا اور حکیم صاحب وھی حکیم صاحب ھو گئے جو پہلے تھے - نہ

ان سے کسی کو رنج رہا اور نہ ان کو کسی سے ملال - ہاں اگر پہلے کہیں میاں ہد ہد کچھ چرک جاتے تو خدا معلوم مشاعرے کا کیا رنگ ہو جاتا - وہ تو خدا بھلا کرے ہمارے میر صاحب کا انہوں نے پہلے ہی اس پکھیرو کی زبان بند کردی- خیر رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت —

حکیم صاحب کے بعد مرزا رحیم الدین حیا کا نمبر آیا - یہ وہی میاں حیا ہیں جن کی تعریف مشاعرے میں آتے ہی ان کے والد صاحب قبلہ مرزا کریم الدین رسا نے فرمائی تھی - بڑے خوش طبع ، ذہین ، نیک فطرت ، بدیہہ گو اور ظریف آدمی ہیں - کوئی ۳۵ - ۳۶ سال کی عمر ہے- اکثر بنارس میں رہتے ہیں ، کبھی کبھی دہلی چلے آتے ہیں - شکل تو بالکل شاہزادوں کی ہے مگر داڑھی منڈی ہوئی اور لباس لکھنؤ والوں کا ہے - پہلے اپنے والد کے شاگرد ہوے ، پھر شاہ نصیر سے اصلاح لی ، اب اپنا کلام استاد ذوق کو دکھاتے ہیں - شطرنج بے مثل کھیلتے ہیں ؛ پہلے حکیم شرافت علی خاں سے سیکھی اب مومن خاں کو گھیرے رہتے ہیں - ستار ایسا بجاتے ہیں کہ سبحان اللہ - شاعر بھی اچھے ہیں ، مگر محنت نہیں کرتے ؛ زبان کی چاشنی پر مضمون کو نثار کر دیتے ہیں - یہ غزل لکھ کر لاے تھے —

موت ہی چارہ ساز فرقت ہے	رنج مرنے کا مجھ کو راحت ہے
ہوچکا وصل ، وقت رخصت ہے	اے اجل جلد آ کہ فرصت ہے
روز کی داد کون دیوے گا	ظلم کرنا تمہاری عادت ہے
کارواں عمر کا ہے رخت بدوش	ہر نفس بانگ کوس رحلت ہے
سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے	دم نکلتا نہیں ، مصیبت ہے
تم بھی اپنے حیا کو دیکھ آو	آج اس کی کچھ اور حالت ہے

پانچویں شعر پر ان کے والد نے ٹوکا اور کہا " میاں حیا ! لکھنؤ جاکر اپنی شکل تو بدل آے تھے اب زبان بھی بدل دی ، سانس کو مونث باندہ گئے " - حیا نے جواب دیا - " جی نہیں قبلہ میں نے تو استاد ذوق کی تقلید کی ہے ، وہ فرماتے ہیں

" سینے میں سانس ہوگی اڑی دو گھڑی کے بعد "۔ بھلا صاحب عالم * کب چوکنے والے تھے کہنے لگے " بھلا ہمارے مقابلے میں آپ کے استاد کا کلام کہیں سند ہوسکتا ہے ' وہ جو چاہیں لکھیں ' یہ بتاو قلعے میں سانس مذکر ہے یا مونث " - بیچارے حیا مسکرا کر خاموش ہوگئے —

اب شمع مولانا صہبائی کے روبرو آئی - ان کی علمیت کا ڈنکا تمام ہندوستان میں بج رہا ہے ۔ ایسے جامع‌الکمال آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں - ہزاروں شاگرد ہیں ۔ اکثر ریختہ کہتے ہیں ' ان کو اصلاح دیتے ہیں اور خوب دیتے ہیں ' مگر خود ان کا کلام تمام و کمال فارسی ہے - میں نے تو ریختے میں نہ کبھی ان کی کوئی غزل دیکھی نہ سنی ' اور مشاعرے میں بھی فارسی ہی کی غزل پڑھی - خوب خوب تعریفیں ہوئیں مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ لوگوں کو مزہ نہ آیا —

همچو شبنم خویش را فارغ ز عالم ساختم
محرم خورشید گشتم با خساں کم ساختم
مردم و در چشم مردم عالمے تاریک گشت
من مگر شمعم چو رفتم بزم برهم ساختم
کفر در کیشم سپاس نعمت دیدار اوست
جلوہ در هر رنگ دیدم گردنے خم ساختم
جرم عشقم را جزا شد حور و من از هجر دوست
داغ بر دل بردم و خلدش جهنم ساختم
نیست صهبائی چو جام جم نصیبم گو مباد
مے زخون دل کشیدم خویش را جم ساختم

مقطع پر تو اتنی تعریفیں ہوئیں کہ بیان سے باہر ہے ' مگر جو بیچارے

---

* قلعے والوں کو خواہ وہ شہزادے ہوں یا سلاطین زادے ' صاحب عالم کہا جاتا تھا —

فارسی نہیں سمجھتے تھے وہ بیٹھے منہ دیکھا کئے - صاف بات تو یہ ھے کہ اُردو کے مشاعرے میں فارسی کا ٹھونسنا کچھہ مجھے بھی پسند نہ آیا —

اھاھاھا ! زبان کا لطف اٹھانا ھے تو اب سید ظہیرالدین حسین خان ظہیر کو سنئیے - ابھی ۳۰-۳۲ سال کی عمر ھے مگر کلام میں خدا نے وہ اثر دیا ھے کہ واہ واہ' اُستاد ذوق کی اصلاح نے اور سونے پر سہاگے کا کام کیا ھے - شکل صورت سے یہ نہیں معلوم ھوتا تھا کہ اُن کی طبیعت اس بلا کی ھے- قد خاصہ اونچا' چھریرا بدن' کشادہ سینہ ' سانولی رنگت ' کشادہ دھن ' اونچی ستواں ناک ' آنکھیں نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی مگر روشن - گول ڈاڑھی نہ بہت گھنی نہ بہت چھدری ' سر پہ پٹھے ' لباس میں انگرکھا ' تنگ مہری کا سفید پائجامہ ' سر پر سفید گول ٹوپی ' خوش مزاج اور لطیفہ سنج ایسے کہ منہ سے پھول جھڑتے ھیں - پڑھنے کا بھی ایک خاص طرز ھے - لکھنؤ والے کے تحت اللفظ پڑھنے سے ملتا جلتا ھے ' ساتھہ ھی اشاروں سے ایک ایک لفظ کو سمجھاتے جاتے ھیں- غزل ھوئی تھی —

جبیں اور شوق اس کے آستاں کا ۔۔۔ ارادہ اور ارادہ بھی کہاں کا
لٹتا ھے قافلہ تاب و تواں کا ۔۔۔ خدا حافظ ھے دل کے کارواں کا
مری وا ماندگی منزل رساں ھے ۔۔۔ سراغ نقش پا ھوں کارواں کا
رھے پابند دل کے دل میں ارمان ۔۔۔ قدم منزل نے پکڑا کارواں کا
اُٹھا سکتے نہیں سر آستاں سے ۔۔۔ غضب ھے بار منت پاسباں کا
ھمیشہ مورد برق و بلا ھوں ۔۔۔ مٹے جگھڑا الہی آشیاں کا
دل بیتاب نے وہ بھی مٹایا ۔۔۔ کسی کو کچھہ جو دھوکا تھا فغاں کا
ظہیر ! آو چلو اب میکدے کو ۔۔۔ نکالا زھد و تقویٰ ھے کہاں کا

اور تو اور اُستادان فن نے اس غزل کی ایسی داد دی کہ میاں ظہیر کا دل غنچے کی طرح کھل گیا - تیسرے شعر پر تو یہ حالت تھی کہ تعریفوں کا سلسلہ ختم ھی نہ ھوتا تھا - سلام کرتے کرتے بچارے کے ھاتھہ دکھہ گئے ھونگے - جب ذرا سکون

ھوا تو سیدھی جانب کی شمع نواب مصطفی خاں شیفتہ کے سامنے آئی- ان کا کیا کہنا- یہ استادان فن میں شمار کئے جاتے ھیں - مومن کے شاگرد ھیں مگر خود استاد ھیں - انھوں نے کسی شعر کی تعریف کی اور اس کی وقعت بڑھی؛ یہ سنکر ذرا خاموش ھوئے اور شعر دوسروں کی نظروں سے بھی گرگیا - زبان کے ساتھہ مضمون کو ترتیب دینا ایسے ھی لوگوں کا کام ھے- پڑھتے بھی ھیں تو ایک ایک لفظ سمجھا سمجھا کر- آواز ایسی اونچی ھے کہ دور اور پاس سب کو صاف سنائی دے - غزل پڑھنے سے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا ' ذرا انگرکھا درست کیا ' ٹوپی درست کی ' انگرکھے کی آستینوں کو چڑھایا اور یہ غزل پڑھی —

آرام سے ھے کون جہان خراب میں ۔۔ گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

سب اس میں محو اور یہ سب سے علاحدہ ۔۔ آئینہ میں ھے آب ' نہ آئینہ آب میں

معنی کی فکر چاھئے صورت سے کیا حصول ۔۔ کیا فائدہ ھے ' موج اگر ھے شراب میں

ذات و صفات میں بھی یہی ربط چاھئے ۔۔ جوں آفتاب و روشنی آفتاب میں

وہ قطرہ ھوں کہ موجۂ دریا میں گم ھوا ۔۔ وہ سایہ ھوں کہ محو ھوا آفتاب میں

بیباک شیوہ ' شوخ طبیعت ' زباں دراز ۔۔ ملزم ھوا ھے پر نہیں عاجز جواب میں

تکلیف شیفتہ ھوئی تم کو ' مگر حضور ۔۔ اس وقت اتفاق سے وہ ھیں عتاب میں

غزل تو ایسی ھے کہ بھلا کس کا منہ ھے جو تعریف کا حق ادا کر سکے ' مگر تعریف بڑی سنبھل سنبھل کر کی گئی - بڑے مشاعروں میں میں نے ھمیشہ یہ دیکھا کہ نو مشقوں کے دل تو تعریفوں سے خوب بڑھاتے ھیں مگر جب استادوں کے پڑھنے کی نوبت آتی ھے تو وہ جوش و خروش نہیں رھتا ' بلکہ جوش کے بجاے متانت زیادہ آجاتی ھے - استادوں کے انھی شعروں کی تعریف ھوتی ھے جو واقعی قابل تعریف ھوں - اگر کسی شعر کی ذرا بے جا تعریف کردی جاے تو اس سے ان کو تکلیف ھوتی ھے- یہ صرف اسی کلام کی تعریف چاھتے ھیں جس کو یہ خود سمجھتے ھیں کہ اس کی تعریف ھونی چاھئیے - شعر پڑہ کر اگر دیکھتے بھی ھیں تو اپنے

برابر والوں کی طرف اور رهی داد بهی دیتے هیں ' مشاعرے کے باقی لوگ ان کے کلام سے لطف هی نہیں اُٹھاتے ' کچھہ حاصل بهی کر لیتے هیں ' ان کے لئے یہ غزلیں کسی طرح اُستاد کی اصلاح سے کم نہیں هوتیں —

اُن کے بعد شہزادہ مرزا قادر بخش صابر کی باری آئی یہ کوئی ۴۰ برس کے هونگے - ان کی شاعری کی قلعہ میں بڑی دهوم هے - خود د ان کو بهی اپنے کلام پہ ناز هے- شعراے دهلی کا ایک تذکرہ لکهہ رهے هیں مگر مشہور یہ هے کہ الف سے لیکر یے تک مولانا صہبائی کا قلم هے ؛ یہ سچ هے یا جهوت خدا بہتر جانتا هے - خود انہوں نے اپنے حالات ایک قطعہ میں لکهے هیں' وہ نقل کرتا هوں —

قطعہ

پہلے اُستاد تهے احساں و نصیر و ممنون
هوئی احساں سے پر اصلاح طبیعت میری
پهر هوا حضرت صہبائی کی اصلاح کا فیض
طبع باریک هوئی ان کی بدولت میری
اور هم بزم رهے مومن و ذوق و غالب
اُوستادوں هی سے هردم رهی صحبت میری
هند کا فضل و هنر ذات پہ هے جن کی تمام
مانتے هیں وهی اشخاص فضیلت میری
منعقد هوتی هے جب شہر میں بزم انشا
کرتے هیں اهل سخن وقعت و عزت میری

اب اس کلام پر ان کو استاد کهو یا جو جی چاهے کهو- غزل میں بهی یهی پهیکا رنگ هے ' مضمون بهی کچھہ بلند پایہ نہیں هیں ' مگر سارا شهر ان کو استاد مانتا هے؛ هونگے ' ممکن هے میری هی سمجھ کا پهیر هو - غزل کهی تهی —

نظارہ برق حسن کا دشوار هوگیا   جلوہ حجاب دیدۂ بیدار هوگیا

محفل میں، میں تو اس لب میگوں کے سامنے ۔۔۔ نام شراب لے کے گنہگار ہوگیا

حائل ہوئی نقاب تو تھیری نگاہ شوق ۔۔۔ پردہ ہی جلوہ گاہ رخ یار ہوگیا

معلوم یہ ہوا کہ ہے پرسش گناہ کی ۔۔۔ عاصی گنہ نکردہ گنہگار ہو گیا

اس کی گلی میں آن کے کیا کیا اُٹھائے رنج ۔۔۔ خاک شفا ملی تو میں بیمار ہوگیا

پیری میں ہم کو قطع تعلق ہوا نصیب ۔۔۔ قامت خمیدہ ہوتے ہی تلوار ہوگیا

یہ پڑھ چکے تو شمع مفتی صدرالدین صاحب آزردہ کے سامنے پہنچی - اس پائے کے عالم شاعر نہیں ہوتے اور ہوتے ہیں تو استاد ہوجاتے ہیں - مفتی صاحب کے جتنے شاگرد جید عالم ہیں اس سے کہیں زیادہ ان کے تلامذہ شاعر ہیں اور شاعر بھی کیسے کہ بڑے پائے کے - مفتی صاحب کہتے تو خوب ہیں مگر پڑھتے اس طرح ہیں گویا طالب علموں کو سبق دے رہے ہیں - آواز بھی ذرا نیچی ہے لیکن ان کی وجاہت کا یہ اثر ہے کہ مشاعرے میں سناٹا ہوتا ہے اور تعریف بھی ہوتی ہے تو خاص خاص شعروں پر اور بہت نیچی آواز میں - ہاں مرزا نوشہ ان سے مذاق کرنے میں نہیں چوکتے - کبھی کبھی اعتراض بھی کر بیٹھتے ہیں اور مزے مزے کی نوک جھونک ہوجاتی ہے - غزل ملاحظہ ہو؛ کیا پختہ کلام ہے —

باتوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں
کب آسماں زمین و زمیں آسماں نہیں

افسردہ دل نہو در رحمت نہیں ہے بند
کس دن کھلا ہوا در پیر مغاں نہیں

شب اس کو حال دل نے جتا یا کچھ اس طرح
ہیں لب تو کیا، نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

کٹتی کسی طرح بھی نہیں یہ شب فراق
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں
کہتا ہوں اس سے کچھ میں، نکلتا ہے منہ سے کچھ
کہنے کو یوں تو ہیگی زباں اور زباں نہیں
آزردہ ہونٹ تک نہ ہلے اس کے روبرو
مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

آزردہ جیسے اُستاد کے بعد نواب مرزا خاں داغ کا پڑھنا ایک عجیب سی چیز ہے، مگر بات یہ ہے کہ اول تو داغ کو سب چاہتے ہیں، دل بڑھاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کسی دن یہی داغ ہندوستان کا چراغ ہوگا؛ دوسرے مرزا فخرو کے خیال سے ان کو اُستادوں میں جگہ ملی تھی مگر انہوں نے غزل بھی ایسی پڑھی کہ اُستاد بھی قائل ہو گئے - ۱۷، ۱۸ برس کے لڑکے کا اس قیامت کی غزل اور اس جرأت سے پڑھنا واقعی کمال ہے - میری تو یہ رائے ہے کہ جو زبان داغ نے لکھی ہے وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوگی - ذرا زبان کی شوخی، مضمون کی رنگینی اور طبیعت کی روانی ملاحظہ کیجئے اور داد دیجئے—

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں — ناز والے نیاز کیا جانیں
شمع رو آپ گو ہوے لیکن — لطف سوز و گداز کیا جانیں
کب کسی در کی جبہہ سائی کی — شیخ صاحب نماز کیا جانیں
جو رہ عشق میں قدم رکھیں — وہ نشیب و فراز کیا جانیں
پوچھئے میکشوں سے لطف شراب — یہ مزا پاکباز کیا جانیں
جن کو اپنی خبر نہیں اب تک — وہ مرے دل کا راز کیا جانیں
حضرت خضر جب شہید نہوں — لطف عمر دراز کیا جانیں
جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے — آپ بندہ نواز کیا جانیں

اللہ، اللہ! وہ سہانا وقت، وہ چھوٹی سی آواز، وہ دلکش سر، وہ الفاظ کی

نشست، وہ بندش کی خوبصورتی اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ داغ کی بھولی بھالی شکل، ایک عجیب لطف دے رہی تھی - ساری محفل میں کوئی نہ تھا جو محو حیرت نہ ہو گیا ہو اور کوئی نہ تھا جس کے منہ سے جزاک اللہ، سبحان اللہ اور صل علی کے الفاظ بیساختہ نہ نکل رہے ہوں - مرزا فخرو کی تو یہ حالت تھی کہ گھڑی گھڑی پہلو بدلتے اور دل ہی دل میں خوش ہوتے تھے - غزل ختم ہوئی اور کسی کو معلوم نہ ہوا کہ کب ختم ہوگئی - جب شمع حکیم مومن خاں مومن کے سامنے پہنچ گئی اس وقت لوگوں کا جوش کم ہوا اور اس ریختے کے اُستاد کا کلام سننے کو سب ہمہ تن گوش ہو گئے - انہوں نے شمع کو اُٹھا کر ذرا آگے رکھا، ذرا سنبھل کر بیٹھے، بالوں میں اُنگلیوں سے کنگھی کی، ٹوپی کو کچھ ترچھا کیا، آستینوں کی چنٹ کو صاف کیا اور بڑی درد انگیز آواز میں دلپذیر ترنم کے ساتھ یہ غزل پڑھی—

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اُٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں، یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جاے مجھکو چھوڑ گئی موت، لا کے ساتھ
اللہ رے گمرہی، بت و بتخانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

شاعری کیا تھی، جادو تھا - تمام لوگ ایک عالم محویت میں بیٹھے تھے - وہ خود بھی اپنے کلام کا مزا لے رہے تھے - جس شعر میں ان کو زیادہ لطف آتا تھا اس کے پڑھتے وقت ان کی اُنگلیاں زیادہ تیزی سے بالوں میں چلنے لگتی تھیں - بہت جوش ہوا تو کاکلوں کو اُنگلیوں میں بل دیکر مڑوڑنے لگے - کسی نے تعریف کی تو گردن جھکا کر ذرا مسکرا دئے - پڑھنے کا طرز بھی سب سے جدا تھا ، ہاتھ بہت کم ہلاتے تھے اور ہلاتے بھی کیسے، ہاتھوں کو بالوں سے کب فرصت تھی - ہاں آواز کے زیر و بم اور آنکھوں کے اشاروں سے جادو سا کرجاتے تھے - غزل ختم ہوئی تو تمام شعرا نے تعریف کی - سنکر مسکراے اور کہا "آپ لوگوں کی یہی عنایت تو ہماری ساری محنت کا صلہ ہے، میں تو عرض کرچکا ہوں

ہم داد کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر کچھ
تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا"

ان کے بعد شمع اُستاد احسان کے سامنے آئی - میں سمجھا تھا کہ ان کی آواز کیا خاک نکلے گی مگر شمع کے پہنچتے ہی وہ تو کیچلی سی بدل کچھ سے کچھ ہو گئے اور اتنی بلند آواز سے غزل پڑھی کہ تمام مجلس پر چھا گئے - کسی شعر پر مومن خاں کو متوجہ کرتے، کسی پر مرزا نوشہ کو، کسی پر اُستاد ذوق کو - ان کی عظمت کچھ لوگوں کے دلوں پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ جس کو انہوں نے متوجہ کیا اس کو تعریف ہی کرتے بن پڑی - ردیف سخت اور قافیہ مشکل تھا مگر ان کی اُستادی کی داد دینی چاہئے کہ ان دشواریوں پر بھی ساری کی ساری غزل مرصع کہہ گئے ہیں - ہاے لکھتے ہیں—

تو کیوں ھے گریہ کناں ' اے مرے دل محزون
نہ رو نہ رو کہ نہ تجھہ کو کبھی رولاے خدا
بتو! بتاو تو ' کیا تم خدا کو دو گے جواب
خدا کے بندوں پہ یہ ظلم ' بندہ ھاے خدا
رضا پہ تیری ھوں دن رات اے صنم مصروف
جو اس پہ تو نہیں راضی ' نہ ھو ' رضاے خدا
بتوں کے کوچے میں کہتا تھا کل یہی احسان
یہاں کسی کا نہیں ھے کوئی سواے خدا

جب یہ پڑھ چکے تو مرزا غالب کی باری آئی - یہ رنگ ھی دوسرا تھا- صبح ھو چلی تھی ' شمع کے سامنے آتے ھی فرمانے لگے " صاحبو! میں بھی اپنی بھیرویں الاپتا ھوں"- یہ کہہ کر ایسے دلکش اور موثر لہجےمیں غزل پڑھی کہ ساری محفل محو ھوگئی - آواز بہت اونچی اور پر درد تھی - یہ معلوم ھوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو اپنا قدر داں نہیں پاتے اور اس لئے غزل خوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ھوگئی ھے - غزل تھی —

دل ناداں تجھے ھوا کیا ھے — آخر اس درد کی دوا کیا ھے
ھم ھیں مشتاق اور وہ بیزار — یا الہی یہ ماجرا کیا ھے
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ھوں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ھے
جبکہ تجھہ بن کوئی نہیں موجود — پھر یہ ھنگامہ اے خدا کیا ھے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ھیں — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ھے
شکن زلف عنبریں کیوں ھے — نگہ چشم سرمہ سا کیا ھے
سبزہ و گل کہاں سے آے ھیں — ابر کیا چیز ھے ھوا کیا ھے
ھم کو ان سے وفا کی ھے امید — جو نہیں جانتے وفا کیا ھے
ھاں بھلا کر ترا بھلا ھوگا — اور درویش کی صدا کیا ھے

جان تم پر نثار کرتا هوں　　میں نہیں جانتا دعا کیا هے
میں نے مانا کہ کچھہ نہیں غالب　　مفت هاتھہ آے تو برا کیا هے

غزل پڑھ کر مسکرائے اور کہا " اس پر بھی نہ سمجھیں وہ تو پھر ان سے خدا سمجھے "- حکیم آغا جان سمجھہ گئے اور کہنے لگے " مرزا صاحب ! غنیمت هے کہ تم اس رنگ کو آخر ذرا سمجھے "- غرض تعریفوں کے ساتھہ ساتھہ مذاق بھی هوتا رها اور شمع اُستاد ذوق کے سامنے پہنچ گئی - اُستاد نے مرزا فخرو کی طرف دیکھہ کر کہا " صاحب عالم غزل پڑھوں یا کل جو قطعہ هوا هے وہ عرض کروں- کل رات خدا جانے کیا بات تھی کہ کسی طرح نیند هی نہ آتی تھی' لوٹتے لوٹتے صبح هوگئی' شب هجر کا مزا آگیا - اسی کشمکش میں ایک قطعہ هو گیا هے اجازت هو تو عرض کروں - مرزا فخرو نے کہا " اُستاد آج کا مشاعرہ سب بندوں سے آزاد هے ؛ غزل پڑھئیے رباعی پڑھئے ' قصیدہ پڑھئے' قطعہ پڑھئے ' غرض جو دل چاهے پڑھئے' هاں کچھہ نہ کچھہ پڑھئے ضرور " - اُستاد ذوق سنبھل کر بیٹھہ گئے اور یہ قطعہ ایسی بلند اور خوش آیند آواز میں پڑھا کہ محفل گونج اُٹھی اور اُن کے پڑھنے کے انداز نے کلام کی تاثیر میں اور زیادہ زور پیدا کردیا —

کہوں کیا ذوق احوال شب هجر　　کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے
نہ تھی شب ڈال رکھا تھا اک اندھیر　　مرے بخت سیاہ کی تیرگی نے
تپ غم شمع ساں هوتی نہ تھی کم　　اور آتے تھے پسینوں پر پسینے
یہی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے　　کہ او بے مہر بد اختر کمینے
کہاں میں اور کہاں یہ شب' مگر تھے　　مری جانب سے تیرے دل میں کینے
سوا اس ظلمت کے پردے میں کئے ظلم　　ارے ظالم تری کینہ وری نے
عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج　　پڑے یہ زهر کے سے گھونٹ پینے
حواس و هوش جو مجھہ سے قرین تھے　　قرینے سے هوئے سب بے قرینے
مری سینہ زنی کا شور سن کر　　پھٹے جاتے تھے همسایوں کے سینے

اٹھایا گاہ اور گاہے بٹھایا — مجھے بیتابی و بے طاقتی نے
کہا جب دل نے تو کچھ کھا کے سو رہ — بہت الماس کے توڑے نگینے
نہ ٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ — بہت سی جان توڑی جانکنی نے
بہت دیکھا نہ دکھلا یا ذرا بھی — طلوع صبح سے منہ روشنی نے
کہا جی نے مجھے یہ ھجر کی رات — یقیں ھے صبح تک دے گی نہ جینے
لگے پانی چوانے منہ میں آنسو — پڑھی یاسیں سرھانے بیکسی نے
مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی — لگا رکھے تھے میری زندگی نے
کہ قسمت سے قریب خانہ میرے — اذاں مسجد میں دی بارے کسی نے
بشارت مجھ کو صبح وصل کی دی — اذاں کے ساتھ یمن و فرخی نے
ھوئی ایسی خوشی اللہ اکبر — کہ خوش ھوکر کہا خود یہ خوشی نے
موذن مرحبا بر وقت بولا — تری آواز مکے اور مدینے

آخری شعر پر پہنچے تھے کہ برابر کی مسجد سے آواز آئی " اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! " اس کے ساتھ ھی سب کے منہ سے نکلا " تری آواز مکے اور مدینے " - آذان ختم ھوئی تو سب نے دعا کو ھاتھ اُٹھائے - دعا سے فارغ ھوکر مرزا فخرو نے کہا " صاحبو ! کچھ عجب اتفاق ھے کہ فاتحہ خیر ھی سے یہ مشاعرہ شروع ھوا تھا اوراب فاتحہ خیر ھی پر ختم ھوتا ھے "- یہ کہہ کر اُنھوں نے دونوں شمعوں کو جو چکر کھا کر ان کے سامنے آگئی تھیں بجھا دیا - شمعوں کے گُل ھوتے ھی نقیبوں نے آواز دی " حضرات مشاعرہ ختم ھوا "- یہ سننا تھا کہ چلنے کو سب کھڑے ھوگئے - سب سے پہلے مرزا فخرو سوار ھوے اور پھر سب ایک ایک کرکے رخصت ھوے - آخر میں ، میں اور نواب زین العابدین خاں رہ گئے - میں نے انکا شکریہ ادا کیا - کہنے لگے " میاں کریم الدین یہ تمہاری نیک نیتی تھی جو جو اتنا بڑا مشاعرہ بہ خیر و خوبی ختم ھوا - تمہارا کام بھی بن گیا اور میرا ارمان بھی نکل گیا - اچھا خدا حافظ " —

— تقدیر —

درماندگی میں غالب کچھہ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ' ناخن گرہ کشا تھا -

دوسرے روز سب سامان اُٹھہ گیا اور پھر وهی چھاپے خانے کی گھڑ گھڑ اور پریسمینوں کی گڑبڑ شروع هوگئی - دوسرے مهینے میں پھر مشاعرے کا اعلان کیا' اشتہار بھی تقسیم هوئے ' مگر گنتی کے آدمی آئے ' آخر یہ مجلس بند کرنی پڑی - کچھہ تو مطبع کے کام میں نقصان هوا' کچھہ ملازمین پیشگی رقمیں دبا بیٹھے ' غرض تھوڑے هی دنوں بعد میرے دوچار جاهل شرکا نے مجھ سے فریب کرکے مطبع چھین لیا - هر چند کہ میں نے سوچا تھا کہ اگر دعوی کروں ' حاکم بےشک میرا انصاف کریگا ' لیکن چند صدمات پڑجانے کی وجہ سے وہ ارادہ بھی پورا نہ هوا - اس مشاعرے کی کیفیت کے مسودات پڑے رہ گئے هیں ' دیکھئے کب چھپتے هیں اور کون چھاپتا هے —



مومن پر ایک نظر

از

(جناب ضیاء احمد صاحب ایم - اے بدایونی لکچرار اُردو، انٹرمیڈیٹ کالج - علی گڈھ)

جس زمانے میں هندوستان میں سلطنت مغلیه کا آفتاب نصف النهار پر جلوہ‌گر تها اور اسلامی تہذیب و تمدن کی شعاعیں نزدیک و دور پڑ رهی تهیں تمام اهل فن اپنے اپنے فنون کو ترقی دینے اور ان میں باریکیاں پیدا کرنے میں همه‌تن مصروف تهے - ایک طرف سلاطین و اُمرا کی فن شناسی اور سرپرستی مخفی استعدادوں کو قوت سے فعل میں آنے کی دعوت دیتی تهی دوسری طرف ارباب فن کی جدت اور جودت قدما کے چهوڑے هوے ذخیرے میں اضافه کرنے پر مائل تهی - فن تعمیر هو یا فن مصوری، نقاشی هو یا موسیقی، هرایک کے اندر ارتقا کا عمل جاری تها اور ضرورت کے بدلے تکلف کار فرما تها - جب یه حالت تهی تو غیر ممکن تها که فن شعر اس کلیے سے مستثنیٰ رهتا - چنانچه شاعری میں بهی انقلاب اور زبردست انقلاب هوا؛ متاخرین* نے متقدمین کی سادگی اور متوسطین کی مضمون آفرینی پر قناعت نه کرکے نازک خیالی اور بدیع‌الاسلوبی کی بنیاد ڈالی اور اسی موهوم بنیاد پر تخیل کے فرضی سربفلک قلعے تعمیر کردئیے - ظاهر هے که قدما نے واردات حسن و عشق کا کوئی پہلو نہیں چهوڑا تها اور اب ان فرسوده خیالات میں کسی قسم کی دلکشی

---

* متاخرین کی شاعری پر مفصل بحث همارے مضمون " ارتقاے ادب فارسی عهد اکبری میں " کا موضوع هے جو اُردو اور انگریزی میں شائع هو چکا هے —



باقی نہ تھی - اس لئے ضرور تھا کہ ہمارے شعرا انہیں خیالات میں استعارہ در استعارہ کے زور سے جدت طرازیاں اورموشگافیاں پیدا کریں- اسی کا نتیجہ تھا کہ عرفی* اور اس کے معاصرین نے تمامتر نزاکت تخیل اور ندرت اسلوب پر شاعری کا دارومدار رکھا - یہ لے یہاں تک بڑھی کہ آخر میں بیدل اور اس کے ہمعصروں کے یہاں شاعری معما بن کر رہگئی —

ملک کی فضا ابھی اِنہیں نغموں سے گونج رہی تھی اور بیدل و علی کی نکتہ سنجیاں مشاقان فن کے لئے ابھی شمع راہ بنی ہوئی تھیں کہ سنہ ۱۲۱۵ ھ میں مومن نے اس خراب آباد گیتی میں قدم رکھا —

شاہجہاں‌آباد جیسی مردم خیز سر زمین کا اثر ' دارالسلطنت کے ادبی چرچے ' خاندان کے علمی مشاغل' اور سب پر مستزاد مومن † کی نادرہ کار اور دقیقہ آفرین طبیعت ان سب نے مل‌کر تھوڑے ھی عرصے میں ان‌کی شاعری کو سحرسامری بنادیا ' رجحان طبعی نے طرز بیدل' کی طرف رہنمائی کی اور ندرت پسندی نے چند روز میں کلام کو شہرت کے عرش‌الکمال پر پہنچا دیا —

مگر اِس کو ان کی دقت پسندی کا اثر کہو یا ملک کی بد مذاقی کا ' ان کی شاعری کو مقبولیت عام نہ ہوی —

شعرو سخن سے مومن کو فطرتاً ذوق تھا اور بقول شمس‌العلما آزاد عاشق مزاجی نے اسے چمکادیا - ان کی شاعری پر حقیقت میں "قلندر ھرچہ گوید دیدہ گوید" کی مثل پورے طور پر صادق آتی تھی - یہی وجہ تھی کہ جو بات ان کی زبان سے نکلتی

---

*ھندوستان میں عرفی وغیرہ جو نازک خیالی کے دل دادہ تھے' فغانی کے مقلدین میں گنے جاتے تھے- اِس‌کے برخلاف ایران میں شرف جہاں کی معاملہ بندی‌کادور دورہ تھا -

† مومن کے ہم عصر و حریف استاد مرزا غالب بھی اپنے کو طرز بیدل کا متبع کہتے تھے' جس کا انہوں‌نے اپنے اشعار میں بھی اعتراف کیا ھے - مگر جیساکہ ہم آیندہ بتائیں‌گے مومن اس رنگ میں ان کے شریک غالب ھیں —

تھی درد و اثر کے اعتبار سے نشتر بنکر نکلتی تھی - اور" ازدل می خیزد و بر دل می ریزد" کی مصداق ھوتی تھی - تجربہ اسکا شاھد ھے کہ اگر چہ مومن کا کلام عوام میں مقبول نہ ھوا تاھم ھرزمانے میں خواص اونکی اشعار پر سردھنتے رھے ھیں - مومن کے ھم عصروں (ذوق و غالب) میں ھر ایک بے شبہ اپنے رنگ میں بے نظیر اور با کمال استاد گذرا ھے ' مگر انصاف سے دیکھئے تو مومن کا درجہ بھی کسی سے نیچے نہیں ھے - البتہ یہ مومن کی بد قسمتی کہ اونکو کوئی آزاد یا حالی نہیں ملا جو انکے محاسن کلام کو ملک کے سامنے نمایاں طور پر پیش کر تا —

ایسی حالت میں جبکہ مومن پر ناقدانہ مضمون لکھنے کےلیئےکسی موزوں ھستی‌کی ضرورت تھی'عالی جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردوکا اس کیلئے ارشاد اورمیری تعمیل دونوں حیرت انگیز ھیں-مگر محض اس خیال سے امتثال‌امر کی جرات کی گئی کہ مجھے ذاتی طور پر مومن سے خاص دلچسپی ھے - نیز یہ گمان ھے کہ شاید میری یہ جسارت اُن ھل قلم کےلیئے محرک بن سکے جو اس مبحث پر تحریر کر نےکے مجھہ سے زیادہ اھل ھیں —

حکیم مومن خاں کے کلیات پر بالاستیعاب نظر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح آشکارا ھوجاتا ھے کہ ایک طرف اونکی حسن پرستی اور عاشق مزاجی کے باعث کلام میں سوز و گداز اور تاثیر و درد کی بجلیاں کوندتی ھیں اور دوسری طرف انکی روش عام سے بیزاری اور ندرت پسندی کی بدولت شاعری کے مطلع پر اخلاق و ابہام کی گھٹائیں چھا جاتی ھیں- یہ بحث بڑی تفصیل چاھتی‌ھےاور ضرورت ھے کہ مومن کی ھر صنف شعر اور اس کے خصوصیات کو کھول کر بیان کیا جائے - لیکن اصناف سخن پر بالترتیب بحث کر نے سے پیشتر مناسب معلوم ھوتا ھے کہ مومن کی وہ خصائص جو عام طور پر انکی تمام شاعری کا امتیازی جوھر ھیں پیش کروں —

خصائص کلام مومن

(۱) تغزل - غزل سے ماخوذ ھے جس کے معنے لغت میں "حکایت از جوانی و حدیث عشق با زنان" ھیں - اور حقیقت یہ ھے کہ خاں صاحب کی زندگی اور اُن کی شاعری دونوں اس تعریف کی صحیح مصداق ھیں- اُن کی زندگی سراپا عشق تھی اور اُن کا کلام یکسر تغزل - عرب کے شاعر کی طرح وہ موھوم وصل اور مصنوعی ھجر کے تخیل سے نا آشنا تھے بلکہ جو کہتے تھے دل کے جوش اور طبیعت کی اُمنگ سے کہتے تھے —

اُن کی رندی و سرمستی اخلاقی نقطۂ نظر سے کتنی ھی بدنما سہی مگر اس سے انکار نہیں ھوسکتا کہ اسی صفت نے اُن کے کلام میں وہ سوز وگداز پیدا کردیا جس سے اُن کے ھم عصروں کی شاعری عاری ھے - یہ رنگ اس قدر گہرا ھے کہ غزل و مثنوی تو در کنار قصیدوں میں بھی ھر جگہ نمایاں نظر آتا ھے ' اُن کی معاملہ بندی یا وقوعہ گوئی کو دیکھہ کر ھر ھر قدم پر جرأت کا دھوکا ھوتا ھے - ذیل کی مثالوں سے اس کا کسی قدر اندازہ ھوگا —

مضامین تغزل و واردات عشق· —

وصل

شب وصل آپ کا عذر نزاکت — بجا ھے' پر نہ مجھہ سے نیمجاں سے

وصل* کی شب شام سے میں سو گیا — جاگنا ھجراں کا بلا ھوگیا

نہ جاے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھہ گئی — بہار ' وضع ترے مسکرا کے آنیکی

یا رب وصال یار میں کیونکر ھو زندگی — نکلی ھی جان جاتی ھے ھر ھر ادا کیسا تھہ

وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے — کہ جو ھے کم ھے یہاں شوق جانفشاں کیلئے

کشاد دل پہ باندھی ھے کمر آج — نہیں خیر آپ کے بند قبا کی

---

* اس مضمون سے ملتا ھوا مرزا غالب کا شعر ھے اور انصاف یہ ھے کہ کہیں بہتر ھے - خوش ھوتے ھیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے :—

آئی شب ھجراں کی تمنا مرے آگے

هجر

مرگ نے هجراں میں چھپایا هے منه — لو منه اُسی پردہ نشیں کا کیا

جانا حرام هجر بتاں میں تو کیا گناہ — پیر مغاں شراب هے شیشه میں سم نهیں

خار بستر په شب هجر بچھاوں کیوں کر — دل میں تو هے وہ گُل اندام اگربر میں نهیں

تو کہاں جاے گی کچھه اپنا ٹھکانا کر لے — هم تو کل خواب عدم میں شب هجراں هونگے

شب هجر میں کیا هجوم بلا هے — زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

رشک

یه مومن کا مخصوص مضمون هے جس کے وہ بلا شرکت غیرے مالک هیں —

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل — میں کوچهٔ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

دیکھه اپنا حال زار منجم هوا رقیب — تها ساز گار طالع ناساز دیکھنا

شاعر نے اپنی بد نصیبی کی داستان منجم کو سنائی ' مگر سوے اتفاق که وہ خود رقیب بن بیٹھا ' اور اُس (شاعر) کے ستارے کی گردش دیکھه کر اُس کو اپنی کامیابی کے خواب نظر آنے لگے —

رشک فغاں کی هاے رقیب آفرینیاں

محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

یعنی محشر نے میری فغاں کے رشک میں صور پھونکا مگر افسوس خرابی یه هوئی که نفخ صور کے ساتھه هی بے شمار رقیب بھی پیدا هوگئے —

وہ علی‌الرغم عدو مجھه پر کرم کرتے هیں

هے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے هیں

اُستاد ذوق کا شعر بھی سننے کے قابل هے —

سمجھے هے واجب الرعایت دوست — دشمنوں کی رعایتوں سے مجھے

وهم فغان غیر نے سینه جلا دیا

آتش لگی تھی کوچهٔ دلدار کی طرف

غیروں* سے شکر لب سخن تلخ بھی تیرا　　ہرچند ہلاہل ہو گوارا نہ کریں گے

رشک پیغام ہے عناں کش دل　　نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

رندی

کم ظرفی اغیار پہ ساقی کو نظر ہے　　افسوس ہے آلودہ لب جام نہ ہوگا

خاک میں حیف یہ شراب ملے　　محتسب! بادہ خوار ہونا تھا

حوض میخانہ پئے سے بھی مرا جی نہ بھرا　　کیا تنک ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں

چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں پتہ　　ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں

وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں　　بہ تنگ آکے حریفان بادہ خوار مجھے

خم کدہ کشی کی ترکیب اُن کی ایجاد خاص ہے۔ حریف اِس لئے زہر دیتے ہیں کہ میں (شاعر) اُن کے لئے شراب کا قطرہ باقی نہیں چھوڑتا —

جنون اور اس کے لوازم

لیچلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس　　جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

ہم چارہ گر کو یونہی پہنائیں گے بیڑیاں　　دم میں ہمارے گر وہ پری زاد آگیا

دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوش جنوں چین　　ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا

سمجھتا کیونکہ دیوانے کی باتیں　　نہ پایا محرم اپنے رازداں کو

دست جنوں نے میرا گریبان سمجھ لیا　　الجھا ہے اُن سے شوخ کے بندقبا کے ساتھ

صبر یارب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں　　چارہ فرما بھی کبھی قیدئی زنداں ہوں گے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی　　پھر وہی پاؤں وہی خار مغیلاں ہوں گے

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا　　خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے

---

* مرزا فرماتے ہیں

ہے ہم کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ
ہرچند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

مگر خاں صاحب کا انداز بیان زیادہ نادر ہے —

جلوں میں بھلا کوئی کیا خاک اُڑاے   کہ اک جوش ھی میں زمیں ھوچکی

یہ‌ناتواں ھوں کہ ھوں اور نظر نہیں آتا   مرا بھی حال ھوا تیری ھی کمر کا سا

صبر و حشت اثر نہو جاے   کہیں صحرا بھی گھر نہو جاے

میرے* تغئیر رنگ کو مت دیکھہ   تجھے اپنی نظر نہو جاے

زار نالی

اُس‌کوچے‌کی ھوا تھی‌کہ میری‌ھی‌آہ تھی   کوئی تو دل کی آگ پہ‌پنکھا سا جھل گیا

بجھہ گئی اک آہ میں شمع حیات   مجکو دم سرد نے ٹھنڈا کیا

نالہ اک دم میں اُڑا ڈالے دھوئیں   چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

کوئی‌تیراُس کادل‌میں‌رھگیا تھا‌کیا‌کہ‌آنکھوں‌سے   ابھی رونے میں اک‌پیکان کا ٹکڑا نکل آیا

چھوڑا‌نہ‌کچھہ‌بھی سینے‌میں‌طغیان اشک نے   اپنی ھی فوج ھوگئی لشکر غنیم کا

بجلی گری فغاں سے مری آسماں پر   جو حادثہ کبھی نہ ھوا تھا سو اب ھوا

آتش آہ بے اثر سے مري   آسماں گلشن خلیل ھوا

شاعر نے آتش (آہ) کے بے اثر ھونے کے لحاظ سے آسماں کو گلشن خلیل سے تشبیہ دی ھے اور یہ تشبیہ درحقیقت اپنی ندرت میں لاجواب ھے —

اے پردہ نشیں چلون اٹھادے کہ نہ جلجاے
کرتا ھوں میں سوز غم پنہاں کی شکایت

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بلد غم نہیں قید حیات ھے

---

* میر تقی کا مشہور شعر ھے —:

میرے تغئیر رنگ پر مت جا   اتفاقات ھیں زمانے کے

مگر مومن کے یہاں ترقی معلوم ھوتی ھے : پھر بھی الفضل للمتقدم-

+ اسی مضمون کو مرزا نے یوں ادا کیا ھے :-

قید حیات‌وبند غم اصل میں دونوں ایک ھیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاے کیوں

[باقی بر صفحہ آیندہ]

ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوش آب میں

یہ اوپر کی مثالیں چند مخصوص عنوانوں سے متعلق ہیں جو کسی طرح جامع نہیں کہے جاسکتے - اور سہولت کی غرض سے یہ مثالیں صرف غزلیات ہی سے انتخاب کی گئی ہیں (اور فی‌الحقیقت غزل کو مومن کی معراج‌الکمال سمجھنا بھی چاہئے) تاہم قارئین کرام کو بآسانی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ایک ایک شعر جوش قلب اور صدق جذبات کا آئینہ ہے —

قصائد کی تشبیب میں شعرائے سلف بالعموم بہاریہ مضامین یا مناظرے وغیرہ سے ابتدا کیا کرتے تھے - خاں صاحب نے تشبیب کو اس کے حقیقی معنے میں منحصر کردیا - گویا ان کی تشبیب میں سر تا پا تغزل کی شان نظر آتی ہے - مثال کے لئے قصیدہ سوم، چہارم، پنجم، ہفتم‌ملاحظہ ہوں- امثلۂ بالا اس‌امرکی شاہد عدل ہیں کہ مومن کا کلام ایک طرف تغزل اور لطیف تغزل میں رئیس‌المتغزلین نظیری کی یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف معاملہ بندی و وقوعہ گوئی میں میلی و وحشی کا نقش ثانی نظر آتا ہے —

مومن کے بعض بعض مسلسل غزلوں پر واسوخت کا گمان ہوتا ہے مثلاً وہ غزل جس کا آغاز یہ ہے - اب اور سے لو لگائیں گے ہم - یا - تو بہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے —

نازک خیالی اور بلند پروازی - متاخرین فارسی کی شاعری کا یہ خاص مابہ‌الامتیاز جوہر ہے کہ وہ کمزور سی بنیاد پر تخیل کی بلند عمارت قائم کردیتے ہیں - ان کے کلام میں عموماً اِغلاق اور دقت پائی جاتی ہے جس کی وجہ یاتو یہ ہے

[بقیہ صفحۂ گزشتہ]
مگر جذبہ داری کا الزام نہ لگایا جائے تو کہا جا سکتاہے کہ خاں صاحب کا اسلوب زیادہ لطیف ہے —

کہ مبالغہ اس قدر پر از غلو اور بعید ہوتا ہے کہ عام ذہن کی رسائی اوس تک محال ہوتی ہے ؛ یا یہ کہ تمام شعر کی بنا ایہام یا رعایت لفظی پر رکھی جاتی ہے؛ یا استعارہ در استعارہ کی بدولت اصل خیال حقیقت سے دور جا پڑتا ہے یا بڑے خیال کو مختصر عبارت میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ شعرائے متاخرین کے مقلدین کا کلام فارسی و اُردو بھی اسی صفت سے متصف نظر آتا ہے ۔ غالب اور مومن کی نازک خیالی دیکھکر اِن با کمالوں کے انتقال ذہن کی داد دینی پڑتی ہے ' مگر حق یہ ہے کہ گو تخئیل کے بغیر شاعری ناقص ہے پھر بھی بے اعتدالی کی حدتک پہنچ کر تخئیل بے مزہ ہوجاتی ہے —

بہرحال اشعار ذیل پڑھئے اور حکیم صاحب کی بلندئی خیال کا اعتراف کیجئے۔ مثلاً وہ ایک شعر میں شام وعدہ اپنے تھک کر سورہنے کو کس خوبی سے ''شکوۂ ستم اضطراب'' قرار دیتے ہیں —

پھرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ سورہے آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

یا معشوق کے نہ دیکھنے کو کس شوخی سے '' نگہۂ التفات'' ثابت کرتے ہیں —

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اوس کا نہ دیکھنا نگہۂ التفات ہے

شاعر خوف رسوائی سے معشوق کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور اس کے دیکھنے سے شرم کرتا ہے ' لیکن یہی شرم موجب رسوائی ہوگئی اور دیکھنے والے اس بیگانہ وشی کودیکھکر تاڑ گئے کہ دل میں چور ہے ورنہ غیر ممکن ہے کہ ایسے پری وش کو کوئی نہ دیکھے —

اُن سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی مجکو مری شرم نے رسوا کیا

اسی مضمون کو مرزا صاحب نے دوسرے پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے —

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوڑاچاہئے

اختر شناش (منجم) عوام کے عقیدے میں آنے والے واقعات سے با خبر ہوتا ہے ' اگروہ اتفاق سے بد نصیب ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قبل از وقت اپنے آئندہ

مصائب سے مطلع ہو جائیگا اور بجاے اس کے کہ نوشتۂ تقدیر کو مٹا سکے اُس کا ہر ایک لمحہ کرب و الم میں گذرے گا - حکیم مومن خاں جو در اصل اختر شناس تھے اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ھیں—

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ھے ستم ایجاد کیا

شاعر نے محبوب سے بے رخی کا شکوہ کیا جس پر اُس نے یہ عذر کیا کہ میں تمہارے جذب دل کا امتحان کرتا تھا کہ اگر واقعی طلب صادق اور جذب کامل ھے تو مجھے خود کھینچ بلاے گا—

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مومن نے غم مآل کے خیال سے عشق صنم ترک کیا، مگر دیکھا تو ترک صنم بھی سوز جحیم سے کم نہیں؛ گویا جس انتہا کے خوف سے عاشقی چھوڑی تھی ابتدا ھی میں وہ دکھہ پیش آیا—

ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے
مومن غم مآل کا آغاز دیکھنا

شرع مطہر میں ایک طرف تو دوزخ کی یہ تعریف کی گئی ھے کہ "وقودھا الناس والحجارۃ" (اُس کا ایندھن انسان اور بت ھوں گے)، دوسری طرف کافروں سے دوزخ میں عذاب الیم کا وعدہ کیا گیا ھے - شاعر اپنے زعم میں یہ سمجھتا ھے کہ اگر دوزخ میں کافروں کے ساتھہ بتوں کو بھی رکھا گیا تو عذاب الیم بھی راحت جاوداں بن جاے گا - اس لئے دریافت کرتا ھے

واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں؟
ھے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

بیقراریٔ کامیاب کو جس کی تاثیر سے معشوق بے چین ھو جائے دنیا سراھتی ھے؛

مگر مومن اپنی بیقراریء ناکام کے ممنون ہیں کہ معشوق جیسے شوخ طبع کو اُس نے سنبھال لیا—

تاثیر بیقراریء ناکام، آفریں!
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا

ناصح کی دوستی کو عشق کے مذہب میں ہمیشہ عداوت مانا گیا ہے لیکن مومن کا شاعرانہ استدلال قابل داد ہے۔ لکھتے ہیں—

جیب درست لایق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

یعنی جب میرا گریباں ثابت ہوگا تو کون مجھ پر رحم کرے گا—

رقیب عمر دراز کی دعا مانگتے ہیں، مگر شاعر کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ زمانۂ ہجر ہی دراز ہوتا ہے کیونکہ مہلت وصل کا مختصر ہونا امر بدیہی ہے—

عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمان ہجر کے امیدوار ہیں

گھر کا صحرا ہونا تو معمولی بات ہے، مگر خاں صاحب کس خوبی سے صحرا کے گھر ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں—

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے
کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے صحرا پر قناعت کرلی ہے مگر خوف یہ ہے کہ کہیں وہ بھی گھر کی طرح کاٹنے کو نہ دوڑے—

دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

رشک فغاں کی ھاے رقیب آفرینیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

یہی حال قصائد کا ھے۔ دیکھئے ایک بڑے خیال کو کن مختصر الفاظ میں ادا کرتے ھیں—

مدد غیب پہ کی لشکر مغلوب سے صلح
کہ مسلمان نہوں معتقد طالع شوم

مراد یہ ھے کہ ممدوح (سیدنا امام حسن رض) کے مخالفوں کے طالع میں نحوست ھے، اگر آپ اُن سے لڑتے تو وہ ضرور ھارتے: اس طرح سے مسلمانوں کو اُن کی نحوست کا یقین اور واثق ھو جاتا، مگر چونکہ نحوست اور سعادت کا اعتقاد شرعاً ممنوع ھے اس لئے حضور نے عامۂ مسلمین کو اس بد اعتقادی سے بچانے کے لئے لشکر مغلوب سے صلح کرلی—

دل روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں
صرف آئینہ ھوا خاطر حاسد کا غبار

ممدوح کے دل روشن نے حاسد کو حیرت زدہ کردیا، گویا اس حیرت کی وجہ سے (نہ کہ صفا سے) اُس کا دل آئینہ ھو گیا اور اُس کے غبار خاطر میں یہ خاصیت پیدا ھو گئی کہ وہ اس آئینے کے صیقل کا کام دے سکے: یعنے دل حاسد کی حیرت کو اور ترقی دے۔ فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضاً—

اُن کے کلیات کا بامعان نظر مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ھیں کہ اُن کے قصائد اور غزلیات سر تا پا نازک خیالی اور بلند پروازی کا اعلیٰ نمونہ ھیں۔ ان کی مضمون آفرینی کہیں کہیں خاص لطف دے جاتی ھے، جس سے ھر صاحب ذوق سلیم موسن کے علو خیال کے اعتراف پر مجبور ھو جاتا ھے؛ مگر بعض مواقع پر خیال کی رفتار اس قدر دور از کار اور مضمون اتنا مستبعد ھوتا ھے کہ اُس کے حل کرنے کے لئے ایک مسئلۂ ریاضی سے کم محنت نہیں پڑتی۔ روش عام سے علیحدگی ھر ھر قدم پر

اس درجہ نمایاں ہے کہ کلام کا اغلاق طبیعت کو اُلجھن میں ڈال دیتا ہے اور نشاط روح ہونے کے بجائے شعر دماغ پر بار ہو جاتا ہے —

۳ - ندرت اسلوب بیان ور شوخیٔ ادا —

یہ خصوصیت حکیم صاحب کی شاعری میں نہایت امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور لاریب کہ اس میں اُن کا نظیر محال نہیں تو قریب محال ضرور ہے۔ وہ سیدھی سی بات کو ایسے انوکھے پیرایے میں بیان کرتے ہیں کہ سامع حیران رہ جاتا ہے —

مثلاً مقصود یہ ہے کہ محبوب کی گالی بری نہیں معلوم ہوتی - اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں —

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

اور سنئے —

محفل میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ
بدنامیٔ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اس کو طفل تسلی کہئے یا طنزیہ شوخی' بہر حال خوب ہے —

معشوق قتل عام کرتا ہے: شاعر کو اُس کی عاشق کُشی پر کوئی اعتراض نہیں' صرف یہ شکایت ہے کہ اگر ایک کے سامنے دوسرے کو قتل کیا جاتا تو سفاکی کا منشا زیادہ خوبصورتی کے ساتھ پورا ہوتا —

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

سبحان اللہ ! شعر نہیں جادو ہے —

حرم کی یہ شان ہے کہ اس کا دروازہ ہر خاص و عام کے لئے کشادہ ہے : نیز یہ کہ وہاں کشت و خون منع ہے - خاں صاحب اُس سے یوں مضمون پیدا کرتے ہیں —

درباں کو آنے دیجئے پہ میرے نہ کیجے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

ذیل کے اشعار سے قارئین کرام یہ اندازہ کر لیں گے کہ مومن کا اسلوب بیان کس قدر نادر تھا - ہم ان اشعار کو بلا تشریح نقل کر دینے پر اکتفا کریں گے —

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

شومیٔ بخت تو ہے چین لے اے وحشت دل
دیکھ زنداں ہے کوئی دن یہ بیاباں ہوگا

ہنسیں نہ غیر مجھے بزم سے اُٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

دیت میں روز جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

اُلجھا ہے پاوں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

تم * مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

بجلی گری فغاں سے مری آسماں پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

آغشتہ بخون دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
اُلٹا کف جلاد میں دامن ہے ہمارا

جذب دل اُسے کھینچ کے لائے تو کہاں لائے
جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا

---

* یہ شعر در حقیقت مومن کے شاہ کاروں میں شمار ہونے کے قابل ہے - اورمشہور ہے کہ مرزا غالب اس کو بار بار پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے ' اور اپنے دیوان سے بدلنے کو تیار تھے —

بتخانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن خضر راہ برہمن ہے ہمارا
جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا
بیزار جاں سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد، شکایتوں پہ تری، مدعی سے ہم
بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجکو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں
ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں اُن کا مدعا ہوں
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوے آشیاں نہیں
اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نا رسا عبث *
رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہان خراب میں
جی اُٹھے اور وہی رنج محبت کا عذاب
ہم نہ مانیںگے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں

---

* اسی مضمون کو مرزا صاحب نے دو موقعوں پر باندھا ہے —
دل میں آ جاے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
ایضاً
نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

دے دیا کیجئے بوسہ طلب اول پر
سچ کہا تم نے مزہ حرت مکرر میں نہیں

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
کہیں پامال سر نہو جاے

رقیب کہاے قسم تو وفا کا آے یقین
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیان کے لئے

کبھی' انصاف ہے دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اوس کو میں رہا کی

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے

وہ آے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی • لاوں کہاں سے

نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
کریں ہم کیا نکل کر آشیاں سے

• زندگی کی تمنا کس انوکھے انداز سے کی ہے - یہ مکر شاعرانہ ہر آئینہ قابل ستایش ہے —

مانگا کریں گے اب سے * دعا ھجریار کی
آخر تو دشمنی ھے اثر کو دعا کے ساتھ

علی ھذا قصائد کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ شاھراہ عام سے کس قدر الگ چلتے ھیں —

یہ احتساب کی اس نے نئی نکالی راہ
ھوا وفور سخاوت سے مانع سائل

ھر بار کیوں نہو تری تلوار تیز تر
اعدا کی ھے قساوت قلبی فسان تیغ

جوھر ترے مخالف مجروح میں نہیں
کوئی مگر یہی کہ وہ ھے قدرداں تیغ

سائلوں کو جو وہ دیتا ھے طلب سے پہلے
فرط بخشش سے نہ مجمع رھے کوچہ میں نہ دھوم

ایسی وحشت سرا میں آے کون بے دری کر رھی ھے در بانی

اِسی طرح مثنوی میں فرماتے ھیں - (ھجو)

گر نہ تھا غنچہ دھن گلرنگ تھا گو زبان سے ھو ' و لیکن تنگ تھا

حمد میں کہتے ھیں —

وہ حافظ کہ آتش سے خس کو بچاے غم عشق سے بوالہوس کو بچاے

اِسی سلسلے میں شوخئی ادا کی تمثیل کے لئے ذیل کے اشعار پر اکتفا کی جاتی

---

* مرزا فرماتے ھیں :—

خوب تھا پہلے سے ھوتے جو ھم اپنے بد خواہ کہ بھلا چاھتے ھیں اور برا ھوتا ھے

مگر واقعہ یہ ھے کہ مومن کا طرز بیان زیادہ شاعرانہ ھے اس طرح کے ھم مضمون اشعار محض تفنن طبع کے لئے دیدئےھیں ' حاشا اس سے مرزا کی تنقیص مقصود نہیں نہ اس قسم کا موازنہ شعرا کے مجموعی طرز پر کوئی معتدبہ اثر ڈال سکتا ھے -

ھے ؛ مذاق سلیم کلیات مومن سے اس قسم کی بیشمار مثالیں اخذ کر سکتا ھے —

نجاؤں گا کبھی جنت کو میں نجاؤں گا
اگر نہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا
ھم چارہ گر کو یونہیں پنہائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پریزاد آگیا
کس دن تھی اس کے دل میں محبت جو اب نہیں
سچ ھے کہ تو عدو سے خفا بےسبب ھوا
خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ھے وہ شوخ
مجکو یہ غم ھے کہ میں کیوں ترا قاتل نہوا

اِسی ضمن میں حضرت ناظم کا شعر پڑھو اور مومن کی شوخی سے موازنہ کرو -
ناظم (نواب یوسف علی خاں) فرماتے ھیں —

کر کے خون ایک کا جا بیٹھے ھیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ھیں کہ مرے در پہ ھے غوغا کیسا

انصاف سے کہو مومن کے شعر میں کس قدر ترقی ھے —

اِسی طرح معشوق کے عاشق ھونے کا مضمون اکثر اساتذہ نے باندھا ھے - مرزا لکھتے ھیں :—

عاشق ھوئے ھیں آپ بھی اک اور شخص پر — بارے ستم کی کچھہ تو مکافات چاھئے

لیکن خاں صاحب کا انداز بیان سب سے نرالا ھے ' اُن کا شعر ھے —

عاشق ھوے ھیں آپ کہیں' گو اُسی پہ ھوں
شب حال غیر مجھہ سے زیادہ خراب تھا

عاشقی کا اثر دکھانا مقصود ھے یعنی بےخودی اور دوسروں سے بے اعتنائی' اسی کا نتیجہ تھا کہ " شب حال غیر مجھہ سے زیادہ خراب تھا " - مگر یہ ٹکڑا " گو اسی پہ ھوں " شوخی ھے اور بے پناہ شوخی —

دونوں با کمال اُستادوں کے کلام کو نکتہ سنج انصاف کی ترازو میں تولیں اور دیکھیں کہ کس کی شوخی کا پلہ بھاری ہے - الحق کہ یہ محاسن وجدانی ہیں نہ کہ استدلالی - ہر شخص کا ذوق صحیح بجائے خود فیصلہ کر سکتا ہے - اور دو تین مثالیں ملاحظہ کیجئے :—

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجکو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

کرڈرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سودا گری زیاں کے لئے

علی ھذاالقیاس شوخی کی تمثیل میں مثنوي دوم کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں جہاں محبوب کے حسن کا حضرت یوسف(ع) کے حسن سے موازنہ کیا ہے ، یہاں بخوف طوالت ترک کئے جاتے ہیں —

ندرت اسلوب کے تحت میں ایک نہایت اہم نکتہ قابل گزارش ہے، یعنی مومن کے کلام میں ایک مخصوص وصف ہے جس میں کوئی استاد ان سے بہتر تو در کنار ان کے برابر بھی نہوسکا - وہ یہ کہ مومن اپنے مطلب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ مخاطب اس میں اپنا فائدہ تصور کرتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ دشمن کی طرف نہ دیکھو، مگر ان غریب کی سنے کون؛ تو یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں—

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

دیکھو ذیل کے شعر میں رقیب کے خط کی تعظیم سے کس طرح روکتے ہیں —

سرمگیں آنکھوں سے تم نامہ اٹھاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

مسلمہ اصول ہے کہ عادت کے خلاف ہر بات تکلیف دیتی ہے - غور کرو اس سے کیونکر فائدہ اُٹھایا ہے - فرماتے ہیں —

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

اسی رنگت کے اور چند شعر ملاحظہ ہوں—

مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا
خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا
درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجیے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا
شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردش ایام ہم
لذت جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اُسے ارباب ستم دیتے ہیں
خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیونکر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں
دے دیا کیجئے بوسہ طلب اول پر
سچ کہا تم نے مزا حرف مکرر میں نہیں
پاؤں تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگ ستم سے پس کے
وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

یہ مکر شاعرانہ مومن کا طرز خاص ہے اور اُردو شاعری میں اوروں کے یہاں بہت کمیاب ہے - اصل یہ ہے کہ وہی اس رنگ کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی—

(۴) لطافت تشبیہات و استعارات —

اکثر مقامات پر تشبیہ و استعارہ کی خوبی نے کلام کے حسن کو دوبالا کردیا ہے اور اثر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے جیسے —

کیا کیا شکن دئے ہیں دل زار کو مگر اُس کے خیال میں ورق انتخاب تھا

قاعدہ ہے کہ کتاب میں جو منتخب ورق ہوتا ہے اُس کو موڑ دیتے ہیں—

ہم‌رنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا
طوفان باد ہے مجھے جھونکا نسیم کا

چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیان اشک نے
اپنی ہی فوج ہوگئی لشکر غنیم کا

محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

آتش آہ بے اثر سے مری
آسمان گلشن خلیل ہوا

سوز دل سے گئی جان بخت چھکنے کے قریب
کرتے ہیں موسم گرما میں سفر آخر شب

مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخر شب

ہر دم رہیں کشمکش دست یار ہیں
چلمن کے تار کس کے گریباں کے تار ہیں

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے

کبھی انصاف ہے دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اُس کو میں رہا کی

بے سبب قتل سے آیا نظر انجام اپنا
سرمۂ دیدۂ دشمن ہے مری خاک مزار

ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ

دشمنوں کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کر دیا تیغ گریباں نے دوپارہ حلقوم

خط بیاض صبح وہ شعلہ دم اژدر سپید
عکس سے جس کے آب ہو آئینۂ سکندری

طرہ یا روز سیاہ بوالہوس
جعد رشک دود آہ بوالہوس

کہیں کہیں مرکب اور مسلسل تشبیہات خاص لطف دیتی ہیں؛ دیکھو مثنوی پنجم (اشعار ہجو)- بعض موقعوں پر صائب کی سی مرکب تشبیہات اور اخلاقی تمثیلات بھی لکھی ہیں مگر چونکہ وہ اُن کی رنگ کی نہیں اس لئے بے مزہ ہیں- جیسے—

بے صبر کو کہاں تپ داغ جگر سے فیض
گلچیں کو کب ہوا شجر بارور سے فیض

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض

ہے چرخ سے اُمید کشایش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک هی میں بخیلوں کا مال هے
دیکھو تو هے کسی کو بھی غنچه کے زر سے فیض
تصویر سے ترے مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنه کام کو آب گہر سے فیض

(۵) شکوہ و زور۔

مومن کی شاعری (اور خصوصاً قصائد) میں زور و شکوہ اس درجه پایا جاتا هے که کوئی شخص تعریف کئے بغیر نهیں رہ سکتا۔ اُن کے کلام کا زور اور موقع به موقع تعلی کا جوش دیکھه کر معاً عرفی کا دھوکا هوتا هے۔ اسی کے دوش به دوش شکایت زمانه کی تلخ نوائی اس قدر پر اثر هے که پڑھنے والے کا دل همدردی کے جذبات سے لبریز هو جاتا هے۔ اس مبحث کی مزید تفصیل کئے بغیر هم اپنے دعوے پر ذیل کے اشعار بطور شاهد پیش کرنا کافی سمجھتے هیں—

مومن تجھے تو وهب هے مومن هی وہ نهیں
جو معتقد نهیں تری طبع سلیم کا
کٹتی هے میری تیغ زباں سے زبان تیغ
کیونکر سخن فروش هوں سوداگران تیغ
میرے نفس کی دیکھه کے معجز نمائیاں
کیا دور هے که دم نه رهے درمیان تیغ
فردوسی ایک خار جنان بیان تھا
گلریز میرے دم سے هوئی داستان تیغ
میدان کشت و خوں میں مرا دست نے سوار
جاے عناں کشیدہ تو هو هم عنان تیغ
هرگز نه کر سکے مرے خامه سے سرکشی
پیدا سر نگوں سے هے عجز عیان تیغ

مت پوچھہ مجھہ سے خون عنادل کا ماجرا
ہر گل زمین شعر یہ ہے آسمان تیغ
کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھہ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہم و گمان تیغ

چند شعر اور ملاحظہ ہوں—

کیا ہوئی وہ بلندیء دیوار
کیا ہوے وہ عماد طولانی
جاے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ
کاہ کرتی ہے ناز ریحانی
نظر آتی نہیں وہ تصویریں
نقش دیوار کیوں نہ ہو مانی
صرف دلق گدا ہوے پردے
زینت افزاے کاخ سلطانی
آپ کا شانہ فرش خاک ہوا
کیسے غالیچہاے کاشانی

....

وہ خردمند ہوں کہے ہے مجھے
عقل اول حکـــیم لاثانی
میں روش دان حکم برجیسی
میں ادا فہم سیر کیوانی
ہوں وہ نباض جس کے ناخن میں
حرکات عروق شریانی
آئنہ ہے صفا سے دل میرا
کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی
میرے خامہ کے جوش گریہ سے
روے دیتا ہے ابر نیسانی
سامنے میری تر زبانی کے
نطق الکن حدیث سحبانی
میرے ربط کلام کو پہونچے
نثر سعدی نہ نظم سلمانی
میرے زاغ قلم کی نیم صریر
صد صفیر ہزار دستانی
میرے گوہر تمام ناسفتہ
میرے یاقوت سب بدخشانی
میرے نسبت سے خاک ہند کو ہے
رونق سرمۂ صفاہانی

(۶) تراکیب جدیدہ -

کلام میں فارسی کی عمدہ ترکیبیں اور دلکش تراشیں ہیں جو کہیں کہیں

بقول آزاد اُردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ھیں' تا ھم مجموعی طور پر نہایت دل پسند اور مفید ھیں بلکہ انصاف یہ ھے کہ غالب کی ترکیبوں سے شوخ تر ھیں۔ مومن کی مجتہدانہ اختراعوں میں ذیل کی بندشیں خاص طور پر قابل ذکر ھیں۔ اشعار بہ خوف طوالت نقل نہیں کئے گئے —

خموشی اثر (جس کا اثر خاموشی ھو) - اجل چارہ (جس کا علاج موت ھو) آشوب کاہ حشر غم - جراحت زار - امام اقتداسنت - آمین سرا - زبان اجابت فشاں - دم خوں‌نابہ ریز - حادثہ ریز - زخم ریز - تیر بار - رند خمکدہ کش - جراحت منکر - ابر تند بار ظفر - گرم پائی برق تپاں - زبان بیہدہ سائل - گلریز تکلم - بے پروا خرامی - زود کشتن - غم ھلاک شدن - حسرت فرماں روا - ذوق بخش - تنق بند بہ دور آور - بہ الم خو کردہ - بخت بخواب آسودہ - عقوبت ربا - قدم فرسا - خواب تہنایاب - عشق جبلت - زبون اضطراب - مصیبت بہرہ - قبول شوق دشواری پسند - پایہ بالا تربرافروز سخن - کج خرام شاھراہ عاشقی - دورگرد بار گاہ عاشقی - رقیب آفرینیاں (رقیب آفرینی کی جمع بہ‌قاعدۂ اُردو) - میکدہ آشام - آھوے نیم‌خواب - جان نہفتہ راز - نالۂ رخنہ ساز - اثر اھتمام - چشم ستارہ بار - شوق ھرزہ کار وغیرہ وغیرہ —

(۷) کلام میں کہیں کہیں ترصیع و تقابل کی بدولت قا آنی کی شان نظر آتی ھے ' قاآنی ان کے ھم عصر تھے - معلوم ھوتا ھے کہ قاآنی کا آوازۂ کمال سن کر مومن نے بھی غالب کی طرح اُن کا تتبع کرنا چاھا مگر زمانے نے موقع نہ دیا - نمونہ حسب ذیل ھے —

ترے ھی فیض سے ھر قطرہ آبیار عجوس
ترے ھی نور سے ھر ذرہ جلوہ زار شموس
یہی خلافت راشد کی اس کو بس ھے دلیل
یہی امامت برحق کو اس کو بس ھے سجل

عشق ان کی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے
لو مجکو اطبانے سودے کا خلل جانا
یہ چشم سیاہ تو نہ ہوگی
یہ شوخ نگاہ تو نہ ہوگی
بے داد ستم گراں بد کیش
فریاد الم کشاں دلریش

(۸) قصیدوں میں اور غزلوں کے مقطعوں میں اپنے تخلص سے خاص فائدہ اُٹھایا ہے؛ یوں تو مثالیں بکثرت ہیں مگر نمونے کے طور پر اشعار ذیل نذر ناظرین کئے جاتے ہیں —

جان مومن پہ گونہ گونہ ستم
کافر اتنی بھی نا مسلمانی
بتخانے سے نہ کعبے کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا
حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بتخانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا
بتخانۂ چین ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو اب نہ آئیں گے ہم
وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم
اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

سن اے مومن یہ ایمان ہے ہمارا
نہ کہنا کفر پھر عشق بتاں کو

کیا مسلماں ہوے کہ اے مومن
حاصل اُس بت سے شرمساری کی

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

اوپر کے سطور سے مومن کے اُن خصائص شاعری کا اندازہ ہو گیا ہوگا جو اُن کی تمام اصناف شعر میں کم و بیش پائی جاتی ہیں - اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر صنف سخن کو ترتیب وار لیا جاے اور اس کی خصوصیات پر بحث کی جاے —

مختلف اصناف شعر اور ان کی خصوصیات

الف - قصائد —

مومن سے پہلے جس قدر شعرا گذرے ہیں قصیدے میں (بہ استثناے سودا) مومن کا کوئی ہمسر نہیں - اگرچہ پختگی اور روانی میں قصائد ذوق کا درجہ کہیں ارفع ہے تاہم زور وندرت میں مومن کا جواب نہیں ہو سکتا - یہ گو اصلاً وجدانی امور ہیں جن کا فیصلہ ہر شخص بذات خود کرسکتا ہے، تاہم ایک حد تک گذشتہ مثالوں سے ہمارا مفہوم واضح ہو گیا ہوگا —

اُن کی تشبیب عموماً نادر اور انوکھی ہوتی ہے - نمونے کے طور پر سیدنا عمر فاروق کے قصیدہ منقبت کی تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں - تشبیب کیا ہے گویا غزل ہے —

جو اس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل

تم اور حسرت ناز آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نرہا امتحان کے قابل

....

فغاں کہ دلبر خود کام سے پڑا مجھے کام
حصول کار ہے بیکار و سعی بے حاصل
وہ بےنیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو
نہ پھر کے دیکھے کہ کون آے ہے پس محمل

....

گریز میں فرماتے ہیں —

وہ فتنہ گر بت حق ناشناس نا انصاف
جو فرض عین گنے کین داور عادل
امام اہل یقیں شہر یار کشور عدل
امیر لشکر دین و مبارز مقتل
بلند پایہ عمر جس کی قصر رفعت کا
گدائے خاک نشیں شاہ آسماں منزل

اس کے ساتھہ ہی ہر قصیدے میں تعلی اور شکایت زمانہ جو سنت‌الشعرا ہے ' اس شکوہ اور زور کے ساتھہ پائی جاتی ہے کہ عرفی کی صدا ے باز گشت معلوم ہوتی ہے (امثلۂ سابق ملاحظہ ہوں)- تخلص یا گریز البتہ نسبتاً کمزور ہوتا ہے ' جیسا کہ حضرت عمر (رض) کی منقبت میں گذرا —

یا جیسے

اے صنم چاہئیے مومن کی فراست سے حذر
کیا نہیں تونے سنا قصہ شاہ ابرار

[منقبت سیدنا عثمان رض]

یا

سبزہ رنگی نے تری قتل اکیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حال امام مسموم

[منقبت سیدنا امام حسن رض]

گریز میں اکثر یہ کمی ہے کہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ بات میں بات پیدا

ہوگئی ہے، بلکہ بعض جگہ صاف تکلف و تصنع ٹپکتا ہے - اس میں اگرچہ یک گونہ تنقیص کا پہلو نکلتا ہے مگر ناقد کا فرض ہے کہ بے کم و بیش تمام حسن و قبح ظاہر کردے —

انصاف شیوہ ایست کہ بالاے طاعتست

کلام میں عقیدت مذہبیت کی جھلک اکثر نظر آتی ہے - نعت شریف اور منقبت خلفاے راشدین کے قصیدے اوس والہانہ اور بےخودانہ محبت اور عقیدتمندی سے لبریز ہیں جو ان کے مذہبی تقشف و تشدد کو دیکھتے ہوے تعجب انگیز ہے - البتہ کہیں کہیں مذہبی تعریض بھی کر جاتے ہیں جو ایک پبلک شاعر کے ہرگز شایان شان نہیں - مثلاً :—

وہ شوخ بے سبب آزار و بیگنہ خونریز | کہ جرم قاتل عثمان کا نہو قائل
وہ نکتہ داں کہ تقیہ کو اصل دیں کہیےتا | دم شکایت عاشق نہو جفا سے خجل
وہ دور بیں کہ خدا پر کرے بدا ثابت | نہیں ہے غیر ز بس اعتماد کے قابل
وہ فتنہ گر بت حق نا شناس نا انصاف | جو فرض عین گنے کین داور عادل

قصائد میں علمی مضامین بکثرت لاتے ہیں اور چونکہ خود نجوم و رمل وطب میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اس لئے مخصوص مصطلحات سے کلام کا اغلاق بڑھا دیتے ہیں- ملاحظہ ہو: —

ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون وعلوم | خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس
حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر | کرے معارضہ سر دفتر عقول و نفوس
طبیب وہ ہوں کہ ہو سوز سینۂ بابل | نظارۂ رخ گلفام سے مجھے محسوس
جو ہوں معالج مبطوں تو قابض ارواح | کرے دعاے رواج طریق جالینوس
درم ہو چارہ گر قبض تا بدست لئیم | کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس
کروں جو گردش انجم کی میں رصدبینی | فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس
گواہ عصمت مریم ہو کثرت اولاد | عقیمہ مجھسے سنے گر بیان شکل عروس

طلسم ماہ لکھوں گر پئے زباں بستن بلائے مہر دھن چرخ نقطۂ جاسوس
یقین کہ زھرہ و خورشید میں مقابلہ ھو پڑھوں جو میں پہ دوری دعائے بدربطوس
موے کلام ثریا نظام کا منکر وہ تیرہ روز جوبرجیس کوکہے منحوس

یا

وہ نیر اسماں تقدیس جانسوز مناظر و سرایا

....

نے عقل بسیط اوسکا پرتو نے نور مجرد اسکا سایا

یا

جوشمس شمسۂ قصراوسکاھو توھند سہ داں کریں نہ مدخل ظل سے تمیز مخرج ظل
جو دیوے تلخی خصم لئیم سے تشبیہ کوی بلید تو سقمونیا نہو مسہل
رھے نہ بیم خسوف اور نہ احتمال ھبوط جو اوسکی راے سے ھومستفی مہ کامل
رواج حسن عمل تیرے دور میں یہ ھوا کہ گفتگو میں بھی مرفوع ھوگیا فاعل
دم خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم نگاہ لطف و غضب سے مثلث عامل
و داد و خشم ترا صوفیوں نے دیکھا ھے جبھی تجدد امثال کے ھوے قائل

یا

تو سن چرخ سے تشبیہ فرس کاترے ننگ کلب جبارسے نسبت سگ در کوترےعار

یا

فکو الزام حکیم و متکلم ھو اوسے تو مجسم نظر آجائیں نقاط موھوم

غرض کہاں تک لکھا جاے، کم و بیش ھر قصیدے میں علمی اصطلاحات کا یہی عالم ھے، کہیں کہیں تلمیحات اور آیات و احادیث کی طرف بھی اشارات کرجاتے ھیں اور عربی جملوں کو تواس خوبی سے تضمین کرتے ھیں کہ انگوٹھی پر نگینے کا گمان ھوتا ھے ۔ نظر بہ اختصار صرف چند مثالیں عرض کرونگا —

وہ نعرہ عملہ' بھالی جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا

....

جوخواب میں بھی کبھی دیکھتی جہاں اس کا تودیتی دل کہیں یوسف کودختر طیموس

اگر کہے مددے یا محمد عربی | صفیر مرگ ہو رستم کو نعرۂ الکوس
ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں | نہو قبول دعا سے بھی رفعت بسوس
ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین | وگر نہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس
اس کو ہو رستم زماں کا خطاب | جو کرے قتل خرد سالہ پسر
ہیں گدا پر غرور شیرویہ | بے گنہ جو کیا ہے خون پدر
جب اولوالفضل منکم اے حاسد | اس کے حق میں کہے جہاں داور

....

یقین کہ راہ نمای ہے پیروی اس کی | وگرنہ سایہ سے کیوں بھاگتا ہے دیو مضل

ذیل کے عربی جملوں کی تضمین ان کی قادرالکلامی کی روشن دلیل ہے -

الحمد لواهب العطا یا (یا) اکشف بجمالک العظا یا

ختم اللہ کا مورد ہے زبس قلب سیاہ | تیرے دشمن کو ہے خونتا بہ رفیق مختوم

کلام میں خیالات کی پیچید گی کے ساتھ، کہیں کہیں بندشوں کی سستی اور اور نا درستی ضرور تعقید پیدا کر دیتی ہے، تاہم عام طور پر نئی ترکیبوں میں ان کا مجتہدانہ اختراع اردو کی توسیع کی طرف ایک مبارک قدم کہا جا سکتا ہے -

ب، غزلیات - غزلوں میں مضامین نہایت بلند اور خیالات بہت نازک ہیں - عشق و رشک، وصل وہجر کے مضمون مومن کا حصہ ہیں؛ فلسفہ اور اخلاق اُن کے یہاں النادر کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ تصوف* و فلسفہ وغیرہ

---

* تصوف کی اُمہات اصول میں سے ایک مسئلۂ توحید وجودی یا وحدۃ الوجود ہے اور اسی کا تصرف ہے کہ تصوف کا لٹریچر یکسر درد و اثر بن گیا ہے - مرزا غالب نے (دوسرے اساتذہ کی طرح) تشبیع کی آن توڑ دی اور اس "شجر ممنوع" کے قریب چلے گئے مگر مومن خاں نے اصحاب حدیث کی وضع قایم رکھی اور تصوف سے کنارہ کش رہے چنانچہ خود لکھتے ہیں —

مومن ہے اگرچہ سب اوسی کا یہ ظہور
توحید وجودی کا نہ کرنا مذکور

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

حکیم صاحب کا رنگ نہیں اور وہ اُس کے مرد میدان ہرگز نہیں کہے جا سکتے؛ ڈھونڈھے سے کلیات میں شاید دو تین شعر اس طرز میں نکل آئیں وہ بھی با دل نا خواستہ قافیہ پیمائی کی خاطر کہے ہیں مگر بے لطف - مثلاً (اخلاق کے موضوع پر)

سب گرمیٔ قفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زیان شمع
بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض
بخت سیاہ اے منعمو آخر ملاے خاک میں
یک چند ملک ہند لو یا سر زمین شام لو

ندرت اسلوب قدم قدم پر دل کو کھینچتی ہے اور اسی کے ساتھہ بعض موقعوں پر زبان کی چاشنی اور محاورات کی صفائی نہایت با مزہ اور دلکش معلوم ہوتی ہے - یہ امر واقعہ ہے کہ محاورات کی صفائی جہاں جہاں مومن نے برتی ہے شعر میں ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے - مثلاً—

اُس کوچہ کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
جوں خفتگان خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا
اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۲)

یعنی کہ بنائے ہیں خدا نے بندے
بندے کو خدا بنائے کس کا مقدور

خاں صاحب فلسفے میں کافی دخل رکھتے تھے مگر مزاج کی رنگینی نے اُس کے خشک مباحث سے ہمیشہ نفور رکھا—

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

اور ایسا کوئی کیا بے سر و ساماں ہو گا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہو گا

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

اٹھی نہ لاش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

بتخانۂ چین ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو اب نہ آئیں گے ہم

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوے اک جواب میں *

جانا حرام ہجر بتاں میں تو کیا گناہ
پیر مغاں شراب ہے شیشے میں سم نہیں

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ
اے شب ہجر تیرا کالا منہ

اسی سلسلے میں خاقانی ہند اُستاد ذوق (خدا اُن کی روح سے شرمندہ نہ کرے) کا مطلع پڑھو اور سلاست اور صفائی کا موازنہ کرو۔

---

* اس مضمون اور بحر میں ذوق کا مطلع لا جواب ہے۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

اور مومن سے بہتر ہے—

(ذوق) تم مسی مل کر نہ غرفہ سے نکالا منہ کرو
اور نہیں گر مانتے تو جاؤ کالا منہ کرو

مومن کے اور چند شعر سنئیے —

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھہ

پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی

ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

جب اُس بت سے کہا مرتا ہے مومن
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی*

میرے تغئیر رنگ کو مت دیکھہ
تجھہ کو اپنی نظر نہ ہو جاے

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لئے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لئے

اس زمین میں "کیسا نکل آیا ' جھگڑا نکل آیا" یا "عدو بھرتے ہیں ' سبو بھرتے ہیں" ' غزلوں کی غزلیں زبان کے لحاظ سے لا جواب ہیں - تعجب یہ ہے کہ ایک طرف خاں صاحب بندشوں کی نا ہمواری کی بدولت نہایت بدنام ہیں دوسری طرف جہاں صفائی برتی ہے روانی کے دریا بہا دئے ہیں - سستیء بندش

---

* اُستاد ذوق کا مقطع بھی خاصا ہے -
ذوق کے مرنے کی سن کر پہلے وہ کچھہ رک گئے
پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر اچھا ہوا
مگر مومن کا شعر زیادہ صاف ہے —

کے متعلق ہم آگے چل کر بحث کریں گے—

صنائع، بقول علامہ شبلی شاعری کے دامن پربدنما داغ ہیں، مگر کیا کیا جائے مومن بھی اس سے نہ بچ سکے - حقیقت یہ ہے کہ صنائع کا استعمال (وہ بھی آورد و تکلف کے ساتھ) ایک زمانے میں سکۂ رائج کی طرح عام اور سرمایۂ آرایش کلام تھا، لیکن اب ارباب ذوق صحیح ان باتوں کو معیوب جانتے ہیں - اس بارے میں غور کرنے سے یہ قول فیصل معلوم ہوتا ہے کہ رعایت اگر بے ساختہ ہوتو معیوب نہیں بلکہ محمود ہے، رہا رعایت کی نوعیت کا فیصلہ یہ ذوق صحیح کے ذمہ ہے—

مومن کے کلام میں اگرچہ قدیم اساتذہ لکھنؤ کی طرح * مبتذل اور سوقیانہ رعایتیں نہیں تاہم مراعات النظیر بیشتر اور ایہام و طباق کمتر پایا جاتا ہے جیسے:

پالغز محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا
اس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

خواب میں کیاخوش ہویوسف کو زلیخا دیکھکر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھکر

فرماتے ہیں وصال ہے انجام کار عشق
کیا ناصح شفیق نے مژدہ سنا دیا

نام وصال سنتے ہی ہوتا ہے مضطرب
کیوں کر کہوں اسے مرے مرنے کا غم نہیں

---

* تعجب ہے کہ مومن کے کلام میں خال خال شعر قدیم لکھنوی رنگ کے بھی نظر آجاتے ہیں - مثلاً :-

تاش کا لانا کفن ہمدم کہ میں تو مرگیا   چلو نوں سے جلوہ خورشید (سہما) دیکھکر
یا

کشتۂ حسرت دیدار ہیں یارب کس کے   نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے

اسی مضمون کا شعر ذوق کے یہاں بھی ہے :—

آنکھیں دیدار طلب گور سے آئی ہیں نکل   دستہ نرگس کا نہیں میرے سرھانے رکھا

پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو صاحب غلام ہے

ہم مزید مثالوں سے قارئین کرام کے مذاق سلیم کو مجروح کرنا پسند نہیں کرتے

ج- مثنوی- مثنویاں کیابلحاظ صفائی زبان اور کیاباعتبار اسلوب ادا اُردوکی بہترین مثنویات کے ساتھہ برابر کے درجے میں رکھی جاسکتی ہیں- اور چونکہ جگ بیتی نہیں بلکہ آپ بیتی ہیں، اس لئے خاص درد واثر رکھتی ہیں، البتہ بعض مواقع پر کسی قدر عریانی کی جھلک آگئی ہے جو اُس دور میں نہ سہی ہمارے دور میں ضرور معیوب سمجھی جاتی ہے - اس کا اندازہ کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ کم از کم دو تین مثنویات بالاستیعاب پڑھی جائیں، دس پندرہ شعر نقل کردینے سے صحیح اندازہ ناممکن ہے --

بعض مثنویاں مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہیں اور لاریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوش اعتقاد کا ایک دریا ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے - مثنوی میں عشق و محبت کے علاوہ مناجات ، حمد، نعت ، رجز (مثنوی جہاد) کے مضامین کو اس ذوق و شوق کے ساتھہ لکھتے ہیں کہ قادرالکلامی ان کا کلمہ پڑھتی ہے ، جی چاہتا ہے کہ ان کے خاص رنگ کے چند شعر ہدیہ ناظرین کروں اگرچہ اس مقالہ کا " تنگنائے ظرف" "بقدر شوق" نہیں - (ساقی نامہ) -

پلا ساقیا جام کوثر مجھے	خراب شراب ہدیٰ کر مجھے
وہ ذوق آشنا لذت افزا شراب	کہ تسلیم ہو شرم سے جس کی آب
وہ مے جوکرے لوث عصیاں کو دور	کہے جس کو خالق شراب طہور
وہ مے جس کے حور وملک تشنہ کام	وہ مے جو سوا احمدی کے حرام
وہ مے جس کی تیزی دم ذوالفقار	علی سر خوش نشہ بے خمار
وہ مے مشتری جس کے ہیں سر فروش	وہ مے جس کا صدیق سا خم بدوش
وہ مے جس کی قلقل ندائے صلوۃ	سجود صراحی ادائے صلوۃ

بجھے اس سے گر تشنہ کامی مری — منشی ہو شیریں کلامی مری
خراب شراب سخن ہو قبول — بنوں سے فروش ثنائے رسول
وہ امی ولے نقشبند علوم — کلام اس کے سب دل پسند علوم
اسی بات پر حجت اتمام ہے — کہ جو بات ہے وحی و الہام ہے
عجب بات ہے اس کی نام خدا — کہ بعض سخن ہیں کلام خدا
نہیں عقل اول کو بوی یہ کہاں — اسی کو ہے معلوم آخر کا حال
یہ تابش میں انجم کا پایہ نہیں — کہ اُن کے ہے ظل اِس کے سایہ نہیں
کدورت کہاں ، جسم اطہر ہے وہ — کہ نور مجرد کا مظہر ہے وہ
اگر ذات وجہ وجود امم — تو سایہ سے آباد ملک عدم
گوارا نہ تھا بسکہ ہونا جدا — رہا سایہ حاضر حضور خدا
زبس سایہ * تھا ہم شمار گناہ — نہ حاصل ہوا قرب عصمت پناہ

یا

پلا سا تیا آب آتش اثر — کہ جل جائے گرمی سے داماں تر
صراحی نمط اشک باری کروں — نہ دل سے فریاد و زاری کروں
الہی مجھے درد دے اور دل کو داغ — جلے صبح محشر تلک یہ چراغ
مری چشم دریا بہاتی رہے — مری آگ عالم جلاتی رہے
مری وحشتیں چین لینے نہ دیں — مری حسرتیں جان دینے نہ دیں
قلق سے مرا زخم ناسور ہو — مے لالہ گوں زرد انگور ہو
مرا ولولہ خوں تراوی کرے — نہانی خلش سینہ کاوی کرے
جو دم بے فغاں کو ملامت کروں — رکے دم تو کیا کیا قیامت کروں
مرے پند گو مجھ سے ڈرتے رہیں — لحاظ لکد کوب کرتے رہیں

---

*جسم اطہر کے سایہ نہونے کی مختلف توجیہیں ان کے ذہانت اورعقیدت کی شاہد، مدلل ہیں۔سایہ اور گناہ ہر ایک کے عدد ۷۶ ہیں۔

سلاسل پہ زور آزماتا رہوں   سدا بیڑیاں میں تڑاتا رہوں

انصاف یہ ھے کہ یہ جوش ، یہ اثر ، یہ صفائی دیکھہ کر لامحالہ کہنا پڑتا ھے کہ چند مثنویوں کو چھوڑکر اُردو کی کوئی مثنوی مومن کی مثنویوں سے ھم‌سری نہیں کر سکتی، رھے ذوق و غالب، اونکو مثنوی میں مومن کا حریف ٹھہراتا بھی ستم ھے —

اسی طرح خانصاحب کے واسوخت اور مراثی بھی درد و جوش کا بہترین مرقع ھیں خصوصاً واسوخت کے متعلق تو بلا خوف تردید کہا جاسکتاھے کہ واسوخت کا حقیقی مفہوم مومن سے بہتر تو در کنار مومن کی برابر بھی اُردو شاعری مدتوں تک پیش نہیں کرسکے گی —

علاوہ بریں کچھہ قطعات ، رباعیات ، مسمطات * وغیرہ ھیں جو اپنے رنگ میں نمایاں درجہ رکھتے ھیں -غرض یہ کہ کوی صنف شعر ایسی نہیں جس میں مومن‌خاں نے طبع آزمای نہ کی ھو اور داد سخنوری نہ دی ھو —

تصویر کا دوسرا رخ

ایک ناقد کا تلخ فرض یہ ھے کہ تصویر کے روشن رخ کی طرح اسکے تاریک رخ کو بھی منظر عام میں لاے ، اس لئے نہایت ضروری معلوم ھوتا ھے کہ مومن کے کلام کے نقائص پر بحث کی جاے-اصل یہ ھے کہ عرفی † کی طرح مومن کی اُٹھان بھی خوب ھوی ، مگر افسوس کہ ترقی کا موقع نہ مل سکا - اگر مومن کی عمر وفا کرتی اور اُنکی مجتہدانہ ایجاد پسندي اور لااُبالیانہ وارستہ مزاجی اتنی مہلت دیتی تو اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری میں انکا جواب نہوتا - انہوں نے شاعری

---

* مومن کا کلام تمام اصناف شعر پر حاوی ھے - چنانچہ انکا کلیات ۹ قصیدوں متعدد غزلوں ، چند فردوں ، ۲۳ قطعوں ۱۳۱ رباعیوں ، ۱؛ مسمط ، ۲ مسدس اور مثمن واسوخت ، ۱ ترجیع بند ۱ ترکیب بند ۱۰ مثنویوں پر مشتمل ھے ، مگر ھمنے صرف تین اصناف قصائد ، غزلیات اور مثنویات سے تعرض کیا ھے —

† مومن اپنے زور طبیعت اور نقائص شاعری میں عرفی سے بہت مشابہ ھیں ، مگر دونوں کی زندگی نے وفا نہ کی اور " فلنچۂ استعداد "" شگفتہ " ھونے سے پہلے " مردہ " ھوگیا —

کو فن کی حیثیت سے کبھی اختیار نہیں کیا' البتہ تفریح کی نیت سے کیا اور اپنے دوسرے مشاغل کی طرح سامان دلبستگی سمجھا - یہی سبب تھا کہ اُن کے کلام میں چند نقائص رہ گئے جنہوں نے اُس کو تمام تر مغلق اور پیچیدہ بنا دیا - اس اِغلاق کی تہ میں خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی ناھمواری دو خاص عنصر ھیں جن کو ذیل میں کسی قدر تفصیل سے عرض کیا جاتا ھے—

(۱) خیالات کی پیچیدگی -

ھم پہلے لکھ چکے ھیں کہ اُس زمانے میں متاخرین کے انداز (طرز بیدل وغیرہ) کی پیروی فیشن سمجھی جاتی تھی' لوگ فارسی میں اسی طرز پر لکھنا معیار کمال جانتے تھے - مومن چونکہ فارسی کے خاصے شاعر تھے اس لئے متاخرین کے طرز سے اُن‌کو خاص‌دلچسپی تھی' اسی وجہ سے اُردو میں بھی بلا ارادہ وھی طرز اختیار کی* اگرچہ اس کی تقلید کا اعتراف کرنا اُن کی شان اجتہاد کے خلاف تھا - علاوہ بریں خاں صاحب طبعاً روش عام سے احتراز کرنا اپنی خود داری کا مقتضا سمجھتے تھے - اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اُردو میں میر و مرزا' سید انشا و شیخ مصحفی کسی کی پیروی نہ کی بلکہ اپنی راہ دنیا سے الگ نکالی - حد ھو گئی کہ خیالات کی پرواز اور اسلوب بیان کی جدت میں غالب بھی اُن سے پیچھے رہ جاتے ھیں - سننے والے سنتے ھیں اور سر دھنتے ھیں - یہی بلند پروازی جب اعتدال سے بڑھ جاتی ھے تو معما بنکر رہ جاتی ھے - مثالیں آپ اوپر ملاحظہ کر چکے - خیر پھر تجدید عہد سہی—

دیکھ اپنا حال زار منجم ھوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

---

* اگرچہ مومن نے کہیں بیدل کے تتبع کا اقرار نہیں کیا ھے اور دراصل کسی کا تتبع کرنا اُن کی خود دار طبیعت کے منافی تھا مگر وہ قدرتاً ملک کی فضا سے متاثر ھوے بغیر نہیں رھے—

اُن سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھکو مری شرم نے رسوا کیا
تاثیر بیقراریء ناکام آفریں
ھے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا
کیا رم نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم
حرف ناصح برا نہیں ہوتا
دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہونگے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے
لیا ھے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لئے

(۲) زبان کی ناھمواری -

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ھے کہ حکیم صاحب نے اپنے لااُبالی پن اور خود پرستی کی وجہ سے صحت زبان اور درستیء بندش کی طرف کبھی توجہ نہ کی - اس امر کو اُن کے رتبے سے فروتر سمجھو یا بالاتر، مگر واقعہ یہ ھے کہ وہ اس بارے میں مرزا غالب سے بھی زیادہ بدنام ھیں اور بجا طور پر بدنام ھیں - خیالات کی ندرت کے علاوہ بندش کی تعقید خاص طور پر اُن کے کلام کے اِغلاق کی ذمہ دار ھے - دیوان مثالوں سے بھرا پڑا ھے - چند مشتے نمونہ از خروارے درج کی جاتی ھیں -

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کہتا ھے، ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا
شوخ کہتا ھے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

ھاں جوشِ طپش چھیڑ چلی جائے' کہ پر تو
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ھو گا

غریق گریۂ خونیں رھا نہ کر مومن
لباس' یعنی پہنتے نہیں مسلمان چرخ

خدایا لشکرِ اسلام تک پہنچا' کہ آ پہنچا
لبوں پر دم' بلا ھے جوشِ خونِ شوقِ شہادت کا

ھے کفر و بدعت ایک' نہیں تار سبحہ سے
زنار مومن آئے ھے کیوں برھمن کی یاد

لکھہ کے بہ مستی غم' تا کہ وہ میکش پڑہ لے
باندہ دیتا ھوں سرِ شیشۂ صہبا کاغذ

غم خانہ تنگ و تار ھے' اور ھم سیاہ روز
جلتے ھیں' یعنی چاھئے آٹھوں پہر چراغ

وہ گردن دیکھہ یہ حالت ھوئی تغئیر شیشہ کی
کہ تہمتی ھی نہیں ھچکی ھوئی ھے دیر' شیشہ کی

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے'
منظور ھے پنہاں نہ رھے راز' تو دیکھو

اُن کی عادت ھے کہ جملے کا ایک ٹکڑا ایک مصرع میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے میں لاتے ھیں جس کی مثالیں اوپر گزری ھیں - کبھی نامانوس تراکیب اور ثقیل الفاظ سے اور کبھی مشکل اصطلاحات اور بعید اشارات سے شعر کو گورکھہ دھندا بنا دیتے ھیں - جیسے بندۂ شورِ عجز ادراک ' سیمیائے عرض شموس ' تُہ فلک نو آفرین ' وجہ عطاس عزو جاہ خجلت آب پیکری' زبان بیہدہ سائل وغیرہ - یا ایلاؤس' افیوس ' ادافیوس ' شاموس ' بلبوس ' جام نہرود ' فال اختر' قہر چاکر' مثلث عامل' تجدد امثال ' افتائے سدوم ' حدیث صغانی ' وغیرہ ذلک ـــــ

وہ نعرۂ علمۂ بحالی جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا

کو پڑھ کر فوراً ذہن کا قصۂ حضرت خلیل کی طرف منتقل ہونا - یا

جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے

مومن غضب ہے آتش لذت فزاے داغ

سے معاً آیۂ کریمہ ' بدلناهم جلوداً غیرها ' تک خیال کی رسائی ہونا - یا

تیشہ کچھہ دشنہ شیرویہ نہیں اے غیرت

اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے

کو سن کر شیرویہ کے اپنے باپ (خسرو پرویز) کو قتل کرنے کی تاریخی واقعہ تک حافظے کا رسا ہونا دشوار اور یقیناً دشوار ہے—

خاں صاحب نے باوجود تبحر علمی بے پروائی سے بعض الفاظ کا غلط استعمال کیا ہے - مثلاً شہر بسکون میم کو شہر بہ فتح میم لکھا ہے - یا مضاف الیہ کی نون آخر کا اعلان کیا ہے ' جیسے' یہ دیکھہ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں - اسی سلسلے میں ہم اتنا اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ مومن نے بعض موقعوں پر ردیف بالکل بے کار رکھی ہے جیسے—

مجھہ پہ طوفاں اُٹھاے لوگوں نے

مفت بیٹھے بٹھاے لوگوں نے

کل دیکھہ کے وہ عذار آتش

کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش

یہ نقائص * اُن کے کلام میں نہ ہوتے تو بہتر تھا ' تاهم ان سے اُن کے کمال میں

---

* مومن کے کلام میں تنافر ترکیب بھی بعض جگہ زیادہ پایا جاتا ہے اور کان کو نا گوار گذرتا ہے - جیسے —

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فرق نہیں آ سکتا —

مومن کی عدم مقبولیت

مگر زمانہ کی آواز کو دبانا ممکن نہیں، ذوق و غالب کو دنیا نے بقاے دوام اور شہرت عام کا سر ٹیفکٹ دیا، لیکن مومن کی طرف کسی نے اعتنا نہ کی - ذوق کے کلام کا شہرہ اُن کے عہد سے لے کر نصف صدی تک رہا، شمس‌العلما آزاد نے اُن کے کمالات سے خلق کو روشناس کیا اور مرزا داغ اور تلامذہ داغ نے اُن کے طرز کو رنگ قبول دیا۔ اب بھی نئی تعلیم یافتہ جماعت کے بعض سخن سنج اصحاب(خصوصاً آنریبل جسٹس ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب)کلام ذوق کی نشر و اشاعت‌کی جانب متوجہ هیں - مرزا غالب کے کمال کا آوازہ ملک کی فضا میں پچیس تیس برس سے گونج رہا هے اور جدید تعلیم کی ترقی کے ساتھہ روز بروز رو بہ ترقی هے- سب سے پہلے شمس‌العلما حالی نے اس طرف توجہ کی اوراُن کے محاسن شعر سے ملک کو آگاہ کیا - اُس کے بعد بدایوں سے ایک آواز اُٹھی اور چند هي روز میں بھوپال بلکہ برلن تک اُس کی صداے باز گشت سے گونج اُٹھے - مگر مومن کی بد قسمتی تھی کہ انھیں کوئی ایسا نقاد فن نہ ملا جو اُن کے محاسن کو اُجاگر کرکے دکھاتا اور نہ آیندہ اُمید هے، کیوں کہ حکیم صاحب کا رنگ زمانے کی روش کے اُسی طرح خلاف هے جیسے پہلے تھا —

همارے ناقص خیال میں خاں صاحب کی عدم مقبولیت کے اسباب حسب ذیل هیں—

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۳)

کیا هوا، هوا گر وہ بعد امتحاں اپنا

(یا) هوتی هوں بے حجابیاں جان نہفتہ راز میں

(یا) پھر اپنے تلکے چلنے کی کیوں دھوم دھام هے

(یا) جادو کو کیا نرگس جادو نے نظر بند

(یا) مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا

(۱) مومن کو کوئی آزاد یا حالی نہ ملا جو ملک کے سامنے اُن کی وکالت کرتا —

(۲) ہندوستان کی موجودہ ذہنیت اُن کے رنگ سے تباین کلی رکھتی ہے - خاں صاحب ہمیشہ روش عام سے علیحدہ رہے، اب روش عام اُن سے علیحدہ ہو تو کیا تعجب - اب تک دہلی میں جذبات کی اور لکھنؤ میں تصنع کی حکومت تھی- زمانے نے دونوں کا ورق اُلٹ دیا اور جذبات و معاملات کی جگہ آج کل تصوف اور فلسفے نے لے لی - لکھنؤ کی زمانہ شناسی دیکھئے کہ اُس نے رفتار زمانہ کا ساتھہ دیا گو دہلی پیچھے رہ گئی- حکیم صاحب کے کلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اُن کو در اصل تصوف و فلسفہ وغیرہ سے کوئی سروکار نہ تھا ' یہی سبب ہے کہ اُن کا کلام نئی نسل کے نکتہ سنجوں کے نزدیک پایۂ قبول کو نہ پہونچا —

(۳) ان کے خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی نادرستی بھی بڑی حد تک اس کی ذمہ دار ہیں —

(۴) ان کی غیور طبیعت درباری تعلقات سے ہمیشہ نفور رہی ' اس وجہ سے بھی ان کو شہرت کے کافی مواقع نہ ملے —

(۵) خاں صاحب کے کلام میں مذہبیت کا عنصر بہت پایا جاتا ہے اور اُسی کے ساتھہ وہ مذہبی نوک جھونک سے بھی نہیں چوکتے ' شاید اسی وجہ سے وہ ایک مقبول پبلک شاعر نہوسکے - چند نمونے اس سے پیشتر آپ ملاحظہ کرچکے ' بعض *

---

* حد ہوگئی کہ عشقیہ غزلوں میں بھی جہاں موقع ملتا ہے مذہبی حملے کر جاتے ہیں - مثلاً :—

دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ جو ہے
محب حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا
یا
منہ کو مومن سے چھپانا کافر یہ تقیہ تو نہ بھایا مجکو

یہ غالباً ناسخ کی مذہبی تعریضوں کا جواب ہے —

رباعیات اور ملاحظہ ہوں —

یہ چند منافق سراپا بدعت ہے کفر و ضلال و فسق جنکی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت

ایضاً

یہ کچھ رہ سنت نہ طریق توحید پھر کیا ہے ضرور سبکی یکساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنی حقیقی یعنی حیواں ہیں حقیقت میں یہ اہل تقلید

ایضاً

ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سروکار پر توبہ سے از بسکہ ہوا ہوں بیمار
مے بہر دوا پینے کو مفتی کے حضور تقلید ابوحنیفہ کا ہے اقرار

ایضاً

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام گو رائے صواب ہو نہیں مجکو کام
تقلید کی ٹھیری تو بنوں کا شیعہ کس واسطے چھوڑ دیجے افضل ترامام

(۶) مومن اپنے سامنے کسی استاد کی (قدیم ہو یا معاصر) حقیقت نہ سمجھتے تھے بلکہ ہرایک کو حقارت کے ساتھہ یاد کرتے تھے - خود کسی استاد سے تلمذ کرنا تو درکنار، وہ کسی کی تعریف کرنا یا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے - مرزا غالب بایں نازک مزاجی و خود پسندی اساتذۂ عجم اور سخنوران ہند کی جائز مدح میں عار نہ سمجھتے تھے مگر مومن کے متعلق مشہور ہے کہ گلستان سعدی پر بھی ناک بھوں چڑھاتے تھے اور فرماتے تھے اس میں گفت گفت کے سوا کیا دھرا ہے یہ بد دماغی یقیناً ان کی ہر دل عزیزی میں حائل ہوی - نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے تلامذہ نہیں ملے جو ان کے رنگ کو ملک میں مقبول بناتے اور ان کے محاسن کو پبلک کے سامنے نمایاں کرکے دکھاتے - اشعار ذیل سے اندازہ ہوگا کہ وہ اس بارے میں کس قدر خود پرست واقع ہوے تھے :—

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھہ نہیں کہتا

مومن تجھے وہب ہے، مومن ہی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تیری طبع سلیم کا

ایسی غزل کہی ہے کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

مردوں کو تجھہ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ہیں

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

یار مومن سے بھی ہیں مدعی طبع رواں
واہ افکار تر ان ادمغۂ یابس کے

عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہوئے گا کیا اس سے، بے مثال تو ہے

معاصرین سے موازنہ

تنقید نگاروں کا فیشن ہو گیا ہے کہ جب کسی شاعر پر تنقید کرتے ہیں تو اس کے اور اس کے ہم عصروں کے کہتر ہم مضمون اشعار اور بیشتر ہم طرح اشعار نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد محاکمہ کرتے ہیں جس کا فیصلہ عموماً ان کے ہیرو کے حق میں ہوا کرتا ہے —

میری فہم ناقص میں یہ طریقہ آن سائنٹیفک اور غیر مفید ہے - ہم مضمون اشعار میں تو ایک حد تک رائے قائم کرنا ممکن بھی ہے گو وہ انھی اشعار تک محدود ہوسکتی ہے؛ ہم طرح غزلوں اور ہم قافیہ شعروں میں جوشے مشترک ہے وہ محض بحر یا قافیہ ہے، اس لئے وجہ ترجیح قائم کرنا اور زیادہ مشکل اور عمل

معاکمہ بالکل ھی سطحی ھوتا ھے —

یہ مشکل اُس وقت اور بھی کُھلتی ھے جب کہ وہ اساتذہ جن کے اشعار زیر موازنہ ھیں قطعی جداگانہ طرز کے مالک ھوں —

یہ ممکن ھے کہ دس بارہ شعر میں فرداً فرداً ․مومن اپنے معاصروں سے یا ان کے معاصر اُن سے اظہار خیال و انداز بیان میں قادر تر ثابت ھوں، لیکن کیا وہ فیصلہ ان کے مجموعی طرز اور باقی کلام کو دیکھتے ھوے بھی صادق اور صحیح ٹھیریگا، ھر گز نہیں- اسی طرح یہ بھی ھوسکتاھے کہ بعض غزلیات جن میں مومن ، ذوق اور غالب تینوں کے یا مومن اور ذوق یا مومن اور غالب کے ھم طرح اشعار ملتے ھیں (مثلاً وہ غزل جس کا قافیہ و ردیف ھے ، امتحان اپنا : یا، مجنوں نہ ٹھیرے گا ؛ یا، کیا ھوتا ھے؛ یا ، دیکھا جاے ھے ؛ یا، جان کے لئے وغیرہ) نقل کی جائیں اور قافیہ وار اشعار کا موازنہ کرکے کسی ایک کے حق میں منفرداً منفرداً فیصلہ کیا جاے مگر اس سے بڑھکر سطحی اور محدود طریقۂ تنقید اور کیا ھوگا ؟ سب پر مستزاد یہ کہ ان تینوں باکمال اساتذۂ فن میں ھرایک کی طرز جدا ، اسلوب جدا ، ذھنیت جدا ، افتاد مزاج جدا —

میرے نزدیک اگر کوئی شخص مومن و ذوق و غالب کے بارے میں فی الحقیقت کسی صحیح فیصلے پر پہونچنے کا خواھشمند ھے تو اُس کے لئے ضروری ھے کہ تینوں کی کلیات کا باستیعاب مطالعہ کرے اور ھرایک کی طرز سے اپنی طبیعت کو مانوس کرے اور اُسکے بعد اغلباً یہ ممکن ھوگا کہ وہ کسی صحیح نتیجے پر پہونچ جاے : اگرچہ طرزوں کے تبائن کی بنا پر کوئی وجہ ترجیح تلاش کرنا جب بھی دشوار ھو گا —

آخری فیصلہ

میری ناچیز راے میں (جس‌کو غلط ثابت ھونے پر میں فوراً ترک کرنے کو تیار ھوں) اردو شاعری کی کائنات کے یہ مرالید ثلاثہ اپنے اپنے رنگ میں بے نظیر

هیں اور اصلاً قدر مشترک ان میں بہت کم ہے۔ تاہم جس نتیجے پر میں پہونچا ہوں یہ ہے کہ مومن مثنوی کے بادشاہ ہیں (ذوق و غالب کے یہاں مثنوی کا وجود بمنزلہ عدم ہے) اور ذوق قصدے کے (مومن وغالب کے قصائد میں پختگی نہیں)'رہی غزل اس میں تینوں شاعروں کا رنگ جدا گانہ ہے اور لاجواب ہے —

جیساکہ میں نے ابھی عرض کیا' ان اساتذہ میں بجز غزل گوئی کےاور کوئی بات مشترک نہیں ' پھر بھی ہرایک کی غزل گوئی کے خصائص کی جداگانہ تفصیل حسب ذیل ہے اور مجھے اُمید ہے کہ اس مقالے کے پڑھنے والے اصحاب اوپر کی بحث کی بناپر خاکسار راقم سطور سےاتفاق فرمائیں گے - نازک خیالی' معاملہ بندی اور سوز و گداز میں مومن اپنے تمام معاصرین سے فائق ہیں' اسی طرح زبان اور محاورے میں ذوق اور فلسفہ وتصوف میں غالب اپنے سب ہم عصروں سے برتر ہیں —

اسی سلسلے میں اگر یہ اور اضافہ کردیا جاے تو شاید بیجا نہ ہو کہ صدق جذبات اور جدت ادا مومن کے سوا دوسرے میں سرے سے موجود ہی نہیں - نازک خیالی کی صفت میں البتہ غالب اُن کے شریک ہیں مگر شریک غالب نہیں - دونوں کی تخئیل کا میدان مختلف ہے - خاں صاحب کي نازک خیالی کی بنیاد واردات عشق اور تاثرات قلب پر ہے اور مرزا صاحب تخئیل کی بنا حقائق کونیہ اور معارف روحانیہ پر - پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ غالب کا کلام منتخب ہے مگر مومن کو یہ موقع نہیں ملا - یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مومن کی شاعری میں جو ہمہ گیری ہے وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو - اُن کا کلام شعر کی تمام اصناف پر حاوی ہے اور اس میں ایک طرف نازک خیالی کے جلوے نظر آتے ہیں' دوسری طرف معاملہ بندی کے - گویا وہ ایک ہی وقت میں فغانی کی طرز کے بھی مالک ہیں اور شرف جہاں کے انداز میں بھی ماہر ہیں —

غرض یہ ہے کہ مومن کی شاعری کی تمام خامیاں مسلم ' مگر

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

اس سے انکار کرنا غیر ممکن ہے کہ وہ اُردو شاعری کے ایک با کمال اُستاد اور نازک خیال سخن گو گذرے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ اگر کوئی شخص تغزل میں نظیری کو، نازک خیالی میں عرفی کو اور وقوعہ گوئی میں وحشی کو دیکھنا چاہے تو وہ مومن کو دیکھہ لے جن کی شاعری بیک وقت تینوں کے طرز کی جامع ہے۔

مومن کی تصویر کے متعلق نوٹ

(از جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی - اے)

حکیم مومن خاں مومن کی ایک غزل کا مقطع ہے -

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

خدا معلوم یہ مقطع لکھتے وقت ان کو الہام ہوا تھا یا نجوم کے ذریعے سے ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ تقریباً (۸۰) برس تک "نام سننے" کے بعد لوگ " اس شعرا کے امام" کو رسالۂ اُردو میں دیکھیں گے - یہ تصویر مدتوں سے میرے خاندان میں "بخیل کا خزانہ" بنی ہوئی تھی، اب خدا خدا کرکے سب اس پر راضی ہوے کہ اس کو پبلک پر " وقف" کر دیا جاے - ہمارے خاندان میں دو بڑے شاعر گذرے ہیں ایک 'غالب' دوسرے 'مومن' - خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے ہی ذریعے سے دونوں کی تصویریں پبلک میں آئیں - میرے عم بزرگوار مرزا عبدالصمد بیگ مرحوم نے غالب کی تصویر ان کے انتقال سے چند ہی روز پہلے رحمت علی فوٹو گرافر سے کھچوائی تھی - یہی وہ تصویر ہے جس کو لوگ اب آنکھوں پر رکھتے ہیں - میرے پاس اس کی اصل پلیٹ تھی، لیکن رفتہ رفتہ مسالا (Hypo) اس کو کھا گیا اور

زرد ہوتے ہوتے بیکار ہو گئی - اب یہی گھرانا مومن کی تصویر سے آپ کو روشناس کراتا ہے - اصل تصویر میرے پاس موجود ہے - لیکن اس رسالے کی تصویر اور اس اصلی تصویر میں کچھہ فرق ہے - سر سے سینے تک کا جو حصہ ہے وہ اصل تصویر کا فوتو ہے البتہ طریقۂ نشست کو ذرا بدل دیا گیا ہے - وجہ یہ ہے کہ دھلی کے مصور تصویر کا چہرہ لاجواب بناتے ہیں، مگر ہاتھہ پاؤں اس طرح ہوتے تھے گویا لکڑی کے بنا کر جڑ دئیے ہیں - زمانۂ موجودہ کے مذاق کا خیال رکھتے ہوے اس تصویر کے ہاتھہ پاؤں کو اعضاے انسانی کی صورت دیدی گئی ہے - بقیہ کل حصوں کو جوں کا توں رکھا ہے—

اس تصویر کو دیکھکر سب سے پہلے ہر شخص کے دل میں یہی خیال پیدا ہوگا کہ "کیا یہ تصویر اصلی ہے"- یہی وہ سوال ہے جس کا جواب میں اس تحریر میں دینا چاہتا ہوں—

سب سے پہلے یہ غور فرمائیے کہ اس تصویر کے بنانے سے کیا کسی کو کچھہ منفعت ہوئی ہے؟ - ہندوستان کسی طرح یورپ اور امریکہ نہیں ہو سکتا ، جہاں مشاہیر کی تصویروں کے ہزاروں ہی نہیں لاکھوں روپے دیدئے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں جعلی تصویریں بنانا نہ صرف ایک فن بلکہ روپیہ کمانے کا ذریعہ بن گیا ہے - ہمارے ہندوستان میں خود کاملین فن کو کوئی کوڑی کو نہیں پوچھتا تو بھلا ان کی تصویروں کے کیا دام دیگا - اب اسی تصویر کو لیجئے، اگر مغرب میں مومن جیسے کسی شاعر کی تصویر مل جاتی تو لاکھوں کی تعداد میں چھپتی اور بکتی ، لیکن یہاں یہ تصویر انشاالله بس اسی رسالے میں نظر آئیگی اور پھر طبع ہونا تو کیا کوئی دوبارہ دیکھنے کی تکلیف بھی نہ اُٹھاے گا - جب نا قدری کا یہ حال ہو تو پھر خیال بھی نہ کرنا چاہئے کہ ہندوستان میں کوئی شخص جعلی تصویر بنانے کی زحمت گوارا کر سکتا ہے—

اس معیار کے علاوہ پرانی تصویروں کو جانچنے کے اور کئی طریقے ہیں - اس

بارے میں ھمیشه پہلی تنقیح یه قائم ھوتی ھے که "کیا یه تصویر حفاظت جایز (Safe Custody) سے آئی ھے؟" یعنی یه که تصویر زیر تنقید کیا ایسے شخص کے پاس سے نکلی ھے جس کے قبضے میں یه بطور جائز ھو سکتی تھی - اس کے متعلق میں یه ظاھر کر دینا کافی سمجھتا ھوں که یه تصویر میرے پاس ھے اور خواجه امان کے فرزند خواجه قمرالدین خاں راقم کے ذریعے سے مجھه تک پہنچی - مومن مرحوم میری پر دادی کے بھائی اور راقم مغفور ددھیال کی طرف سے میرے دادا اور ننھیال کے رشتے سے میرے نانا ھوتے تھے - یه تصویر خواجه بدرالدین خاں عرف خواجه امان مترجم بوستان خیال کی بنائی ھوئی ھے - گویا یه میرے ھی خاندان کے ایک شخص کی تصویر اور میرے ھی خاندان کے ایک شخص نے اس کو بنایا ھے اس لئے میرے قبضے میں اس تصویر کا ھونا ھر طرح قرین قیاس ھو سکتا ھے—

حفاظت جائز کی بحث کے بعد یه تصفیه کرنا ھوگا که کیا واقعی یه تصویر خواجه امان مرحوم کی بنائی ھوئی ھے؟ - اس کے لئے سب سے پہلے یه دیکھنا ھوگا که وہ مصور تھے بھی یا نہیں - اس کے متعلق میں یه عرض کرنا چاھتا ھوں که دھلی بھر میں وھی ایک شخص تھے جن کو دھلی کے مصوروں نے یه کام سکھایا تھا - وہ دھلی کے مشہور مصور محمد فضل کے شاگرد تھے اور خود تصویر کا "عمل" بتا رھا ھے که یه کوچه نٹواں کے کسی مصور کا قلم ھے - اسی تنقیح کے ضمن میں یه بھی دیکھنا ھوگا که کیا بلحاظ زمانه خواجه امان مرحوم کو حکیم مومن خاں کی تصویر کھینچنے کا موقع تھا؟- خاندانی تعلقات کے علاوہ اگر دھلی کے بڈھے بڈھے لوگوں سے پوچھا جاے تو پته چل سکتا ھے که یه دونوں ھم عمر تھے اور دونوں میں انتہا درجه کی محبت اور دوستی تھی - ان حالات میں خواجه امان مرحوم کا یه تصویر بنانا کسی طرح خلاف قیاس نہیں ھو سکتا—

اب رھی یه بحث که یه خواجه امان مرحوم کے ھی ھاتھه کی تصویر ھے تو اس کے دو ثبوت ھیں - اول ان کی "تحریر" دوسرے ان کا "عمل" - تصویر کے اوپر

کے الفاظ " شبیہ * حکیم مومن خاں صاحب دهلوی ، به عہد شباب " خواجه صاحب مرحوم کے قلم کے هیں - اسی عبارت کے مقابله کے لئے اُن کے هاتهه کی لکهی هوئی بوستان خیال کی ایک جلد میرے پاس موجود هے - دونوں تحریروں کو دیکهه کر ایک هی نظر میں کہا جاسکتا هے که یه دونوں خط ایک هی شخص کے هیں - اب رها "عمل" تو اس کا مقابله ان کی بنائی هوئی دوسری تصویروں سے هوسکتا هے - همارے خاندان میں ان کے هاتهه کی کهچی هوئی کئی تصویریں موجود هیں ، جس کا جی چاهے آکر مقابله کر لے —

یه تو هوئی گرد و پیش کی شہادت جس کو اصطلاح میں بیرونی شہادت کہا جاتا هے - اب شہادت اندرونی کو لیجئے - اس کے لئے سب سے پہلے یه دیکهنا هوگا که جس شخص کی یه تصویر هے اس کا لباس ، خط و خال اور وضع قطع اسی تصویر سے ملتے جلتے هیں یا نہیں - مومن مرحوم کا جو حلیه ان کے معاصرین نے بیان کیا هے اس کا مقابله اگر اس تصویر سے کیا جاے تو اس تصویر کے اصلی هونے میں ذرا بهی شک نہیں رهتا —

اس کے بعد یه دیکهنا هوگا که یه تصویر کس قسم کے کاغذ پر کهنچی هے یه تصویر چانول کے بنے هوے اور مہرہ کئے هوے باریک کاغذ پر هے اور اس کاغذ کو وصلی پر بٹهایا هے - اول تو ایسا کاغذ اب کمیاب تو کیا مفقود هوگیا هے - دوسرے وصلی پر کاغذ کو جما کر مہرہ کرنے کا طریقه اب بالکل رائج نہیں هے - شہادت اندرونی میں سبؔ سے زیادہ قابل غور چیز اس تصویر کے رنگ هیں - میں خود اس فن سے واقف هوں اور شاید اس زمانے میں میرے سوا اور کوئی نہیں هے جو محمد فضل کے خاندان کا شاگرد هونے کا دعوی کرسکے - یه خواجه امان مرحوم هی کے تعلقات تهے جن کی وجه سے مجهے ان لوگوں نے شاگرد بهی کرلیا ورنه اُن کے هاں تو کوئی غیر شخص قدم بهی نہیں رکهه سکتا —

---

* افسوس که بلاک بنواتے وقت یه عبارت رہ گئی — (اڈیٹر)

یہ واقعات میں نے اس لئے عرض کئے کہ رنگوں کے متعلق میرے واقفیت کا اندازہ ہوسکے - دھلی کے مصوروں کی قدیم تصویریں چار رنگوں سے بآسانی پہچانی جاتی تھیں - ایک نیلا، دوسرا شنگرفی، تیسرا سفید اور چوتھا سنہرا - یہ سب رنگ گھروں میں بنائے جاتے تھے اور ان کے بنانے کا راز اس طرح چھپایا جاتا تھا کہ ان کے خاندان والوں کے علاوہ آج تک کسی کو یہ بھید معلوم نہیں ہوا جب سے انگریزی رنگ چلے ھیں ان لوگوں نے سہولت کے خیال سے ولایتی رنگوں کا استعمال شروع کردیا اور اب نوبت یہانتک پہنچی ھے کہ میں دعوے سے کہہ سکتا ھوں کہ یہ لوگ سفیدا بنانا اور سونا گھونٹنا تو ضرور جانتے ھیں لیکن نیلا اور شنگرفی رنگ بنانا بالکل بھول گئے ھیں - مومن خاں مرحوم کی تصویر میں یہ چاروں رنگ دیسی بنے ھوے استعمال ھوے ھیں اور یہ اس امر کی قطعی دلیل ھے کہ یہ تصویر اس زمانے کی ھے جب انگریزی رنگوں کا استعمال شروع نہیں ھوا تھا، میں اس سلسلےمیں برش لگانے'' کے طریقہ سے بھی بحث کر سکتا تھا اور بتا سکتا تھا کہ پہلے زمانے میں تصویروں اور خاص کر چہرے پر کس طرح برش لگاتے تھے اور اب کس طرح رنگ دیتے ھیں - لیکن اس مختصر سے مضمون میں اتنا گھراجانا بے ضرورت سمجھتا ھوں کیونکہ جب میں دیکھتا ھوں کہ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مومن کی قبر کہاں ھے اور کس حالت میں ھے تو پھر ان کی تصویر سے وہ کیا خاک دلچسپی لینگے۔ میرا ھی دل جانتا ھے کہ اس مرحوم کی قبر مہندیوں میں کس مشکل سے مجھے ملی اور کس حالت میں ملی ھے - اگر اس قبرستان کا وہ بڈھا گورکن مرگیا جسنے مجھے اس ڈھیر کا پتہ دیا تھا تو وہ دن دور نہیں ھے کہ کسی کو ھندوستان کے اس بے بدل شاعر کا نشان مزار بھی نہ ملے، سچ ھے :—

ھمیشہ رھے نام اللہ کا



پروفیسر براؤن مرحوم



(ولادت ۷-فروری سنه ۱۸۶۹ ع - وفات ۵-جون سنه ۱۹۲۶ ع)

پروفیسر براؤن

نوشتۂ

میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی (لندن)

مترجمه

(اختر محمود شیرانی ایڈیٹر " بہارستان " لاهور)

ذیل کا مضمون ، جس کا ترجمه ، حضرت قبله مولانا مولوی عبدالحق صاحب مد ظله کے حکم کی تعمیل میں کیا گیا هے ، ایران کے نامور محقق اور فاضل میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی کے زور قلم کا نتیجه هے - میرزا صاحب موصوف ایک بلند مرتبه ادیب اور وسیع‌النظر محقق هیں اور تقریباً سنه ۱۹۰۵ ع سے لندن میں قیام پزیر اور تحقیقات علمیه میں مصروف هیں - آپ کی محققانه ژرت نظری کا پایه بہت بلند هے اور اس بارے میں ، ایران تو ایران ، خود یورپ کے مستشرقین میں کوئی ایسا نہیں جو آپ کے مقابلے میں لایا جاسکے - میرزا صاحب کی مرتب کردہ متعدد قابل‌قدر کتابیں شائع هو چکی هیں اور بلاد یورپ کے علاوہ، هندوستان و ایران میں بھی مقبول هوئی هیں - مسائل علمیه میں اُن کی دقت نظر ، اور متانت فکر ، ان کی خدا داد قابلیت کا اختصاصی جوهر هے - فارسی ، عربی ، اور ترکی ، کے عالم هونے کے علاوہ انگریزی ، فرنچ ، اور جرمن زبانوں میں بھی درک رکھتے اور تقریباً هفت زبان شخص هیں —

پروفیسر براؤن آنجہانی سے اُن کے تعلقات کا یه عالم تھا که وہ اُن کے دست

وابستہ شمار ہونے لگے ، حالانکہ یہ امر ، میرزا صاحب جیسے عالی جاہ اہل قلم ، اور محقق کے لئے باعث فخر نہیں ہوسکتا ۔ یورپ بھر میں میرزا صاحب کی قابلیت کے جھنڈے گڑے ہیں اور بالخصوص فارسی ادبیات کے دائرے میں تو اُن کی عدیم المثال مہارت ، اور وسعت نظر ، سند تسلیم کی جاتی ہے —

پروفیسر براؤن کے ساتھہ (نجی کے طور پر) وہ مدتوں کام کرتے رہے ہیں اور اس لئے یہ کہنا ناموزوں نہ ہوگا کہ مرحوم کی نسبت ، ان کے معلومات و اطلاعات خاص قدر و قیمت کے مستحق ہیں !

اس مضمون کو ایران وملت ایران کا وہ خون آلود آنسو سمجھنا چاہئے جو اُس نے اپنے اسلاف اور ادبیات کی روح کو بیدار کرنے والے محسن کے مزار پر نذر چڑھایا ہے ——— اور ہمیں کہنا چاہئے کہ فردوسی و سعدی ، اور حافظ و خیام کے وطن کی شعر آفرین ، سر زمین کا یہ وہ خراج ماتم ہے جو صرف خوش نصیب اور زندۂ جاوید براؤن ہی کی موت کو نصیب ہوسکتا تھا ——— ! !

اختر

فارسی زبان ، اور اُس کے ادبیات کے لئے ، کوئی بڑے سے بڑا ، نا قابل تلافی نقصان ، اس سے بڑھکر نہیں ہوسکتا ، جو پروفیسر براؤن (پروفیسر عربی و فارسی کیمبرج یونیورسٹی ، انگلستان) کی حسرت ناک موت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے ۔ ۲۰ جمادی الاخری سنہ ۱۳۴۴ھ (مطابق ۵ـ جون سنہ ۱۹۲۶ ع) کو ، ۶۴ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا اور ۷ ـ شعبان سنہ ۱۲۷۸ھ (مطابق ۷ـ فروری سنہ ۱۸۶۲ ع) کو وہ پیدا ہوے تھے —

میرا خیال ہے کہ ایران میں بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو پروفیسر براؤن کو نہ جانتے ہوں یا جنہوں نے ان کا نام نہ سنا ہو کیونکہ ایران اور ایرانیوں کے حق میں ان کی جلیل القدر خدمات ، صرف اُن کے ادبی کارناموں پر ہی منحصر نہ تھیں

جو فقط علما و ادبا کے حلقه تک محدود رهتیں، بلکه، جیسا که ایک دنیا کو معلوم هے، مرحوم نے عالم سیاست میں بهی، ایران و حقوق ایران کی نهایت شاندار اور عظیم خدمات انجام دی هیں —

ایران میں قیام جمهوریت کی ابتدا (سنه ۱۳۲۴ھ) سے لیکر، جنگ عظیم کے آغاز (سنه ۱۳۳۲ھ) تک، یورپ میں، ایران کی حمایت اور طرف داری کے سلسلے میں، مرحوم نے جیسی جیسی تکلیفیں اُٹھائیں اور حقوق ایران کی تائید اور اپنی حکومت یعنی حکومت انگلستان اور روس کی جابرانه سیاست کے خلاف اعتراض و احتجاج کے طور پر، جو زبردست مجاهدے، اخبارات میں مضامین لکھکر، کتب و رسائل کی تالیف سے، تقریریں کرکے، اور امرا و وزراے برطانیه سے ملاقات کے ذریعے انهوں نے انجام دئیے، وه اس قدر عجیب اور فوق‌العادت هیں که اُن پر حقیقت میں، کوئی یقین نهیں کرسکتا۔ اور اُن لوگوں کے سوا، جنهوں نے اپنی نظروں کے سامنے اُن کو، یه حیرت‌انگیز کام کرتے دیکھا هے، دوسروں کے لئیے اس کا تصور بهی مشکل هے۔ چونکه اُن کے مضامین کے تراجم، وقتاً فوقتاً ایرانی جرائد و رسائل میں بهی، شایع هوتے رهتے تهے اس لئیے میرا خیال هے که ایران کے دیهات و قصبات بهی اُن کی شهرت سے محروم نه هونگے؛ یهاں تک که کرسان و بلوچستان کے دور دست علاقوں میں بهی کوئی اُن کے نام سے بے خبر نهوگا —

میرا عقیده هے که ایران اور یورپ کے مابین باضابطه روابط کے افتتاح سے، ایک قرن ادهرسے، کسی یورپیین نے ایران میں اس درجه نیک نامی اور شهرت، هرگز حاصل نه کی هوگی اور عام ایرانیوں کے جذبات اخلاص و محبت کو، اپنی طرف، اس حد تک نهیں کیا هوگا ——— اس لئیے که مرحوم کی سیاسی خدمات، هر ایک ایرانی کے دل و دماغ میں مرتسم هیں - علاوه براین ایران کے بهت سے مدبر، جمهوریت پسند اور آزادی خواه، اُن کے ساتھه ربط ضبط رکهتے تهے، جن میں اکثر نے مدتوں ان کی یکجائی صحبت کے لطف بهی اُٹهاے هیں——اور ان میں سے بهت‌سے، اب تک زنده

و سلامت موجود هیں اس لئے میں اس موضوع کو زیادہ پھیلانے کی ضرورت نہیں دیکھتا ! لیکن ـــــــ اس مرحوم کی علمی و ادبی خدمات کی میں بڑی جرات کے ساتھہ قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یورپ و امریکہ کے مستشرقین میں سے (خواہ وہ اُن کے پیشرو ہوں خواہ معاصرین) کسی نے بھی، اس منزل میں اس قدر، کاوشوں اور تکلیفوں کا سامنا نہیں کیا ہے - کسی نے بھی اپنی تمام عمر کو ۱۸ ویں سال سے لیکر اپنی ۶۴ سالہ زندگی کے آخری لمحے تک بھی بغیر کسی سستی یا تکان کے اپنے تمام قوائے مادی و باطنی کے ساتھہ، ایران کے آثار علمی کے احیا پر قربان نہیں کیاھے- کسی نے بھی یہ عالی ہمتی، یہ فداکاری، اور یہاز خود رفتگی نہیں دکھلائی اور اپنی ذاتی جیب پر ، اس قدر مالی قربانیوں کا بار نہیں رکھا ہے اور ـــــــ خاص طور پر یہ کہنا چاہئے کہ کسی نے بھی، اپنی تمام عمر میں ایران کے ادبیات ذوقیات اور معنویات ، یعنی اس ملک کے شعرا، حکما، عرفا، اور ارباب مذاهب کے افکار سے، اس قدر خاص، اور خالص ضمیمی محبت ، جودل کی انتہائی گہرائیوں سے نکلی ہو، اور ہرقسم کے سیاسی ، مالی، اور دنیوی اغراض و مقاصد سے پاک ہو ، بلکہ اس درجہ شدید عشق نہیں برتاھے، جس کا مرحوم کی تصنیفات کے ایک ایک حرف سے ثبوت ملتا ہے - اس امر کو ، اُن لوگوں کی بہ نسبت ، جو مرحوم کی تالیفات سے غائبانہ لطف اُٹھاتے تھے ، وہ ایرانی ہزاردرجہ زیادہ بہتر طور پر ، اور عینی مشاهدہ کی صورت میں محسوس کرچکے ہیں ، جنہوں نے اُن سے ملاقات کی ہے اور جنکو انکی پرلطف صحبتیں نصیب ہوچکی ہیں - یہ لوگ ، مرحوم کی اُس خالص محبت کے آثار و علامات سے جووہ اِنسے محض ایران کی خاطر کرتے تھے ، فی الحقیقت متاثر ہوتے تھے ــ

عالم اسلام سے عموماً اور ایران اور ایرانیوں سے خصوصاً اُن کی محبت کی کوئی انتہا نہ تھی اور یہ محبت کسی مادی یا علمی غرض مثلاً دولت یا سیاست یا مرتبہ یا وطنی خدمت سے آلودہ نہ تھی بلکہ دلی احساسات اور روحی جاذبیت



(پروفیسر براؤن ایرانی لباس میں !)

کا کرشمہ تھی یعنی حسن اور حق و راستی سے عشق! اور جو اُن کے خلاف ہو اُس سے نفرت!!

یورپ کے بہت سے حقیقی مستشرقین کو، جو فی‌الواقع عالم و فاضل ہیں اور ایرانی تاریخ و زبان کی کافی خدمات انجام دے چکے ہیں، جب آپ بہت قریب سے دیکھیں گے یا اُن کی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو صاف معلوم ہو جاے گا کہ اُن کو ایران سے دلی لگاؤ نہیں ہے اور ایران کے علوم و فنون کے بارے میں اُن کی کاوش دماغی اور اس موضوع پر تصنیف و تالیف کی بارش، ایران سے محبت کرنے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے، حسب ذیل اغراض میں سے کسی ایک پر مبنی ہے:—

یا محض، محبت علم کی خاطر—— یہ نایاب ہے! یا آریائی نسل کی زبان اور تاریخ کی خدمت کے لئے، جس سے اُن کا مقصد، اپنے ہی ملک کی خدمت ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ایران بھی، آریائی نسل کی لڑی کا ایک ٹوٹا ہوا موتی ہے اس لئے بامر مجبوری اور اپنے اصلی مقصد کی خرابیوں کے سد باب کی غرض سے، انہوں نے اپنی عمر کی ایک مدت، ایران کی تاریخ و زبان اور آثار قدیمہ پر بھی صرف کی ہے تا کہ وہ آریائی نسل کو، سامی نسل اور خصوصاً یہودیوں کے مقابلے میں بڑھا چڑھا کر پیش کریں اور اُن کی اہمیت کو سراہ کر، یہودیوں کی اہمیت کو نام دھریں! یا بعض شخصی اغراض، مثلاً کسی یونیورسٹی کی پروفیسری، یا کسی اکیڈمی کی رکنیت، یا محض حصول مرتبہ و شہرت اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی خاطر، جن کی تہ میں، ہر طرح کوئی نہ کوئی غرض اور مطلب چھپا ہوتا ہے! قصہ مختصر ایران کی محبت کی لگن کسی کے دل میں نہیں ہوتی—

یہ اگر محبت نہ کریں تو بھی غنیمت ہے، مگر ستم تو یہ ہے کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ اگر اُن کا دل چیرا جاے تو آپ دیکھیں گے کہ ایران کی قوم کی نسبت، اُن کی فطرت میں، دشمنی کی سی حس اور حقارت بسی اور رچی

ہوئی ہے - اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے یورپی تربیت کی گود میں آنکھیں کھولی ہیں، جس کی بنیاد، قدیم یونان اور روم کے علوم و فنون اور تاریخ و ادبیات پر رکھی گئی ہے - اب چونکہ اگلے زمانے میں، ایران اور یونان و روم کے مابین جنگ و جدل کے بازار گرم رہے ہیں اور اُن دونوں قوموں کے مورخین، ایران کو ہمیشہ دشمنی کی نظر سے دیکھتے اور کوشش کرتے رہے ہیں کہ ان جنگ آزمائیوں کو، اپنی اور اپنی قوم کی "طفل تسلی" کی خاطر "متمدن قوموں پر وحشی قوموں کی تاخت و تاز" کے عنوان سے یاد کریں، اور ایرانی تمدن کو یونانی اور رومی تمدن کی بہ نسبت بہت گرا کے دکھلائیں، اس لئے یونانیوں اور رومیوں کی اس روحی کیفیت کا اثر، یورپ کی موجودہ نسل پر بھی ہوا ہے خواہ وہ اپنے تئیں کتنی ہی تربیت یافتہ، متمدن اور بلند نظر لکھے!—

ایران کی نسبت، دشمنی کے اس جذبے کے اظہار میں، خواہ وہ کیسی ہی خود داری اور ضبط سے کام لینے کی کوشش کریں پھر بھی اُن کی زبان کے تیور، اور لہجے کے انداز سے کہیں کہیں "کاسہ" کے اندر کی چیز ٹپک ہی پڑتی ہے —

تم یوں تو لاکھ پیار کی باتیں کرو مگر
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم سے خفا سے ہو!

ان کے ہاں کی تاریخوں میں، جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، مذکورۂ بالا معرکہ آرائیوں کے ذکر میں، اس قسم کی حقارت آمیز مثالیں "ایشیائی جرگوں* کا حملہ یونان پر"! بہت سی ملتی ہیں - جرمنی کے ایک نامور مستشرق نے "تاریخ ساسانیان" میں یزد جرد کے حالات کے سلسلے میں، طبری کی اس عبارت کا ترجمہ

---

* (Hordes Asiat ques) ہورۃ کے معنی لشکر کے ہیں - مگر یورپی زبانوں میں یہ لفظ صرف تحقیر اور توہین کے موقع پر، اور وحشی قوموں کے لٹھیروں اور غیر منظم جرگوں اور جتھوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - اُن کے اپنے خیال میں یہ لفظ متمدن قوموں کے منظم لشکر کے مقابلے میں آتا ہے—

دے کر کہ "یزد جرد*" عامۃ الناس سے بہت سوء ظن رکھتا اور کسی معاملے میں بھی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ جب کوئی اُس سے کسی اور شخص کی نسبت کچھ عرض کرتا تو یزد جرد پوچھتا کہ تونے اُس شخص سے اس سفارش کا کیا حق العمل وصول کیا ہے؟"

اس کے حاشیے میں، اپنی راے ان الفاظ میں لکھی ہے "یزد جرد، نے ایرانیوں کو خوب سمجھا ہے" ——— اس حاشیے میں اس نشتر کے سوا، جس کے استعمال کئے بغیر اس کو صبر نہ آسکا، اور کوئی بات نظر نہیں آتی، یوں کہنا چاہئے کہ اُس نے حاشیہ، صرف اسی راے کے اظہار کے لئے لکھا ہے اور یہ متن کے لئے جس قدر "ضروری" اور "اہم" ہے محتاج بیان نہیں۔ یہی مستشرق، اسی کتاب کے مقدمہ میں اپنے مآخذ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"کتاب حاجی بابا مؤلفہ موریر سے بھی ایک شخص، قدیم ایرانیوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کر سکتا ہے!"

پھر ایک اور مقام پر، بعض قدیم ایرانی مآخذ مثلاً "خدائی نامہ" وغیرہ کا ذکر کرکے ساسانیوں کی تاریخ اور اس سے متعلق روایات کے باہمی اختلافات کے سلسلے میں کہتا ہے:—

"ان مآخذ میں کوئی بات بھی حقیقت سے نزدیک نہیں، سچ تو یہ ہے کہ قدیم زمانے سے آج تک ایرانیوں نے مبالغہ ہی سے کام لیا ہے اور حقیقت سے مطلقاً سروکار نہیں رکھا ہے † —

---

* "وکان دهره للناس متهما و لم یکن یأمن احداً علیٰ شیء من الاشیاء ...... وان جسر علیٰ کلامہ فی امر کلمہ فیہ رجل لغیرہ قال لہ ما قدر جعالتک فی هذا الامر الذی کلمتنا فیہ وما اخذت علیہ" (طبری ۱-۸۴۸)—

† اس جرمن مستشرق کے احترام کی خاطر، جو اس قسم کی نشتر زنی کے باوجود ایران اور اس کی زبان پر بہت زیادہ حقوق رکھتا ہے ہم اُس کے نام اور اس کی کتاب کے نام سے قطع نظر کرتے ہیں —

ایران کے بارے میں اس قسم کے زہر میں بجھے ہوے نشتروں سے مستشرقین کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ہمارا مقصد صرف ایک دونمونے پیش کرنا تھا تاکہ ہمارے وطن اور اہل وطن کے بارے میں اُن کے دل کا " چور،، ظاہر ہوجائے ——
اب، اگر ان لوگوں کی تالیفات کا ' تعرف‌الاشیاء باضدادها ' کے طور پر ' مرحوم و مبرور پروفیسر براؤن افاض‌الله علیه شآبیب‌الغفران، کی تالیفات کے ساتھہ (جوشروع سے اخیر تک ایران و متعلقات ایران کی خالص محبت سے لبریز ہیں) موازنہ کریں تو، مرحوم کی قدر منزلت، اور دوسروں سے اُن کے گہرے فرق کا صحیح اندازہ‌ہوسکےگا اور آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ مستشرقین میں سے کوئی بھی اس معاملہ میں، ان سے فی صدی ایک درجہ‌بھی مشابہت نہیں رکھتا-اور تب آپ سمجھہ سکیں گے کہ اُن‌کی موت‌کے ساتھہ ' یورپ سے، ایران‌کا کس قدر زبردست پشت و پناہ، ایرانیوں کے ہات سے کھو گیا ہے ؟، اور موت کے ظالم ہاتوں نے ۵- جون کو ایران کی ملت و معنویت کے کتنے بڑے حامی کا شکار کرلیا ہے؟ اور ان سے بڑھکر یہ کہ اُن‌کی موت نے،اہل علم و فضل کی محفل پر کیا افسوسناک اثر ڈالا ہے کہ کوئی چیز اور کوئی شخص ' برسوں تک اُن کی خالی جگہ پر نہیں کرسکتا - اُن کے ایرانی دوستوں کے دلوں کے لئے یہ وہ گہرا زخم ہے جو زندگی بھر بھرنے میں نہ آئے گا - الله تعالیٰ اُن کے مزار پر نور کی کرنیں برسائے! اُن کے حال پر اپنی وسیع رحمت کا نزول فرمائے اور اُن کی پاک روح کو اعلیٰ علیین میں، اُن شاعروں اور عارفوں کي ارواح کے ساتھہ رکھے جن سے وہ عمر بھر محبت کرتے رہے تھے !—

حقیقت میں پروفیسر براؤن‌کا وجود ایران کےلئے ایک نعمت خدا داد، اور فطرت کے اُن نادر اتفاقات حسنہ میں سے تھا جو کبھی کبھی، اور سہواً ' اس کے ہاتوں سے ظاہر ہوجاتے ہیں- اس سے زیادہ عجیب بات کون سی ہوسکتی ہے کہ اجنبی قوم‌کا ایک فرد،اور وہ بھی اس قوم‌کے اعاظم علما و فضلا میں سے ایک، اپنی ساری زندگی ' ہمارےملک کی طرفداری میں‌گزار دیتاہے اور مدت‌العمر، محض ہمارے ملک کی‌ایک

بیگانہ ملک کی خاطر ، خود اپنے ملک اور قوم سے مقابلہ اور اُن کے اعمال پر انتقاد واعتراض کی بوچھار کرتا رهتا هے ! کیا یہ چیز، فطرت کے ——— آج کل کی اُس فطرت اجتماعیہ کے (جس کی بنیاد ظلم و ستم، جور و جفا اور دشمنی وغضب پر قایم هے) اتفاقی نوادر اور سہو و غلطی کے امور میں سے نہیں تھی ؟ مگر کیسی غلطی ! کہ همارے لئے، اور هماری خوش نصیبی کے لئے محض صواب اور صواب محض تھی! افسوس ! صد هزار افسوس !! کہ یہ نعمت عظمیٰ همارے هات سے چھن گئی ! رائگاں گئی !! —

اس مضمون سے، مرحوم کے بعض خصائل حمیدہ اور علم و فضل کے بارے میں چند اشارات مقصود هیں اور بس ، ورنہ اگر کوئی اس عجیب و غریب هستی کے مفصل حالات زندگی اور بے مثال مناقب و فضائل کا مناسب اظہار کرنا چاهے تو "اُمیدی" طہرانی کا هم زبان هوکر کہہ اُٹھیگا —

کتاب فضل ورا، آب بحر کافی نیست
کہ تر کنی سر انگشت و صفحہ بشماری

اگرچہ کہ اس قسم کے اغراقات میں ، حقیقت ، هلاکت پیشہ ثابت هوتی هے مگر میں کہتا هوں کہ اس موضوع پر بلا مبالغہ کئی سو صفحات کی کتاب لکھی جاے تب بھی اس مرحوم کے کارناموں کا حق ادا نہیں هوسکتا البتہ ان کی عملی زندگی کے اُن تمام مختلف شعبوں ، مثلاً سیاسی ، تحقیقی، اور خصوصاً بابی مذاهب کے سلسلے کی (جن میں هر ایک حصہ ایک جدا گانہ مبسوط و مفصل باب چاهتا هے) صحیح تفصیل دی جاسکتی هے - میں خود اگر یہ افسردہ دلی، اور پریشان دماغی، جسنے اس منحوس خبر کے پہنچتے هی ، میرے هات پاؤں اور خیال و ارادہ کو مفلوج کردیا هے ، نہوتی تو مرحوم کے هزاراں هزار حقوق میں سے کسی قدر ——— ادا کرنے کی غرض سے اس کام کو اپنے ذمہ لےلیتا، مگر غم و یاس کا هجوم دنیا و مافیہا سے بیزاری ، اور کار وبار سے برداشتہ خاطری ایسی چیز نہیں، جس نے مجھ میں

ذرا بھی کام کرنے کی طاقت باقی چھوڑی ھو - یہ پریشان سطریں بھی اپنے محترم دوست آقائی کاظم زادہ * جزاہ‌الله خیراً کے حکم کی تعمیل میں لکھتا ھوں ' جنھوں نے مجھے اپنا وجدانی فرض یاد دلایا اور حتی‌الامکان تسکین و تسلی دی اور نہایت اصرار کے ساتھہ ' فرض سپاس گزاری کے ایک ھلکے سے جزو کی ادائگی پر مجبور کردیا - محترم ناظرین سے اُمید ھے کہ اختلال الفاظ اور اضطراب معانی پر (جن سے وہ ان سطور میں قدم قدم پر دوچار ھونگے) مجھے مجبور خیال کرینگے اور اور اس عذر کو مان لینگے کہ اس مصیبت کی عظمت ان چیزوں سے کہیں بالا ھے! —

مرحوم کے حالات اوائل عمر سے سنہ ۸-۱۸۸۷ ع [۶-۱۳۰۵ھ] تک کے لئے جو اُن کے سفر ایران کا زمانہ ھے اور جب کہ اُن کی عمر ۲۷ سال تھی ' اُن کی کتاب " ایک سال ایرانیوں میں † " کا مقدمہ ملاحظہ ھو جس میں اُنھوں نے اپنے تمام سوانح حیات اور وہ اتفاقات ' جنھوں نے اُن کے السنۂ مشرقیہ کی تحصیل پر آمادہ کیا اور طبی تعلیم کی بجائے (جیسی کہ ان کے والد کی خواھش تھی) ان کو اسی سلسلے میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا ' سب کچھہ مفصل بیان کیا ھے ' اس کے بعد ' اسی کتاب کا متن ملاحظہ ھو جو اکثر نہایت دلکش کتابوں کے نفائس سے بیحد جاذب نظر و توجہ ھے اور ایران کے ایک سالہ قیام (صفر ۱۳۰۵ - صفر ۱۳۰۶) کے حالات واقعات پر مشتمل ھے —

مرحوم کی ادبی زندگی کے اجمالی تصور کے لئے ' جو انکی زندگی کا بنیادی پہلو ' اور حقیقی مشغلہ تھی ' ۱۸- سال کی عمر سے ایکر (جبکہ انھوں نے فارسی کی تحصیل شروع کی) اخیر لمحہ حیات تک کی تفصیلات کے لئے ' مرحوم کی

---

* برلن (جرمنی) کے مشہور فارسی رسالہ " ایران شہر" کے اڈیٹر اور موجودہ ایران کے نامور اور بلند مرتبہ انشا پردازوں میں سے ھیں — (اختر)

† A year amongst the Persians, London 1893.

تالیفات ، (جو ۱۲ - بڑی کتابوں اور ۲۲-رسالوں * پر مشتمل ھیں)پر نظر ڈالنی چاھئے - ان میں " تاریخ ادبیات ایران " ان کے شاھکار کا درجہ رکھتی ھے - یہ ایک اھم ترین کتاب ھے - آج تک کسی مستشرق نے ، اس سے پہلے ، ایسی یا اس کے قریب قریب ، کوئی کتاب نہیں لکھی ھے - یہ ھماری (فارسی) زبان کے ادبیات کے بارے میں نہ صرف یورپ میں اپنے رنگ کی ایک اور بے نظیر کتاب ھے بلکہ فارسی زبانوں میں بھی (جیسا کہ ھرایک کو معلوم ھے) آج تک کوئی ایسی کتاب ، جس میں ایسی عجیب ترتیب و نظم ھو ، جواس بسط و تفصیل کی حامل ھو ، جواس قدر اھم اور نادر اطلاعات و معلومات پرحاوی ھو اور دنیا کی مختلف زبانوں کے ایک ایسے علامہ ذوفنون کے ۳۰-۴۰ سالہ مطالعہ اور تحقیقات کا نتیجہ ھو ، اصلاً و ابداً نہیں لکھی گئی - اور کوئی ایسی رنگا رنگ تالیف ، جس میں تاریخ بھی ھو حالات مشاھیر بھی ، ادبیات بھی ھوں اور تذکرۂ شعرا بھی ، جو معجم الادبا بھی ھو اور منتخب الاشعار بھی ، جامع الحکایات بھی ھو اور گنجینۂ نکات بھی ، اور ھزارھا ایسے ھی حقایق و معارف و محاسن سے لبریز ھو ، ابتک ھم میں منصۂ شہود پر نہیں آئی ھے —

مرحوم کے سیاسی کارناموں کی پہلی تحریک کو انکے ۱۸ سالہ دورحیات ، (۱۳۲۴ - ۱۳۳۲ ھ) سے تعلق ھے جب کہ ایران کے شیرازۂ حکومت کی پریشانی ، اور اس ملک میں روس و برطانیہ کے ظالمانہ عمل دخل نے اُن کے تمام ذکر و فکر ، اور دن رات کے حصوں کو ، سراسر اپنی طرف مشغول کرلیا تھا ؛ یہی حوادث تھے جو آگے چلکر ، اس سلسلے میں مرحوم کے تمام تکلیفات و مجاھدات کا باعث ھوئے-سیاسیات کے اس شعبے میں مرحوم سے دو نفیس کتابیں یادگار ھیں - ایک " انقلاب ایران " (۱۹۱۰ ع - ۴۹۶ صفحات - ۳۲ تصاویر) - دوسری " ایران کے جدید اشعار و مطبوعات "

---

* مرحوم کی سیاسی اور بابی مذاھب کے متعلق ، جو کتابیں ھیں وہ اس فہرست میں شامل نہیں ھیں - صرف ادبی چیزوں کا ذکر ھے —

(۱۹۱۴ع - ۳۹۷ صفحات - ۳۲ تصاویر) - ان کے علاوہ کئی جداگانہ رسائل بھی ھیں جن کے نام اُس فہرست تالیفات میں (جو خود مرحوم نے سنہ ۱۳۴۲ ھ میں شایع کی تھی) موجود ھیں - یہ اُن لا تعداد مضامین کے علاوہ ھیں جو انگریزی جرائد و رسائل میں مسلسل شائع ھوتے رھے ھیں اور جن کی صحیح فہرست تیار نہیں کی جا سکتی—

بابی مذاھب کی تحقیقات کے معاملہ میں ان کی دلچسپی لینے کی کیفیت کے لئے، ان کی اس سلسلے کی مشہور کتابوں اور خصوصاً ان کے مبسوط مقدموں کا مطالعہ کرنا چاھئے جن میں وہ تفصیل کے ساتھہ بیان کرتے ھیں کہ کرنت دوگو بینو (Conte de gobinow) کی کتاب کے مطالعہ سے کس طرح اُن کی حیرت و تلاش کی رگ بیدار ھو گئی اور اس گروہ کی حقیقت حال کے دریافت میں ان کا ذوق و شوق بڑھتا گیا اور اس کے بعد وہ خود ان مسائل کی تحقیقات پر کمر بستہ ھو گئے اور کمال سرگرمی و جد و جہد سے، اس جماعت کی سرگذشت اور اس کے ان دردناک واقعات کے بارے میں (جو ان کی نسبت ایران میں واقع ھوے اور جنھوں نے سارے یورپ کو متاثر کر دیا) چاروں طرف سے اطلاعات و معلومات حاصل کرنے میں مشغول ھو گئے - شروع میں انھوں نے سفر ایران کے دوران میں اس مذھب کے بہت سے پیرووں سے دوستی پیدا کی اور اُن سے بہت کچھہ معلومات حاصل کئے، بعد ازاں سنہ ۱۳۰۷ھ میں، اس سلسلے کے اصلی سرچشمہ سے تازہ اطلاعات مہیا کرنے کی غرض سے 'عکا' اور 'قبرس' کا سفر کیا اور میرزا یحیی معروف بہ "صبح ازل" اور میرزا حسین علی معروف بہ "بہاء اللہ" —— دو بابی پیشواؤں سے ملاقات کی- علاوہ بریں اس گروہ کے دوسرے علما و فضلا سے، جو ایرانی یا ترکی علاقوں میں تھے یا مصر و شام میں، جہاں پتہ چلا، خط و کتابت شروع کردی، اور قیمتاً یا بلا قیمت، جس طرح بھی ممکن ھوا، اُن سے کتب و رسائل اور اسناد و اوراق حاصل کئے اور تب کہیں جاکر، اپنی بلند ھمتی اور راسخ العزمی کے سایہ میں

کسی قسم کی تکان اور محنت سے گھبرائے بغیر' اس شہرۂ آفاق اور اہم کتاب کی تالیف سے فارغ ہوے اور جیسا کہ اُن کا اصلی مقصد تھا کونت دی گوبینو کی تحقیقات کے بعد سے (جو سنہ ۱۲۶۹ھ تک منتہی ہوتی ہے) اپنے زمانے تک کی تفصیلات جمع کردیں—

کونت دی گوبینو فرانس کے مشہور فاضل ہیں' بہت سی فلسفیانہ' اجتماعیاتی' مذہبی اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں - فلسفۂ تاریخ کے مخصوص طریقے "گوبنزم" کے (جس کے پیرو جرمنی میں زیادہ ہیں) یہی موسس و مخترع ہیں- کونت موصوف سنین ۱۲۷۱ - ۱۲۷۴ میں' فرانسیسی سفارت متعینہ طہران کے نائب اول اور سنین ۱۲۷۸ - ۱۲۸۰ میں' اسی شہر میں' اسی حکومت کی طرف سے وزیر مختار کی حیثیت میں مقیم رہ چکے ہیں - اس مناسبت سے اُن کی اکثر تالیفات ایران اور اُس کے اجتماعی و تاریخی مسائل پر مشتمل ہیں - ان کی مشہور کتابوں میں ایک "ایشیاے وسطی میں فلسفہ مذاہب" (Les relgions et les Philosophies l' Asie centrale) کے نام سے ہے' جس کی دو اشاعتیں نکل چکی ہیں- پہلی اشاعت سنہ ۱۸۶۵ع (سنہ ۱۲۸۲ھ) میں ہوئی تھی - اس کتاب میں تقریباً تین سو صفحات کا ایک باب' صرف تاریخ و مذہب بابیہ کی بحث پر مشتمل ہے اور چونکہ باب کے قتل کے کچھ ہی بعد اور اس گروہ میں مذہبی اختلافات رونما ہونے سے پہلے' وہ خود بنفس نفیس طہران میں موجود تھے اور اُن کو خاص طور پر تحقیق مذاہب کا شوق تھا اس لئے اس کتاب میں بابیوں کے باب میں نہایت اہم اور فوق العادت معلومات ملتے ہیں—

پروفیسر براؤن مرحوم نے (جیسا کہ لکھا جا چکا ہے) بابیوں کے وقائع کو' گوبینو کی تحقیقات کے بعد سے شروع کیا ہے اور اُن اختلافات کو جو باب کے بعد اُن میں رونما ہوے' بازلی' بہائی' ناقضین' اور ثابتین' کی اقسام اور ان کی مخاصمتوں کے بیان اور ایک دوسرے کے فرق و اختلاف اور دول ایران و ترکی سے

اُن کے مراسم و روابط وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر دیا ھے اور گوبینو کی تحقیقات کو جو قیمتی اور اہم ہونے کے باوجود، بڑی حد تک ناقص اور نا مکمل تھی، نہایت اچھے طریقے پر پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا ھے اور اس طرح اس جدید مذھب کے ۷۰ سالہ واقعات کو اُس کے ظہور (سنہ ۱۲۶۰ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک) بے کم وکاست تشریح و تکمیل کے ساتھہ دنیا کی نظروں کے سامنے رکھدیا ھے اور اس فرسودہ دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرکے عالم تاریخ کو ابدالاباد تک کے لئے اپنا رھین منت کرلیا ھے—

بابی مذھب سے متعلق مرحوم کی تالیفات، جن میں سے ھر ایک حقیقت میں بجائے خود ایک شاھکار ھے، حسب ذیل ھیں—

(۱) "ترجمۂ مقالۂ سیاح" تالیف عباس آفندی معروف به عبدالبہا، بہت مفصل اور مبسوط حواشی کے ساتھہ (سنہ ۱۸۹۱ - ۵۰۲ صفحات)—

(۲) "ترجمہ تاریخ جدید" تالیف میرزا حسین ھمدانی۔ مع حواشی (سنہ ۱۸۹۳ع - ۵۳۷ صفحات)—

(۳) "بعض اسناد دربارۂ مذھب بابیہ" (سنہ ۱۹۱۸ع - ۴۰۴ صفحات)—

ان کے علاوہ دو بابی کتابیں بجنسہ فارسی میں شائع کی ھیں۔ پہلی یہی "مقالۂ سیاح" جس کا ذکر اوپر آچکا ھے (سنہ ۱۸۹۱ع - ۲۱۱ صفحات) اور دوسری "نقطۃ الکاف" تالیف حاجی میرزا جانی کاشانی۔ جو قدماء بابیہ اور باب کے معاصرین میں سے تھا (سنہ ۱۹۱۰ع - ۴۷۰ صفحات) اس قسم کے معلومات سے جن لوگوں کو دلچسپی ھو، اُنھیں "نقطۃ الکاف" کا مقدمہ پڑھنا چاھئے جو ۷۸ صفحات پر مشتمل ھے اور اس موضوع پر مستقل ایک تصنیف معلوم ھوتا ھے—

پروفیسر براؤن کی اِن کتابوں نے، بابی موضوع پر، صحت معلومات کے لحاظ سے جن کو اسناد و وثائق اور اس گروہ کے پیشواؤں کے خطوط نے چار چاند لگادئے ھیں، یورپ میں اس درجے اھمیت حاصل کی ھے اور اُن پر علما کو اس قدر

اعتماد و وثوق ہے کہ ان کتابوں نے پروفیسر براؤن کے علمی پایہ کو' یورپ کے علماء فن تحقیق ادیان و مذاہب میں' اول درجے پر پہنچا دیا ہے' اس موضوع پر اُن کے اقوال' بالاجماع سند مانے جاتے ہیں' اُن کی تالیفات' اس فن کی اصولی اور بنیادی کتابیں شمار کی جاتی ہیں - خاتمۂ سخن کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر حسن اتفاق ' ان دو مغربی ہستیوں (گوبینو اور براؤن) کی تلاش و فکر کواس ڈگر پر نہ ڈال دیتا اور اُن کی یہ قیمتی اور قابل‌قدر کتابیں وجود میں نہ آتیں تو اس گروہ کا تمام تاریخی سرمایہ ' غارت ہوگیا ہوتا اور اُن کی آنے والی نسل بلکہ خود اُن کے معاصرین کے لئے بھی کوئی تاریخی اطلاع ملنی دشوار ہوتی- کیوں کہ اس مذہب کے مختلف فرقوں کے مناقشات' باھمی تعصبات کا ھجوم ' ایک دوسرے کی نسبت اکاذیب و اباطیل کے طومار ' ایک دوسرے کے ھاتوں ھر فرقہ کی کتابوں کا اتلاف' باھمی' تاریخی وقائع کو مسخ کرنے کی کوششیں ' اور فریقین کا ایک دوسرے کے معاملات میں تجاھل عارفانہ یا انگریزی اصطلاح میں"اجماع سکوتی"* (Complot de silence) (جو بابیوں کے تفریق و تقسیم کی ابتدا سے ان فرقوں میں ھمیشہ واقع ھوتے رھے' ھوتے ھیں اور ھوتے رھیں گے) یہ ایسے اسباب تھے کہ ان کی ھنگامہ آفرینیوں میں اصل مطلب کبھی کا "غت ربود" ھوجاتا اور ھمیشہ ھمیشہ کے لئے پردۂ عدم میں چھپ جاتا! —

واضح رھے کہ اس گروہ کے حالات و واقعات کو ' بالخصوص یورپ میں ' صرف

---

* مرحوم اس قسم کے مکر و تلبیس ' اور تجاھل عارفانہ کی بہت مزیدار اور ایسی دلچسپ مثالیں سناتے تھے کہ انسان مبہوت رہ جاتا تھا - افسوس ہے کہ یہاں چند مثالیں دینے کی بھی گنجائش نہیں ' جو " ارباب مذاھب کی روحی کیفیت " کی آئینہ دار ھوتیں اور معلوم ھوجاتا کہ متدینین کی وہ جماعت ' جس کے مذھب میں تمام امور مادیہ ' انتہائی ورع و تقوی کی شکل میں ھوتے ھیں ' باایں ادعا' صریحی جھوٹ سے پرھیز نہیں کرتی'یہ کچھ بابی مذھب ھی پر موقوف نہیں بلکہ جملہ مذاھب میں حلال سمجھی گئی ہے- اور فن فلسفۂ مذاھب و ادیان کی ایک شاخ یہ " نفسیات" بھی ہے—

فن تحقیق ادیان و مذاهب، اور مطلق فن تاریخ کے نقطۂ نظر سے اہمیت دی جاتی ہے اور بس! ورنہ اصل بابی مذہب ، فی حد ذاتہ، اور فلسفۂ مذہب و نہضت فکری کے لحاظ سے یورپ والوں کی نظر میں چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور اُن کے عقیدے میں چند احمقانہ تخیلات سے زیادہ قابل وقعت نہیں —

اب ہم مرحوم کے عام حالات و سوانح پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں :—

اگرچہ کہ اس دنیا میں خوش نصیب ہونا ایک موہوم چیز ہے، اور خارج میں اس کا وجود نہیں ، لیکن اس مختصر سی زندگی میں کسی شخص کے لئے کوئی اضافی اور نسبی سعادت فرض کی جا سکتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب تھے، اور اکثر و بیشتر سعادتیں اور مسرتیں اُن کی ذات میں موجود تھیں، اول یہ کہ مزاج صحیح اور قوی تندرست تھے، اور اگر اُن کی بیوی کی نا وقت موت کا مہلک صدمہ نہ پہنچتا تو ابھی ۳۰ - ۴۰ سال اور زندہ رہتے، دوسرے یہ کہ ذاتی طور پر متمول اور باثروت تھے، اگر کمبرج کی پروفیسری کی خدمات متعلق نہ ہوتیں تو بھی بہت آرام سے زندگی بسر کر سکتے تھے - تیسرے یہ کہ اُن کی زندگی مصروفیت کی سادہ زندگی تھی، رنگین مزاجی یا عیاشی کو اس میں مطلقاً دخل نہ تھا - علاوہ بریں جس مشغلے کو اُنہوں نے اپنی مدت‌العمر کے لئے ، منتخب کرلیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ اُن کے خلاف مزاج ہو اور محض کسب معاش کے لئے گوارا کیا گیا ہو، بلکہ وہ اُن کی انتہائی آرزؤں اور تمناؤں کا مرکز اور اُن کے ذوق طبیعت کے عین مطابق تھا- یعنی ادبیات السنۂ اسلامی، اور خصوصاً ادبیات فارسی کا مشغلہ! مگر عربی و ترکی سے اُن کا شغف ، تفنن کے طور پر تھا اور فارسی سے حقیقی ، بنیادی اور مستقل طور پر جیسا کہ فارسی ادبیات سے ظاہر ہوتا ہے- چونکہ ذاتی طور پر (جیسا کہ لکھا جا چکا ہے) متمول تھے ، اس لئے اس سلسلے میں ، اپنی انتہائی خواہشوں کے مطابق ، قسم قسم کی نادر اور نفیس قلمی کتابوں کے حصول، اور حسب دلخواہ طباعت و اشاعت کے لئے (اگر ضرورت ہو،

(سنہ ۱۹۱۳ع میں پمبروک کالج (کمبرج) باغ میں!)



(۱) بیگم براؤن (۲) پروفیسر براؤن (۳) حسین قلی خاں نواب
(۴) حقی پاشا صدر اعظم ترکی (۵) مدیر پمبروک کالج
(۶) علی رضا بک پروفیسر ترکی

ورنہ حالت یہ تھی کہ کتب فروش منتیں کرکے لےجاتے تھے) اُن کو کوئی دقت نہ ہوتی تھی - ان معاملات میں چونکہ ان‌کو انتہائی لذت و مسرت حاصل ہوتی تھی اس لئے وہ پانی کی طرح روپیہ بہانے میں ' زرا توقف نہیں کرتے تھے اور جس چیز کو ان کا دل چاھتا تھا اُس کے حصول میں ان کو کوئی مالی دقت نہ ہوتی تھی —

اُن کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ " تاریخ ادبیات ایران " کو (جو اُن کی ھی نہیں ساری دنیا کی نظروں میں اُن‌کا اھم‌ترین کارنامہ تھی) کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی میں مکمل کرلیں ' اور موت کا ناگہانی حملہ اسکو ناتمام نہ رکھے - اُن کی ساری زندگی کا مطمح نظر ' اور واحد شغل یہی تھا اور وہ سب سے زیادہ اسی کو اھمیت دیتے - اور اس کام کو اصل اور دوسرے کاموں کو اس‌کے فروع خیال کرتےتھے—— چونکہ انسانی خوش نصیبیوں میں‌سےایک خوش نصیبی اور بڑی خوش نصیبی ' اُمید برآنا بھی ھے ' اور مقدر ہو چکا تھاکہ مرحوم ھرلحاظ سے اس دنیا میں ' عاش‌سعیداً و مات‌حمیداً کے مصداق ھوں ' اسی لئے اللہ‌تعالیٰ اور اتفاقات زمانہ‌نے اُن‌کو اس خوش نصیبی سے بھی محروم نہیں رکھا - اور یہ شاندار تصنیف جس کی مدت تالیف تقریباً تیس سال * بلکہ کچھہ زیادہ ھی ھے ' ان‌کی آرزو کے مطابق ' اُن کی زندگی میں تکمیل کو پہنچ گئی - عجیب بات یہ ھے کہ اس کتاب کی آخری جلد اُن کے انتقال سے صرف ڈیڑھ سال پہلے شائع ہوئی‌تھی ' گویا اللہ نے اُن کو اسی مدت تک کہ لئے زندہ رکھا تھا کہ وہ اپنا اھم فرض بجالائیں

---

* اس کتاب کی پہلی اور اخیر جلد کے مابین ۲۲ - سال کا فاصلہ ھے (۱۹۰۲ع - ۱۹۲۴ع) اس حساب سے ایک ایک جلد آتھہ آتھہ سال میں مرتب ہوئی ھے ' جن‌کی مجموعی مدت ۲۳ سال ہوتی ھے مگر چونکہ پہلی جلد کی تالیف کی مدت معلوم نہیں اس لئے صرف ۲ سال شمار کئے گئے ھیں جس سے کم وقت یقیناً صرف نہیں ہوا ہوگا - خود مرحوم نے اخیر جلد کے مقدمہ میں لکھا ھے " اس کتاب کی تالیف عمربھر (آغازجوانی سے جب فارسی شروع کی ۱۹۲۴ع تک) کی محنت کانتیجہ ھے" —

اور پھر واپس چلے آئیں —

سعادت بشری کے اسباب میں ، ایک محبت یا عشق بھی ھے ، خدا نے اُن کےلئے یہ ساماں فراہم کردیا اور سنہ۱۳۲۴ھ (سنہ ۱۹۰۶ ع) میں ، مرحوم نے کمبوج کے ایک شریف خاندان کی لڑکي سے (جس‌سے برسوں سے محبت تھی) نکاح کرلیا یہاں پہنچ کر اُن کی خوش نصیبی ھر طرح مکمل هوگئی ، اور ان کا وجود ، خوشی و مسرت سے لبریز هوگیا - مرحوم ، اپنی بیوی کی محبت کا حال ، هرجگه اور هر شخص‌سے کہتے اور لکھتے تھے، یہ محبت یک طرفه نه تھی ، بلکه‌دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بےانتہا محبت بلکه پرستش کرتے تھے —

مرحوم کی خاص صفات میں سے ایک عجیب و غریب صفت یہ تھي که وہ کبھی تھکتے نه تھے، گویا قدرت نے، اُن کی فطرت میں، خستگی کا احساس هی نہیں‌رکھا تھا کیسا هی مستعد اور محنتی نوجوان هوتا ، اُن کا مقابله نہیں کرسکتا تھا - جو شخص کچھه دنوں ، اُن کے ساتھه کام کرتا اور اُن کی لگا تار محنت کو دیکھتا تو ، باوجود اس کے که وہ خود بھی بہت محنتی هوتا تھا پھر بھی شرمندہ هو جا تا تھا ، عام طور پر مرحوم رات کے ایک بجے تک کام کرتے تھے، صبح کے متعلق معلوم نہیں ، کس وقت اُٹھتے تھے، مگر اس سے اندازہ هوسکتا ھے که ۸ بجے ڈاڑھی، غسل‌اور ناشتےسے فارغ هوکر کام میں مشغول هوجاتے تھے ، میں نہیں سمجھه سکتا ، آدمی کتنا هی سالم‌المزاج اور اچھے قویٰ کا هو، اور کیساهی محنتی هو مگر اس قدر کام کس طرح کر سکتا ھے ؟ اتنی کتابیں لکھنا اور اس قدر یادگاریں چھوڑنا معمولی بات نہیں! میں نہیں جان سکا که یہ افراط کار ، اُن کے قویٰ کی تندرستی اور طاقت کا نتیجه تھی که وہ مشین کی طرح دماغی کاموں سے تھکتے نه تھے ، یا اُن کے مشاغل شبانه روزی ، کی ترتیب کا اثر تھی ! بهر صورت، اُن کی تالیفات کی فہرست پر (جو انہوں نے انتقال سے ایک سال پہلے خود، ایک رساله کی شکل میں شائع کي تھی) ایک نظر ڈال لینا کافی هوگا جس کو دیکھکر انسان حیران رہ جاتاھے—

ان کی بڑی کتابیں جو خواہ مستقل تالیف ہوں خواہ فارسی کے تراجم——
۱۸ ہیں - اس حساب میں ''تاریخ ادبیات ایران'' کی چاروں جلدیں، چار کتابیں شمار کی گئی ہیں، کیونکہ مرحوم نے اپنی مرتب کردہ فہرست میں بھی ایسا ہی کیا ہے، اس لئے کہ یہ جلدیں علیحدہ علیحدہ فروخت ہوتی ہیں - متوسط اور مختصر رسالوں کی تعداد ۳۲ ہے*—

وہ دیباچے، جو دوسرے لوگوں کی مرتب کردہ فارسی عربی کتابوں پر انگریزی میں لکھے ۱۳ ہیں—

ان تالیفات و اشاعات کے مجموعی صفحات کی تعداد ۹ ہزار ۳ سو سے زیادہ ہوتی ہے، حساب حسب ذیل ہے—

بڑی کتابیں	۱۸	۷۰۰۰ صفحات
چھوٹے بڑے رسالے	۳۲	۱۷۵۳ صفحات
دیباچے	۱۳	۵۶۵ صفحات
	کل	۹۳۱۸ صفحات

نو ہزار تین سو اٹھارہ صفحے! جو بغیر کسی کی امداد کے، تمام تر اُن کے قلمی آثار ہیں - کیونکہ مرحوم کی عادت تھی کہ مسودہ، نقل، کاپیاں اور پروف سب کچھ خود پڑھتے تھے اور ان کاموں میں کسی شخص پر اعتماد نہیں کرتے تھے - کسی کتاب سے نقل کرنے سے زیادہ غیر دماغی کام کیا ہو سکتا ہے، مگر وہ اس کو

---

* خود پروفیسر براؤن نے اپنی تالیفات کی فہرست (مطبوعہ سنہ ۱۳۴۲) میں رسائل کی تعداد ۲۵ لکھی ہے - ان کے علاوہ ۷ رسالوں کو، جو اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر ہیں، اس میں شامل نہیں کیا ہے - اول تو یہی فہرست ہے دوسرے ''تجارب السلف'' کی تعریف میں ایک رسالہ ہے جو اس فہرست کے بعد تالیف ہوا ہے - باقی ۵ رسالے ہیں یہ زیادہ تر سیاسی ہیں - معلوم نہیں کیوں ان کو فہرست تالیف میں شامل نہیں کیا گیا؟—

بھی خود انجام دیتے تھے، صرف اخیر کے چند سالوں میں اُن کی کتابوں کی کاپیوں کی تصحیح میں اُن کی مرحوم بیوی کسی قدر امداد کرنے لگی تھیں اور چونکہ مدتوں کے بعد اپنے شوہر کے مذاق کو سمجھنے میں کامیاب ہوئی تھیں اس لئے وہی اس سے عہدہ برا بھی ہو سکتی تھیں—

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ مرحوم کے وہ سیاسی مضامین جو ۸ - ۹ سال کی طویل مدت، جنگ عظیم کے آغاز تک، انگریزی جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں، چونکہ ان کا حساب مجھہ سے ممکن نہیں اس لئے انہیں، صفحات کے حساب میں شمار نہیں کیا گیا ہے - اب رہیں وہ فارسی کتابیں جن کو مرحوم نے تصحیح کرکے شائع کیا—— جو لوگ کہ اس قسم کا کام کر چکے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس طرز کی تصحیحات اور انتقادی مطبوعات، اگر تصنیف سے زیادہ دقت طلب نہوں تو کچھہ کم بھی نہیں ہوتیں، بہر کیف یہ دو ہیں - ایک "تذکرۃ الشعرا" دولت شاہ سمرقندی (۶۴۸ صفحات) دوسری "لباب الالباب" محمد عوفی کی دوسری جلد (۵۴۸ صفحات) اس کتاب کی پہلی جلد کی تصحیح، چونکہ راقم الحروف نے کی تھی اس لئے وہ حساب میں داخل نہیں کی گئی - اسی طرح "مقالۂ سیاح" اور "تاریخ گزیدہ" کے متن، جو عکسی شائع کئے گئے ہیں اور ان میں تصحیح نہیں کی گئی ہے - ایک "نقطۃ الکاف" ہے جو اُن کے ایک دوست کی تصحیح اور اہتمام کی شرمندۂ احسان ہے مگر ان دوست نے اصرار کیا تھا کہ اصل مصحح کا نام نہ ظاہر کیا جاے اور یہ مرحوم ہی کے نام سے شائع کی جاے - اسی طرح وہ کتابیں جو اُن کے شاگردوں یا دوستوں کی تصحیح سے طبع ہوئیں اور مرحوم نے معرفی کے طور پر انگریزی میں ایک دیباچہ لکھدیا - اس قسم کی کتابیں بھی حساب میں شمار نہیں کی گئی ہیں کیونکہ ان کی تصحیح و طباعت سے مرحوم کو مطلقاً سر و کار نہ تھا - سواے اس کے کہ آثار قدیمۂ ایران کے احیا کے شوق میں، ان میں سے اکثر کے اخراجات طبع خود برداشت کئے یا "گب کے اوقات خیر" میں سے،

(جس کے وہ صدر امین تھے) دلوا دئیے—

مرحوم کے خصوصیات میں ان کا عجیب اور فوق العادت حافظہ بھی تھا۔ یونانی، لاطینی اور یورپ کی دوسری مشہور زبانوں، جرمن، فرنچ، کے علاوہ (جن سے ہر ایک تربیت یافتہ یورپین تھوڑا بہت واقف ہوتا ہے) تین مشرقی اسلامی زبانوں، یعنی فارسی، عربی اور ترکی، نہایت اچھی طرح جانتے تھے اور یورپ کے بیشتر مستشرقین کی طرح، صرف، علماً ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی، وہ تینوں زبانیں، نہایت اچھی طرح بولتے اور لکھتے تھے - ایک مرتبہ کا ذکر ہے، راقم الحروف، مرحوم کے ہاں مہمان تھا، اتفاق سے وہاں ایک مصری عرب اور ایک اسلامبولی ترک بھی موجود تھا - میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ وہ اُسی کی زبان میں کمال صحت و روانی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے - حاضرین میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ وہ بس اُسی کی زبان میں مہارت رکھتے ہیں مگر جب اس اتفاقی اجتماع میں ان کو بولتے سنا تو سب کو تعجب ہوا کہ وہ تمام زبانوں میں تقریباً برابر ملکہ رکھتے ہیں، "تقریباً" میں نے اس لئے کہا کہ ترکی و عربی کو اچھی طرح جاننے کے با وجود، فارسی زبان میں، ان کی مہارت بہت ہی زیادہ اچھی تھی، کیونکہ ایرانیوں کے ساتھ مدتوں کی صحبتوں، اور ایک سالہ قیام ایران کی وجہ سے اُن کی فارسی —— عربی اور ترکی کی بہ نسبت، اُن کی مادری زبان کے برابر ہو گئی تھی—

اُن کو ان تینوں زبانوں کے اس قدر اشعار، امثال اور مختصر کلمات حفظ تھے اور اُن کو وہ اس کثرت سے گفتگو اور خط و کتابت میں استعمال کرتے تھے کہ بہت کم ترک، عرب اور ایرانی اُن کو پہنچ سکتے ہیں - صحبت اور خط و کتابت میں یہ نکتہ سنجیاں اور مناسب مضامین کا استعمال بہت لطف دیتا تھا - وہ ان نکات کے اس درجہ دلدادہ تھے کہ اپنی انگریزی تحریروں میں بھی، ان مشرقی امثال کا استعمال کر جاتے تھے—

مختلف زبانوں کی کتابوں کے مطالعے کی کثرت ' نیز سیر و سفر' اور مختلف قوموں کے علما و فضلا کی صحبت کی وجہ سے' بیسیوں نادر اور نہایت دلکش قصے کہانیاں اُن کو یاد تھیں جو موقعہ پر اس طرح سناتے تھے کہ سننے والا نہایت محظوظ ہوتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ صحبت ختم نہو' اور وہ اُن کی باتیں سنے جاے ' جاتے وقت وہ نہایت حسرت سے الوداع کہکر اور با دل ناخواستہ رخصت ہوتا تھا - اصل بات یہ ہے کہ ایسے شیریں اور جذاب قصہ کہانیوں کے لئے ' مرحوم کا ذوق خاص طور پر موزوں تھا اور اُن کی طبیعت ' اس سلسلے میں بہت تیز واقع ہوئی تھی - جس کتاب یا تاریخ میں وہ ایسی چیزوں کا مطالعہ کرتے ' اُن کی طبیعت کچھہ ایسی واقع ہوئی تھی کہ وہ غیر ارادی طور پر' اُس کے لطیف و نفیس ترین حصوں کو اخذ کرلیتی اور فضول اور بے نتیجہ حصوں کو بھول جاتی تھی' اسی مذاق نے اُن کی تالیفات میں ایک بہترین وصف یہ پیدا کردیا ہے کہ ہر ایک شاعر' ادیب ' یا حکیم کے حالات' یا ہر ایک عہد کے تاریخی واقعات کے سلسلے میں اسی قسم کے نفیس ' اور مزیدار' قصے ' کہانیاں' حوادث ' نادر لطیفے اور مضامین بیان کرتے ہیں اور معمولی قصہ کہانیوں کو (جو تاریخی نقطۂ نظر سے اہم ہی کیوں نہوں) حذف کردیتے ہیں - یورپ میں اُن کی تصنیفات کی شہرت اور مقبولیت کا بڑا سبب یہی ہے —

بعض واقعات کا ' (جن کا ان پر بہت عجیب اثر ہوا تھا اور جنھیں وہ بار بار دھراتے تھے) ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا - شاید اس قسم کا واقعہ ' بجاے خود اتنا عجیب نہو' مگر دو آدمیوں کے اختلاف مذاق کو دیکھتے ہوے (جو اس واقعہ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً ایک تو خود وہ اور دوسرا کوئی ایرانی ' عرب ' یا ترک) اُن کو بہت عجیب معلوم ہوتا تھا - اور اس نقطۂ نظر سے دیکھا جاے تو حقیقتاً اس کی دل کشی میں کوئی شک نہیں —

مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے قسطنطنیہ کے ایک ایرانی کو لکھا

کہ قسطنطنیہ کے فلاں کتب خانے کی کتاب کی نقل کرکے مجھے بھجوادو ـــــــ
اتفاق کی بات بعد ازاں مجھے خیال نہ رہا اور کچھہ ضرورت بھی نہ رہی ! ایک مدت کے بعد اس ایرانی نے مجھے اس کتاب کی نقل بھیجی - میں نے اُس سے دریافت کیا کہ اس کا معاوضہ کیا ارسال کیا جاے ؟ اس نے مجھے جواب دیا تو اس میں ' سرنامہ پر خط نسخ میں جلی قلم سے یہ آیت لکھی تھی " قل لا اسألکم علیہ اجراً ان ھو الا ذکری للعالمین" اس کے بعد مفصل طور پر لکھا تھا کہ میں نے یہ خدمت' محض تمہارے اخلاص و علم کی خاطر کی ھے نہ کہ اُجرت کے لئے! میں تم سے کسی اُجرت کی توقع نہیں رکھتا "ـــ

مرحوم براؤن کہتے تھے کہ " مجھے تعجب ھوا کہ یہ شخص کیوں اپنی محنت کی اُجرت نہیں لیتا؟ کیوں کہ ھم انگریزوں کے لئے یہ فطری چیز ھے کہ جو شخص کام کرتا ھے اس کے لئے اُجرت لازمی چیز ھے ' بہت کم ایسا ھوتا ھے کہ کوئی مفت کسی کا کام کردے ' کسی کا اخلاص اور علم کی خدمت' اُجرت لینے کو کوئی منع نہیں کرتا' غرض کہ میں نے چاھا کہ اُس کو دوبارہ لکھوں اور اُجرت لینے پر اصرار کروں مگر جب دوبارہ اُس قرانی آیت پر (جو جلی قلم سے لکھی ھوئی تھی) نظر پڑی تو میں نے اس کی سچائی کو غلط نہ سمجھا اور سوچا کہ میں نے اس پر کچھہ احسان نہیں کیا ھے اور نہ اُس کا کوئی کام انجام دیا ھے جس کے شکریہ کے طور پر وہ مجھہ سے اجرت نہیں چاھتا ' پس اس کے اُجرت نہ لینے کا سبب ' میری محبت اور علم کی خدمت کے سوا (جیساکہ اس نے خود لکھا ھے). اور کچھہ نہیں ھے! خصوصاً اس لئے بھی کہ وہ ایک مسلمان ھے اور اس نے ایک قرآنی آیت سے استشہاد کیا ھےـــ

وہ کہتے تھے کہ "میں ڈرا کہ اگر اُجرت کے لئے لکھوں تو وہ کہیں اسے قرآنی آیت کی توھین نہ خیال کرلے ' چنانچہ میں نے اُس کو خط لکھا تو اُجرت کے بارے میں ایک حرف نہ لکھا اور دوسرے امور کے ذکر پر بس کردیا . اس کے دو تین ماہ بعد

مجھے میرے ایک ایرانی دوست (مقیم قسطنطنیه) کا خط ملا جس میں لکھا تھا که " فلاں شخص تمھاری شکایت کرتا ھے که اُس نے تمھارے لئے فلاں کتاب نقل کی مگر تم نے اُس کو اُجرت نہیں ادا کی " —

مرحوم کہتے تھے "مجھے یه دیکھکر اس قدر تعجب ھوا که میں کچھه کہه نہیں سکتا' میں نے فوراً اتنا روپیه (جو میرے خیال میں اُس کی کافی اجرت تھی) اس دوست کے توسط سے روانه کردیا اور اُس کو لکھا که " آقا! تم نے جو اپنے خط میں جلی آیت کریمه لکھی تھی که میں اُجرت نہیں چاھتا ! میں نے اس پر یقین کرلیا ! میں کیا جانتا تھا که تم اپنی صریحی انکار کے جو قرآنی آیت سے موکد تھا خلاف کروگے " ! —

مرحوم پروفیسر ' اس واقعه کو اُس ایرانی کی عیب جوئی کے لئے نہیں بیان کرتے تھے' حاشا و کلا' بلکه‌صرف اور صرف' تعجب و حیرت‌کی وجه سے که آخر اُس شخص کے انتہائی تناقص کا کیا مطلب تھا ؟—

ایرانیوں کے لئے ' جو اس قسم کے تکلفات کے عادی ھیں ' اس ایرانی کا طرز عمل' طلقاً تعجب خیزنه ھوگا اور یقیناً اگر مرحوم براؤن کی جگه کوئی ایرانی ھوتا تو اُس شخص کے اصرار اور آیت شریفه کے باوجود' بہت جلد اُسے ' اس کا حاصل مطلب یعنی روپیه ارسال کر دیتا - مگر چونکه مرحوم ان تکلفات کے عادی نه تھے اس لئے یه معمولی سا واقعه ' اُن کی نظروں میں بہت عجیب معلوم ھوا —

اسی طرح ایک اور واقعه بیان کرتے تھے ایک مرتبه میں جامع ازھر (مصر) کے ایک عالم کے ساتھه ' جو ادیب' نحوی ' اور لغوی ' مشہور تھا ' بیٹھا تھا - میں اس کا نام بھول گیا ھوں - کلمۂ " زندیق " پر گفتگو چھڑ گئی ' جس‌کو لغت کی کتابوں میں " اشتقاقات بے بنیاد " میں شمار کیاگیا ھے مثلاً کہتے ھیں کے یه"زن‌دین" کا معرب ھے ' یعنی " صاحب دین زنانه "—

مرحوم کہتے تھے که میں نے اس عالم شخص سے کہا که پروفیسر

بوان*(A . A . Bevan) کی تحقیقات کےمطابق" زندیق"" آرامی الاصل + " ہے-اس کی اصل صدیق ہے-صدیق مانو یہ اصطلاح میں صاحب کتاب الفہرست‡ اور ابوریحان البیرونی (صاحب الاثارالباقیہ $) کی شہادت پر ' اُن کے مذہبی مدارج خمسہ کا ایک درجہ ہے - ان درجوں کی ترتیب (اوپر سے نیچے) اسطرح ہے :—

معلمین ' مشمسین ' قسیسین ' صدیقین ' سماعین (میم پرتشدید ہے)
بظاہر کلمۂ صدیق ' فارسی میں آکر زندیق ہو گیا ہے ' اسکی پہلی دال نون سے بدل گئی ہے ' جیسے فارسی کلمہ "شنبد" جس کی قدیم شکل " شنبۂ" تھی - اور یہ " شنبد " عربی لفظ " شبت " کا مفرس ہے (بہ تشدید' ب ' جو عربی نسبت سے ہے) زندیق فارسی کے ذریعہ عربی میں داخل ہوا ہے نہ کہ اصل آرامی سے ! عربوں کے نزدیک اس کااطلاق عام مانویوں پرہوتا تھا چاہے وہ اس درجے سے متعلق ہوں یانہوں! بعد میں بتدریج مطلق ملحد اور بے دین کے معنی میں (جو اس کا فعلی مفہوم ہے) استعمال ہونے لگا! "—

مرحوم براؤن کہتے تھے کہ " جب میں اپنی بات ختم کرچکا تو وہ عالم خوب قہقہے لگاکر حاضرین سے بولا " دیکھو! فرنگیوں نے کیسی مزخفرات' اختراع کی ہیں؟ کہتے ہیں کہ زندیق صدیق سے نکلا ہے ! " یہ سنکر حاضرین بھی ہنسنے لگے اور میں بہت پشیمان ہوا —

---

* ایک ہمعصر انگریز مستشرق —

+ Arameen آرامی ایک کلمہ ہے جس کا اطلاق اُن تمام اقوام وقبائل پر (جو عراق و بین النہرین میں اسلام سے پہلے سکونت رکھتے تھے) اور اسی طرح اُن کی زبانوں پر (جن کی دوشاخیں سریانی ' اور نبطی بھی ہیں) ہوتا ہے - قدیم مورخیں اور مسعودی نے اُن کو ارمانیین سے تعبیر کیا ہے —

‡ کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۳

$ آلاثا را لباقیہ صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸

مستشرقین یورپ اور علماے اسلام کے اختلاف مذاق کی یہ ایک بہت اچھی مثال ہے، مستشرقین یورپ، مختلف السنۂ عالم پر عبور رکھنے کی وجہ سے (جو ان کی تعلیم و تعلم کی بنیاد ہے) اصول لغات اور الفاظ و کلمات کی تحقیق، زبانوں کے متحدالوضع الفاظ اور اُن کے حقیقی اشتقاقات کی توجیہ اور تصحیف شدہ تاریخی یا جغرافیائی اسماء کا کھوج نکالنے میں (جو ہزاروں برس سے ہماری کتابوں میں جوں کے توں غلط سلط اور محرف و ممسوخ چلے آرہے ہیں اور کوئی شخص آج تک السنۂ اصلی کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے اُن کی تصحیح پر قادر نہیں ہو سکا ہے) کامل مہارت اور فوق العادت دسترس رکھتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اُن کی اُن مخصوص فضیلتوں میں سے ہے جن کی گرد کو بھی اہل مشرق نہیں پا سکتے —

علماء مذہب اسلام، چونکہ عربی کے سوا، (جو اُن کے لئے اشرف اللغات، اور ان کے علم و ادب اور ہر ایک چیز کی بنیاد ہے) کسی دوسری زبان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس لئے وہ ان فضیلتوں سے محروم رہتے ہیں اور صنعت اشتقاق اور اُس کے اصول کے ذریعے، لغات کی تاریخی سرگذشت، اور رد الفاظ، اور اس قسم کی باتیں اُن کے نزدیک، ناقابل اعتنا ہیں۔ بھولے سے اگر کبھی علماے لغت کسی اشتقاق کا ذکر، بالخصوص خارجی الفاظ کے بارے میں کرتے ہیں تو وہ نہایت مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ خارجی الفاظ کے بارے میں با وجود اس کے کہ خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ خارجی ہے اور معرب ہے مگر پھر اُن کے اشتقاقات کی توجیہ عربی الفاظ سے کرتے ہیں! مثلاً فرماتے ہیں کہ: اسطرلاب "سطرہ لاب" سے ماخوذ ہے یعنی "لاب نے اس کو لکھا" (اُن کے زعم میں "لاب" اس آلہ کے موجد کا نام ہے!) —

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

'الفیوم' مصر کا مشہور شہر ہے۔ یہ 'الف یوم' سے مرکب ہے، کیونکہ فرعون نے اس کو ایک ہزار دن میں تیار کرایا تھا —

چند اور مثالیں!

" طلسم'' عربی لفظ "مسلط" کا مقلوب ہے!!

" شطرنج" عربی " شطر" سے مشتق ہے کیونکہ "شطر" یعنی "اجزاے مختلفہ'' رکھتی ہے—

الغرض لغات کی کتابیں' ایسی ہزاروں مثالوں سے بھری پڑی ہیں مگر ان کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ علماے اسلام چونکہ اپنی زبان (عربی) سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور ساری عمر ایک ہی زبان پر صرف کردیتے ہیں اور اس زبان کے صرف و نحو اور لغت وغیرہ میں مہارت رکھتے ہیں اس لئے اکثر اُن فاحش غلطیوں سے محفوظ رہتے ہیں جو مستشرقین یورپ سے کسی مشرقی کتاب کی ترتیب و تصحیح میں سرزد ہو جاتی ہیں - نحو' لغت' ادب اور شاعری کی وہ اہم کتابیں جو مصر کے علماے متبحر کے زیر اہتمام مصر سے شائع ہوئی ہیں مثلاً لسان العرب' تاج العروس' مخصص ابن سیرہ' آغانی اور تفسیر طبری! اُن کی صحت و تصحیح کے شاہکاروں میں ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی یورپی مستشرق (خواہ وہ کیسا ہی عالم و فاضل کیوں نہو) اس قسم کی اہم اسلامی کتابوں کی اشاعت سے عہدہ برا ہو سکتا ہے! میری نظر سے بہت سی ایسی عربی 'فارسی اور ترکی کی کتابیں گزری ہیں' جو یورپ سے شائع ہوئی ہیں اور اُن کے متن بلحاظ صحت و مطابقت قواعد صرف و نحو و لغت' بہت خراب اور اغلاط فاحشہ سے لبریز ہیں اور ان کے اشعار اکثر " لنگڑے لنجے" اور ناموزوں ہیں - الغرض علماے اسلام کے مقابلے میں مستشرقین یورپ میں یہی نمایاں ترین کمزوری ہے اور محض اس لئے ہے کہ جب ایک شخص اپنے اوقات کو اس قدر مختلف زبانوں اور فنوں کی تحصیل میں صرف کرے گا تو یقیناً اُس شخص کے مقابلے میں (جو اپنی تمام عمر' صرف ایک زبان اور ایک فن پر وقف کردیتا ہے) کس طرح آسکتا ہے؟ یقینی ہے کہ ثانی الذکر کی مہارت اور گہرائی' اس کی (تنہا) زبان یا فن کے تمام شعبوں اور مسائل میں

اول الذکر سے زیادہ ہوگی، اگرچہ کہ اول الذکر کی معلومات کی رنگا رنگی اور اطلاعات کا پھیلاؤ، ثانی الذکر سے کہیں زیادہ ہوگا - نتیجہ یہ نکلا کہ تحصیل السنہ میں، ان دو مشرقی اور مغربی طریقوں میں سے کسی ایک کو اچھا یا برا نہیں کہا جا سکتا بلکہ ہر ایک میں ایسے معائب و محاسن "دست و گریباں" نظر آئیں گے جو دوسرے میں بھی ہوں گے!—

آمدم برسر مطلب: پروفیسر براؤن، السنۂ مشرقیہ کی مہارت اور مستشرقی حیثیت کی فضیلت کے علاوہ، انگریزی زبان کے بھی بہت اچھے انشا پرداز شمار ہوتے تھے، اُن کی کتابیں جس وقت طبع ہو کر آتی تھیں تو نہ صرف مستشرقین بلکہ عامۃ الناس بہت تیزی سے خریدتے تھے اور کتب فروش بڑی خوشامدوں کے ساتھ پہلے سے اخراجات طبع پیش کردیتے تھے اور خوب نفع اُٹھاتے تھے - اس لئے کہ مرحوم کا حقیقی مقصد ساری عمر یہی رہا کہ ایرانی علوم و ادبیات کو، عام یورپ والوں سے روشناس کریں! اور ان کو علما و ادبا کے محدود گروہ یا مستشرقین کے محدود ترین گروہ میں ہی "مقید" نہ رہنے دیں! یہی سبب ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنی تصنیفات و تالیفات کو خالص فنی اور علمی کتابوں کے تنگ دائرے میں محصور نہیں کرتے تھے اور علوم و فنون کی مشکل اصطلاحات سے (جن کا سمجھنا بھی متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے جو ان فنون میں درک نہیں رکھتے، دشوار ہوتا ہے) اپنی کتابوں کو گرانبار نہیں کرتے تھے اور جرمن مستشرقین کے اُس کسالت انگیز طرز تالیف سے، (جس میں مخصوص اصطلاحات کی بھرمار اور رموز و اشارات و اختصارات کی کثرت، کتاب کو چیستاں بنا دیتی ہے اور جن کا سمجھنا عام لوگ تو کیا بہت سے علما و فضلا کے لئے بھی دوبھر ہوتا ہے) سخت نفرت اور پرہیز کرتے تھے - ہمیشہ کہتے تھے کہ "انسان کو چاہئے کہ اپنی محنت کے ثمرہ سے عام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے، اور علم کی زکواۃ کو، اس کے جائز مستحقین تک (جو عوام کا طبقہ ہے) پہنچائے ورنہ علما و فضلا تو خود دولت علم

سے مالا مال ھیں اور ھماری زکواۃ علم کے محتاج نہیں ھیں!"—

اُن کی تالیفات میں عام طور پر ان کا روے سخن علما کے ساتھہ ساتھہ طبقۂ متوسط سے بھی ھے! یورپ میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً اُن کی کتابوں کی شہرت کا ایک راز یہ بھی ھے—

انگریزی نثر کے اچھے ماھر ھونے کے علاوہ مرحوم شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، چنانچہ فارسی کے اکثر اشعار کا انگریزی اشعار میں ترجمہ کیا ھے اور خود انگریزوں کی رائے میں بہت کامیابی اور مقبولیت حاصل کی ھے* —

مرحوم بہت مخیر اور فیاض تھے اور ھر ایک مذھب و قوم کے فقرا و محتاجین کی اعانت کرتے تھے، عام طور پر، جس طرح بھی ممکن ھوتا تھا، روپیہ پیسہ سے، یا جگہ تلاش کرنے یا سفارش کرنے اور کسی قسم کی امداد دینے میں، ذرا کوتاھی نہیں کرتے تھے! خصوصاً علما و فضلا کی کتابوں سے اعانت کرنے میں ضرب المثل تھے- جو کتاب بھی نئی طبع ھوتی تھی، خواہ وہ اُن کی تصانیف ھو، خواہ اُن کی نگرانی میں شائع ھوئی ھو، یا ان کے علاوہ کوئی اور کتاب جو مشرقیات سے متعلق ھو، ایک کثیر رقم صرف کرکے، یورپ کے مستشرقین اور مسلمان فضلا اور ایرانیوں کو (جن سے ان کی ملاقات تھی یا کوئی پتہ بتلاتا) بڑے شوق سے بھجواتے تھے اور ھمیشہ کہتے تھے کہ "کتابوں کی اشاعت کا صحیح مقصد یہ ھے کہ وہ اھل فضل اور ان کتابوں کے محتاجین تک پہنچیں" اس سے اُن کی طبیعت کے ذوق و احساس اور ادبی آثار و معنویات کی محبت کا بخوبی اندازہ ھو سکتا ھے- یہی ایک چیز تھی جس سے اُن کی طبیعت کو لگاؤ تھا اور تمام عمر اسی غرض و غایت کی رعایت میں گزار دی- یہی طبیعی میلان تھا جس نے (جیسا کہ ھم اوپر لکھہ آئے ھیں) اُن کے والد کی خواھش دربارۂ تحصیل طب سے بیزار کرکے اُن کو عمر بھر کے لئے ادبیات کے شغل میں مبتلا کردیا- اُن کے وجود کا سراپا، شعر و ذوقیات کا پروانہ تھا

---

* دیکھو ٹائمس (لندن) مورخہ ۲ جون سنہ ۱۹۲۶ع مرحوم کے حالات کے سلسلے میں-

اور اس معاملہ میں وہ تمام و کمال مجذوب اور از خود رفتہ تھے! ایرانی اور عرب شعرا کے اکثر شاہکار اور چیدہ چیدہ اشعار اُن کو ازبر تھے، دیوان حافظ (رح) تو شروع سے لے کر اخیر تک حفظ تھا، ایرانی شعرا کے اکثر بہترین اشعار کا (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) "تاریخ ادبیات ایران" میں انگریزی نثر میں اور اکثر کا شعروں میں ترجمہ کیا ہے! اس لحاظ سے اُنھوں نے یورپ میں ایرانی معنویات اور ایرانی روح کی لطافت کو بہت با وقار کردیا ہے اور روح ایران کی عظمت اور ایرانیوں کی دقت افکار و احساسات اور شعرا و حکما و علما و مفکرین کی اُن خدمات کو جو انھوں نے نوع بشر کی معنویات کی انجام دی ہیں، ان سب کو یورپ میں اپنی شیریں زبان اور سحر کار قلم سے پھیلا دیا ہے! خدائے تعالیٰ اُن کو ہم ایرانیوں کی طرف سے جزائے خیر دے—

حقیقت یہ ہے کہ یورپ والوں میں سے کوئی بھی ایرانیوں پر اس قدر حقوق نہیں رکھتا اور کیا اچھا ہوتا اگر ہماری انجمن آثار ملی، یا حکومت ایران، یا خود ایران، اُن کی جلیل القدر اور عظیم الشان خدمات کا پاس کرکے اُن کی یادگار کے طور پر، ایران میں ایک انجمن قایم کر دیتا جس کا مقصود (گِب اوقات خیر، کی طرح جس کے مرحوم موسس اور صدر تھے) فارسی کی نفیس کتابیں شائع کرنا ہو۔ اس سے بہتر کوئی چیز اُن کی روح کو خوش نہیں کر سکتی اور نہ اُن کے اس مقصد سے مناسبت رکھ سکتی ہے جو اُن کی ساری عمر کی امیدوں اور آرزوؤں کا منتہا تھا —

اس قسم کی یادگار کا کوئی کام ایک ادنیٰ ترین اور ناچیز ترین ہدیہ ہوگا جو ملت ایران کی سی ایک حق شناس اور شریف قوم، ایک ایسے علامۂ زماں محسن کی خدمت میں پیش کرسکتی ہے، جس نے اپنی تمام عمر شروع جوانی سے لیکر، زندگیء مستعار کے آخری لمحہ تک، خالصاً و مخلصاً ایران پر قربان کردی —

میرا خیال ہے کہ اُن کی حساسی اور رقت طبع ھی اُن کی موت کا بہانہ بن گئی کیونکہ اُن کو اپنی بیوی سے (جیسا کہ لکھا جا چکا ھے) بے حد محبت تھی - اپنی تالیفات میں سے دو، یعنی "تاریخ ادبیات ایران" کی دوسری اور تیسری جلد کو بیوی ھی کے نام معنون کیا ھے - دوسری جلد کی پشت پر چند انگریزی اشعار لکھکر، جن میں اپنی بے حد محبت کا اظہار ھے، نیز تیسری جلد میں، ذیل کی عبارت "میں یہ کتاب اپنی بیوی کی (جس کی خاص تحریک اور تشویق سے یہ تکمیل کو پہنچی ھے) نذر کرتا ھوں" انگریزی میں لکھکر 'امامی' کے اس بیت کو، جلی قلم سے خط نسخ میں نہایت خوبصورت لکھوایا ھے —

یک روز بود عید بیک سال بیک بار
هر روز مرا عید ز دیدار تو هموار!

اُن کو بیوی سے محبت نہیں عشق تھا اور وہ ھر جگہ اور ھر صحبت میں، نیز اپنے خطوط میں اکثر اس کا اظہار کرتے رھتے تھے، اُن کے تمام دوست اور دوسرے لوگ، اپنے پرائے سب، میاں بیوی کی باھمی محبت سے با خبر تھے - وہ ۱۹ سال تک یہ مبارک خانہ‌نی زندگی، کمال خوشی و خرمی، اور آرام و راحت کے ساتھہ بسر کرتے رھے ——— مگر یک بیک "روزگار دوں پرور" کی عداوت پیشگی نے اپنا زھریلا اثر دکھلایا —

بیوی سینہ کے مرض میں مبتلا ھو گئیں، یہ موسم سرما کا زمانہ تھا - بہت علاج و معالجہ کیا مگر مطلقاً فائدہ نہ ھوا - حتیٰ کہ موسم گرما میں وفات پا گئیں - مرحوم کے لئے یہ ایسا سخت صدمہ تھا کہ اُن کے ھوش و حواس جاتے رھے اور اس وقت سے تمام دنیا و مافیہا اور دوسرے تعلقات، درس و بحث و تالیف و تصنیف وغیرہ سے بیزار ھو گئے، دنیا اُن کی آنکھوں میں تاریک ھوگئی اور اُسی دن سے روز بروز جسمانی و روحانی طور پر گُھلنے لگے - میرے ایک ایرانی دوست، جنھوں نے مرحوم کو موت سے ایک دو ماہ پہلے دیکھا تھا، مجھہ سے کہتے تھے کہ "خدا شاھد ھے

پروفیسر براؤن کو جس وقت میں نے دیکھا تو بہت دیر تک نہ پہچان سکا، اس قدر ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے کہ کیا کہوں"۔

مرحوم نے اپنی محبوب شریک زندگی کے بعد، ایک سال بھی زندہ رہنا گوارا نہ کیا اور چھہ سات ماہ بعد ھی (۵ جون سنہ ۱۹۲۶ع کو) اُن کے پیچھے روانہ ہو گئے—

دوست بر دوست رفت و یار بر یار!
خوشتر ازیں در جہاں بگو چہ بود کار؟

ھاں! پروفیسر براؤن نے ھمیں ایک ابدی الوداع کہدی اور ہم سے رخصت ہوگئے! مگر اُن کا نیک اور مبارک نام ھمارے دلوں سے ہرگز نہیں مٹ سکتا! وہ خود موت کے پنجے میں اسیر ہو گئے مگر اُن کا ذکر خیر اب بھی زندہ ھے! زندۂ جاوید ھے! اُن کا وجود نظروں سے ضرور غائب ہو گیا مگر اُن کی یاد سے ھمیشہ سینے آباد رہیں گے! اُن کا جسم گو خاک کے پردے میں چھپ گیا مگر اُن کی روح جنات نعیم میں، حافظ و سعدی و روم (رح) کی ارواح طیبہ کے ساتھہ گلگشت کر رہی ھے! اُنہوں نے موت کا تلخ جام پی لیا لیکن دنیا کے کام و دھن کو حشر تک کے لئے شعراے ایران کے نتائج افکار کی شیرینی سے فیضیاب کر گئے! اُن کی قلم کی حرکت موقوف ہو گئی مگر ان کے قلمی آثار رہتی دنیا تک طبائع کو ایران کی محبت کا سبق دیتے رہیں گے! اُن کی محبوب صورت نظروں سے چھپ گئی لیکن اُن کی مرغوب سیرت ذہنوں میں بسی ہوئی ھے! ایران کی خاطر اُن کی نیکیوں کو! اُن کی فدا کاریوں کو! اُن کے مجاھدوں کو! اور غیر فانی خدمات کو! اور بیکراں حقوق کو، ایرانی ھرگز فراموش نہیں کر سکتے! اور اُن کی سپاس گزاری اور حق شناسی کے فرض کو ھمیشہ اپنے بچوں کے منہ میں ماں کے دودھ کے ساتھہ جگہ دیں گے! اور اس بزرگ، بہادر، فیاض، نیک فطرت، پاک دل، مخلص اور ایران دوست، ھستی کی شکر و ثنا کو ابدا لآباد تک اپنی زبانوں پر جاری اور

لوح قلوب پر مسطور رکھیں گے - رحمت اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ!!!

یہاں مناسب معلوم ہوتا ھے کہ مرحوم کے بعض فارسی خطوط کے اکثر حصے نظر ناظرین کر دئے جائیں جن سے مرحوم کے ادبی اور سیاسی خیالات پر کسی قدر روشنی پڑتی ھے اور اس کے علاوہ فارسی زبان پر اُن کی قدرت تحریر کا اندازہ ہوتا ھے یہ تحریریں اُن کی اصل عبارتیں ھیں اور بجنسہ درج کی گئی ھیں - ان کے مخاطب اُن کے اکثر ایرانی دوست ھیں—

ایک خط مورخہ ۶ - مارچ سنہ ۱۹۲۱ع میں لکھتے ھیں :-

"در ایں جا موقع آں نیست کہ فلسفۂ حیات و عقائد روحانیۂ خود را بیان نمایم ولے اجمالاً میگویم کہ چوں خدائے تعالیٰ مالے فوق لیاقت و احتیاجات خود بمن ارزانی داشتہ است' بر خود دو قسم زکواۃ فرض میدانم' یکے دینی از قبیل اعانت فقرا و غم دیدگاں از ھر قبیل و ھر ملت و مذھب' و یکے علمی' از برائے ترویج آں علوم کہ مطمح نظر من است' یعنی علوم اسلامیہ و تاریخیہ و ادبیہ خصوصاً علومے کہ راجع بایران باشد' و در ھمہ قرآن ھیچ آیۂ بہتر از قولہ تعالیٰ لیس البر ان تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر........ الی آخرالایۃ ندیدہ ام کہ ایں حیات فانی سریع الذھاب است و بر صاحب ھمت واجب است کہ قبل الانتقال از برائے ابقاء نام خود و ترغیب خلف باصطلاح رومیاں یادگارے "ابقی من النحاس" (Aere prennius) بنا کند تا نام نیکو از او بماند و چہ خوب نقشے است کہ یکے بر قبر خود نویسانید "آنچہ خرج کردم داشتم' آنچہ نگاہ داشتم گم کردم' آنچہ دادم دارم" و در ایں طریق بخیال خودم اقتدا بصنادید العجم میکنم و شاید مثل ایشاں پیش دانش پژوھان زمان آئندہ مذکور باشم"—

چہار مقالہ کی طباعت کے بعد اُس تعریف و توصیف پر جو اس کتاب کے ناشر*

---

* یہ خود میرزا محمد بن عبدالوھاب قزوینی ھیں' جن کے تصحیح و اھتمام سے "چہار مقالہ" شائع ھوا ھے— اختر

نے اپنے مقدمے میں مرحوم کی کی تھی لکھتے ھیں :-

"خواستم قبل ازیں بنویسم و اظہار تشکرات خود را بکلم ازانچه در حق مخلص در مقدمۂ چہار مقاله مرقوم فرموده بودید اگرچه خیلے بالا تر از استحقاق من است و خودم را بهیچ وجه لایق چنیں تعریفات نمی بینم - منتہی ایں است که علم را دوست دارم و علما و افاضل را مکرم و معزز می شمارم و زبان فارسی را و ادبیات ایران را در مرتبه بزرگے میدانم و آزادی و بہبودی ایران را خواهانم که ایں همه چیزها حقیقتاً جبلی است و از ایام شباب در دل مخلص بیخ زده است و جزوے از وجود من شده است"—

ایک اور مکتوب (مورخه ۲۷ فروری سنه ۱۹۲۱ ع) میں لکھتے ھیں :-

"در ایں اواخر بعضے از اکابر و مشاهیر ایران بمناسبت داخل شدن مخلص در سال شصتمیں عمر خود (در ۷ فروری سنه ۱۹۲۱ ع) یعنی گذشتن از پنجاه و نه سالگی، تبریک نامۂ با مدیحۂ بخط بسیار قشنگ یعنی بخط عمادالملک که بیچاره از قرارے که نوشته است، چهار سال در حبس بوده است در قوطی نقرهٔ با کتابت مناسبے و دیگر یک قالی بسیار خوب کاشانی بطریق ارمغان و یادگار به مخلص فرستاده بودند - ایں لطف و مهربانی از طرف اشخاصیکه بعضے از ایشاں را شخصاً هیچ نمی شناسم، خیلے بر من اثر کرده و خجالت می کشم که ایں خدمتہاے جزئی را که به ایران کرده ام، بایں درجه تقدیر میفرمایند - ولے حقیقتاً از هیچ شرفے که در مدت العمر حاصل شد اینقدر تفاخر و ابتهاج نه کرده ام که از ایں و نمیدانم بچه زبان و بچه وسیله بتوانم چنانکه باید و شاید از عهدهٔ شکر ایں نعمت کبری بدر آیم*" ؟

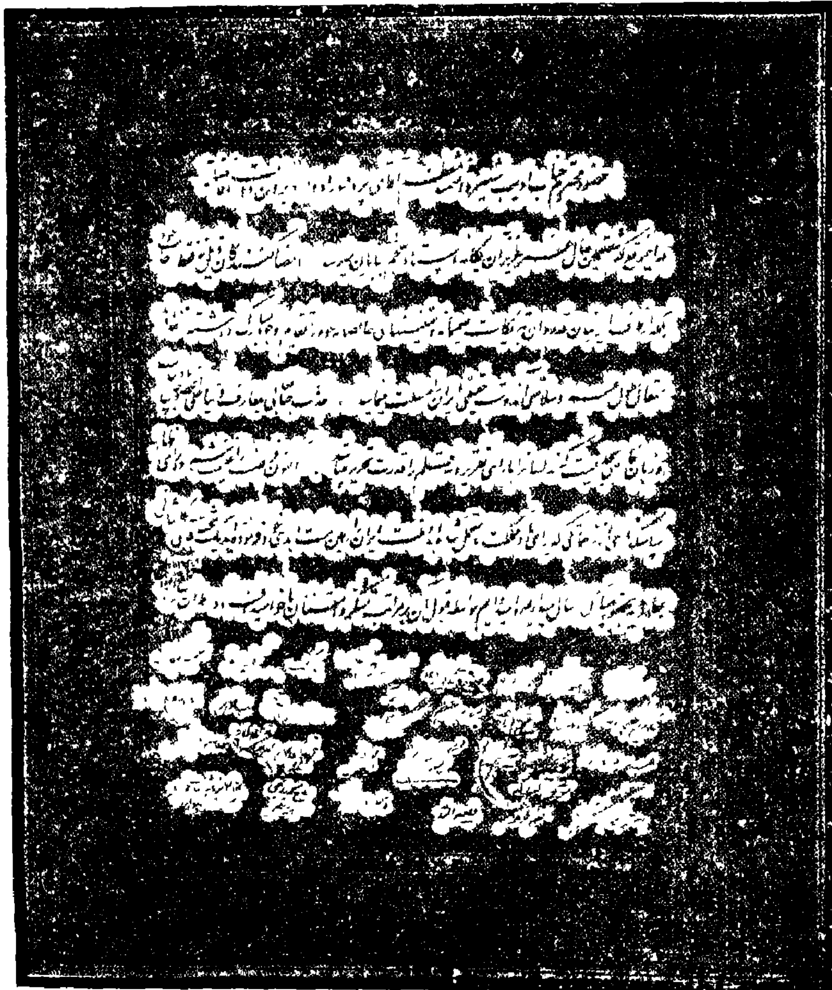
ایک اور مکتوب میں راحة الصدور کی اشاعت کے بارے میں لکھتے ھیں :-

"آیا براے آقائی........... ممکن است مشغول استنساخ راحة الصدور شوند

---

* اس تبریک نامے کا عکس شائع کیا جاتا ھے —

اکابر ایران کا تبریک نامہ



پروفیسر براؤن کی ساٹھویں سالگرہ پر

که مدتے است در صد و چاپ کردن آں هستیم' احیاے صنادید عجم حالا بیش از بیش اهمیت دارد تا روح ایران قوت بگیرد و بزرگی ایران بر همهٔ عالم واضح کرده - جناب عالی باید مخلص را از انچه کردنی است مطلع بفرمائید وچه خوب می بود اگر میتوانستید در اوقات فراغت یک دستورالعملے بنویسید مشتمل بر اسماء کتب فارسی که نشر و چاپ یا عکس انداختن آنها بیشتر اهمیت دارد و کجائی و چگونگی نسخه ها و حجم آنها تا بعد از ملاحظهٔ کار و پول و مخارج آنچه لازمتر باشد در دست بگیریم"—

ایک اور خط میں قدیم فارسی املا کی حفاظت کے بارے میں لکھتے هیں:-

"عقیدهٔ مخلص این است که اصل املا را حتی در غرایب باید حفظ کرد' یعنی مثلاً 'ج' و 'ب' و 'ز' عوض 'چ' و 'پ' و 'ژ' و کذا' آنج' و آنک' و هرج و بلک' و کجون' همانطور که مخلص کردم در رسالهٔ "یک تفسیر قدیم فارسی" (An old persian commentary) حتی در غرایب مثل "عصآموسی" وغیره بهمان قرار که ماخوذ ماں معمول می داریم در چاپ متنهاے قدیم انگلیسی که ابدا معترض تصرت در اینطور املاهاے قدیم نمی شویم' چرا که هر گاه بنا باشد دست زدن بمتنے قدیم خیلے مشکل است پیشروی نه کنیم تا آخر بجاے اشخاصے میرسیم که متن ایں کتابهاے قدیم را بکلی تغییر و تجدید کرده اند- امیدوارم که ایں راے مطابق راے جناب عالی باشد"—

ایک اور مکتوب میں صفوی دور کے ادبیات سے متعلق لکھتے هیں—

"حالا شروع کرده ام بتالیف تتمهٔ تاریخ ادبیات ایران و خیلے اشکالات دارم که کدام شعر او محررین را ذکر کنم' چیزے که نمی توانم بفهمم این است که باوجود آنکه در هیچ وقتے بعد از اسلام' ایران سلاطینے مقتدر تر و بهتر از ملوک صفویه نداشته است چطور است که تقریباً هیچ شاعرے مشهور که درجهٔ اول باشد در آں مدت بظهور نرسید؟ یا شاید ایں بود که بر حسب "الناس علی دین ملوکهم" همه صرت

همت در مسائل دین و مذهب بود و ظهور اکابر علما درآں وقت بود"—

اسی موضوع پر ایک اور خط میں لکھتے ھیں:-

"بیشتر شعراے ایرانی که درآں دور (یعنی دور صفویه) شهرتے بهم رسانیده‌اند مثل عرفی و صائب وغیرها جلاوطن کرده بهندوستان رفتند و آنجا صلات جهه یافتند و گویا درخود ایران متاع آنها تا درجهٔ کساد داشت این شعراے ایرانی‌الاصل را نسبت باکابر شعراے قرون سابقه از فردوسی گرفته تا جامی چه طور تقدیر می کنید؟ و چه قدر اصلیت داشتند؟ چه معلوم است که ترازوے اهل هند (مثل 'مولوی شبلی' که کتابے مفصل مسمی به "شعرالعجم" نوشته است) غیر ترازوے اهل ایران است"—

ایک اور مکتوب (مورخه... مارچ سنه ۱۹۲۳ ع) میں لکھتے ھیں:-

"در این روزها کتاب قصص العلما را خوانده ام، ولے باوجود بعضے مطالب مفیده، خیلے بے ترتیب و پر از مزخرفات است که تعجب می کنم کسے که خودش را از زمرهٔ علما بداند چنین چیزها بنویسد- کتاب دیگرے هم که الآن آنرا میخوانم نجوم الاسماء است که مشتمل است بر چهار صد پانصد ترجمهٔ حال از علماے قرون اخیره (از اوایل صفویه ببعد) ولے چوں هر یک از آنها را "فرید عصر" و "فاضل یگانه" وغیره میگوید تمیز دادن مابین آنهاے که خیلے بزرگ بودند مثل میرداماد، و ملا صدرا، و ملا محمد تقی مجلسی، و ملا محمد باقر مجلسی، از کسانے که حقیقتاً هیچ اهمیتے نداشته اند براے یک اجنبی مثل مخلص بسیار دشوار است"—

ایک مکتوب (مورخه ۱۹ اکتوبر سنه ۱۹۱۰ ع) میں ایران کی پر آشوب سیاسی حالت کے بارے میں لکھتے ھیں:—

"از این خبر دهشت انگیز تهدید نامهٔ انگلیس بحکومت ایران، یاس بریاس افزوده- یک طریقے مانده بود از براے خلاصی ایران از چنگ حریصان، و بنیان آن اولاً بر اتحاد کامل بود و فدا کاری از براے وطن، و قرض گرفتن از زردشتیان بمبئی

که حاضر بودند بشروط مقبوله، و تدارک جیش بهر زودے که ممکن باشد، و تمسک با ذیال مجتهدین کبار خصوصاً جناب ملا محمد کاظم خراسانی که از وطن پرستہاے حقیقی و عقلاے دوربین است تا ایشان حتماً بقبایل جنوب مثل قشقائی تلگرات کنند که چون اغتشاش بهانۂ باجنبی میدهد و حتماً باعث مداخله انگلیس می شود لهذا در این موقع هر کس دزدی و راهزنی کند و سبب اغتشاش شود کافر و دشمن اسلام و استقلال ایران است، افسوس که از قراریکه میرزا اسداللہ خاں میگوید انقلابیون بر خلاف مجتهدین کار میکنند و ارمنی هاے دشناک در امور داخل شده اند و حرف سوسیالیزم وغیره درمیان آورده اند و نمی بینند که اگر خود ایران نباشد نه سوسیالیزم می شود و نه چیز دیگر، بغیر از ذلت و خواری و بندگی و تحمل طوق اجانب، بد بختانه هیچ اتحاد کلام نیست و چارۂ نهانده است

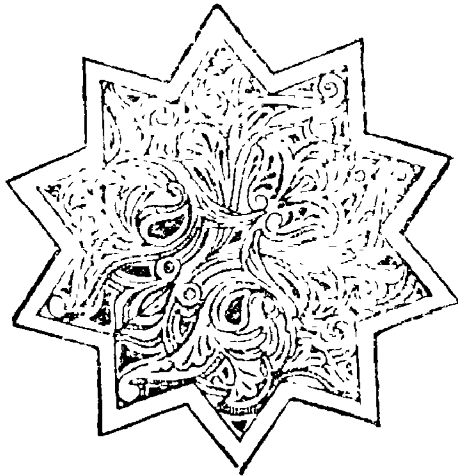
فقلت من التعجب لیت شعری
ا ایقاظ امیته ام نیام!

از کثرت حزن حالتے ندارم بیش از ایں بنویسم و مخلص خود خیال داشتم جرأت نموده بنجف اشرف به جناب ملا محمد کاظم عریضۂ بنویسم و مراتب امور را معروض دارم ولے یاس بطورے غالب شده است که عزم من بر چیزے قرار نمی گیرد"—

اسی زمانے میں ایک اور خط میں اسی موضوع پر لکھتے ہیں:-

"شکے نیست که قلوب مردم از رفتار مبهم وزارت خارجه در ایں جا خیلے مضطرب است و یقین دارم که بعد از نه روز دیگر که پارلمان (پارلمنت) جمع خواهد شد، خیلے قیل و قال و سوال و جواب خواهد بود - ولے قوت ظلم در ایں دنیا خیلے است گاهے می ترسم که عدل و حب حریت کم کم نادر تر از کبریت احمر شده است و شکے نیست که بیشتر ایں تعدیات از تحریکات مالیون (Financiers)

است که همیشه حاضر اند زر سرخ بخورند مردم بخورند و نه از خدا می‌ترسند و نه از آه مظلومان، اے کاشکه می توانستم از این عالم سیاسیات رهائی یابم و در عالم افکار و معانی و روحانیات آرام بگیرم - حالا دو سه سال است بواسطهٔ اوضاع ایران مثل حالت نزع از برای من حاصل شده است"—



کیا اُردو شاعری تقلیدی اور غیر فطری ھے

از

(جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی 'ادیب' ایم - اے لکچرار
لکھنؤ یونیورسٹی)

[میرا ایک طویل مضمون اس رسالۂ اُردو کے جولائی سنہ ۱۹۲۶ع کے پرچے میں "اُردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ھے - جس کا مقصد یہ تھا کہ "تعلیم یافتہ" طبقے کے اکثر افراد کو اُردو شاعری کے متعلق جو غلط فہمیاں ھیں وہ دور ہو جائیں اور اُردو شاعری کو سمجھنے کے لئے جس ذھنیت کی ضرورت ھے وہ پیدا ھو جائے - جو مضمون آج ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رھا ھے اس کو اُس مضمون کا تتمہ سمجھنا چاھئے -]

جن لوگوں کو موجودہ نظام تعلیم نے اُردو ادب سے بیگانہ اور انگریزی ادب کا دلدادہ بنا دیا ھے ان کو اُردو شاعری پر ایک اعتراض یہ بھی ھے کہ وہ تقلیدی اور غیر فطری ھے - یعنی اُردو کے شاعر اپنے دل کا حال نہیں کہتے ' اپنی زندگی کی سرگزشت نہیں سناتے' اپنے عینی تجربے سے کام نہیں لیتے' اپنی ذاتی رائے نہیں دیتے' جو کچھ دیکھتے ھیں دوسروں کی آنکھوں سے' بالخصوص قدیم ایرانی شاعروں کی نگاہ سے دیکھتے ھیں' جو کچھ کہتے ھیں انھیں کے انداز میں کہتے ھیں اور اپنے بیانوں میں فطرت کی موافقت کا لحاظ نہیں رکھتے—

اس اعتراض کے دو جز ھیں - دونوں پر الگ الگ نظر کرنا مناسب معلوم

ھوتا ھے - پہلے جز کے متعلق گزارش ھے کہ اُردو کے ابتدائی شاعروں نے بے شک فارسی شاعری کی تقلید کی ھے مگر یہ تقلید ناگزیر تھی اس لئے اُس پر اعتراض کرنا فطرت سے لڑنا ھے - بات یہ ھے کہ ان کے سامنے دو نمونے موجود تھے؛ ایک بھاشا کی شاعری، دوسرے فارسی کی شاعری - اِن میں سے جس نمونے کو بھی وہ اختیار کرتے اُسی کے مقلد کہلاتے - ابتدا میں تقلید کے سوا چارہ ھی کیا تھا مگر یہ بات غور کرنے کے قابل ھے کہ انہوں نے فارسی کی تقلید کو بھاشا کی تقلید پر کیوں ترجیح دی - وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں بھاشا علمی زبان نہ تھی، اپنے ادبی سرمایے کے اعتبار سے بھی بالکل تہی دست تھی؛ اُس کے کتب خانے میں مذھبی اور اخلاقی نظموں اور قصوں کہانیوں کے سوا شاید کچھہ نہ تھا، نہ اُس کے اصول و قواعد معین تھے نہ لغت مرتب تھا - اُس کے برخلاف فارسی کا خزانہ علمی ذخیروں سے معمور تھا، اُس کے صرف و نحو کے قاعدے بندھے ھوے تھے، الفاظ و محاورات کی تحقیق کے لئے لغت موجود تھے، فصاحت کے معیار معین اور بلاغت کے اصول مقرر تھے اور فارسی شاعری و انشا پردازی ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی تھی - سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حاکم وقت کی زبان فارسی تھی؛ اکثر اُمرا اور بیشتر اھل منصب فارسی ھی بولتے تھے، درس و تدریس کا وسیلہ اور سلطنت کے کار و بار کا ذریعہ یہی زبان تھی: جو وقار اِس کو حاصل تھا وہ بیچاری بھاشا کو کہاں نصیب تھا - بعض لوگ اپنے فطری ذوق کی بدولت بھاشا کی شاعری سے بھی دل بہلا لیتے تھے، لیکن فارسی شاعروں کا کلام درسیات میں پڑھتے تھے، اس کے لفظ لفظ پر بحث ھوتی تھی، نکتے نکتے پر غور کرتے تھے، فارسی شاعروں کی عزت و حرمت شان و شوکت کے قصے کتابوں میں پڑھتے تھے اور ان کی شاھانہ قدردانیوں کی حکایتیں بزرگوں سے سنتے تھے - اِن سب وجوہ سے فارسی کی عظمت کا نقش دلوں پر بیٹھہ جاتا تھا - ایسی حالت میں وھی ھوا جو ھونا چاھئے تھا اور اِس کے سوا کچھہ نہ ھو سکتا تھا - یعنی جب لوگوں نے اُردو شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو فارسی شاعری کو

خضر راہ بنایا —

جس طرح اب انگریزی کی تعلیم ہمارے مذاق کو بدل رہی ہے اور انگریزی شاعری کو اس آب و تاب سے جلوہ دے رہی ہے کہ ہم اُس کے دلدادہ ہوئے جاتے ہیں اُسی طرح اگلے زمانے میں فارسی کی تعلیم نے لوگوں کے مذاق کو متاثر کر کے انہیں فارسی شاعری کا شیدائی بنادیا تھا - جس طرح اب انگریزی کی واقفیت اور فارسی سے اجنبیت اس کی مقتضی ہے کہ ہمارے " تعلیم یافتہ " شاعر انگریزی شاعری کی تقلید کریں اُسی طرح اگلے زمانے میں فارسی کی عام واقفیت اور انگریزی سے کامل ناواقفیت کا تقاضا یہ تھا کہ اُس وقت کے شاعروں کے کلام میں فارسی شاعری کا رنگ نمایاں ہو اور انگریزی شاعری کی بوتک نہ ہو - ہمارے لئے فارسی کا تتبع دشوار ہے ، اُن کے لئے انگریزی کی پیروی محال تھی - جن لوگوں نے شیکسپیر، ملٹن، ورڈزورتھ ، اور ٹینیسن کا نام بھی نہ سنا ہو اُن سے ان شعرا کی تقلید کی اُمید کیا کہوں کہ کیسا خیال ہے ، ع - ایں خیال است و محال است وجلوں —

یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ جولوگ اُردو شاعری کو رسمی اور تقلیدی کہہ کر اُس کی تحقیر کرتے ہیں وہ خود انگریزی شاعری کی تقلید جائز رکھتے ہیں - انصاف کہتا ہے کہ اُس صورت میں بھی تو ہماری شاعری تقلیدی ہی رہیگی - فرق صرف اتنا ہوگا کہ تقلید شعرائے ایران کی نہ ہوگی شعرائے انگلستان کی ہوگی-فارسی کی تقلید ترک کر کے انگریزی کی پیروی کر نے کی تجویز سےمجھے بھی اختلاف نہیں ہے - فارسی شاعری سے ہم کو جو کچھہ لینا تھا لے چکے ، اب اُسی پرقانع رہنا اور اپنی شاعری کو محدود رکھنا مناسب نہیں - اگر انگریزی شاعري کی تقلید سمجھہ کر کی جائے تو شاعری کے لئے نئے نئے راستے نکلینگے ، نئے نئے موضوع ہاتھہ آئینگے ، اظہار جذبات کے نئے نئے اسلوب اور دل پر اثر ڈالنے کے نئے نئے طریقے مل جائینگے - مگر اس تقلید کے جوش میں ایک خطرے سے خبردار رہنا ضروري ہے - کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خیالات و جذبات میں بھی انگریزوں کی

نقل کرنے لگیں - اگر ایسا ہوا تو ہماری شاعری محض نقالی ہوکر رہ جائے گی - نہ اُس میں سچا جوش ہوگا نہ گہرا اثر—

میں یہ تو کہہ چکا ہوں کہ اُردو کے شاعروں نے فارسی شاعری کی تقلید کی ہے اور چونکہ یہ تقلید ناگزیر تھی لہذا قابل اعتراض نہیں - اب یہ بھی بتادوں کہ تقلید سے میری مراد کیا ہے - تقلید کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہمارے شاعروں نے ایرانیوں کے خیالات اور جذبات اُردو میں منتقل کردئے - میری مراد تقلید سے صرف یہ ہے کہ انہوں نے شاعری کا موضوع، بیان کے اسلوب، عروض کے قاعدے، تشبیہیں اور استعارے، تلمیحیں اور صنعتیں فارسی شاعری سے لے لیں، لیکن خیالات اور جذبات اپنے رکھے - اس لئے ہم اُردو شاعری کو صرف ایک مخصوص معنی میں تقلیدی کہہ سکتے ہیں —

جن لوگوں کو فطرت نے شاعر نہیں بنایا مگر طبیعت کی موزونی کے برتے پر شاعر بننے کی ہوس میں گرفتار ہیں ان کو البتہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ وہ شاعروں کی نقل کریں - جو کچھہ اُنہیں کہتے سنیں خود بھی کہنے لگیں اور جو کچھہ اُنہیں کرتے دیکھیں خود بھی کرنے لگیں - ان کی شاعری بے شک تقلیدی بھی ہوگی اور غیر فطری بھی - مگر اس میں اُردو کی کیا تخصیص ہے، ہر زبان میں متشاعروں کے کلام کی یہی حالت ہوتی ہے - نظم کا سلیقہ اکثر میں اور شاعری کا ملکہ کمتر میں ہوتا ہے - اس لئے ہر زبان میں شاعر کم ہوتے ہیں اور متشاعر بہت - انگریزی زبان کا بھی یہی حال ہے - بے شمار انگریز شاعروں میں صرف چند اس قابل ہیں کہ انہیں حقیقی شاعر کہہ سکیں، انہیں کا ذکر ہر زبان پر ہے اور انہیں کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہے - اُردو میں بھی متشاعر بہت ہیں لیکن اُردو شاعری کی عمر کو دیکھتے ہوے حقیقی شاعروں کی تعداد بھی کچھہ بہت کم نہیں معلوم ہوتی—

یہ تو میں بتا چکا کہ اُردو شاعری کس معنی میں تقلیدی ہے - اب یہ بھی

بتا دینا چاھتا ھوں کہ یہ اعتراض پیدا کیونکر ھوا - اس کا خاص سبب یہ معلوم ھوتا ھے کہ ھمارے شاعروں کا کلام بہت کچھہ ملتا جلتا ھے اور یہ مسلم ھے کہ سب کی طبیعتیں ایک سی نہیں ھوتیں' اس لئے یہ شبہ پیدا ھوتا ھے کہ انہوں نے اپنے ذاتی خیالات نظم نہیں کئے ھیں بلکہ ایک ڈھرّا بندہ گیا ھے' سب اُسی کی پیروی کرتے ھیں' ایک لیک بن گئی ھے سب اُسی پر آنکھیں بند کئے چلے جاتے ھیں' مگر حقیقت یہ نہیں ھے - اصل یہ ھے کہ ھمارے شاعر اپنے معیاروں' نظریوں اور اصولوں میں اس قدر ھم خیال تھے کہ سب کی شاعری ایک ھی سی معلوم ھوتی ھے- اس ھم خیالی کی خاص وجہ یہ تھی کہ تعلیم و تربیت کے قاعدے' حسن و قبح کے معیار' معاشرت و معاملت کے اصول' حقوق و فرائض کی حدیں' رسم و رواج کے ضابطے نہایت مضبوطی سے بندہ گئے تھے' سب لوگ نہایت سختی سے ان کی پابندی کرتے تھے' اس لئے تمام سوسائٹی ایک ھی رنگ میں رنگی ھوئی تھی - مدت سے ھندوستان کی تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ بڑی نہیں گزرا تھا جو اھل ھند کی معاشرت میں' خیالات میں' جذبات میں انقلاب پیدا کردیتا —

ھم خیالی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اگلے زمانے میں اصول اور کُلیے بنانا' نظریے اور معیار قائم کرنا ھر شخص کا کام نہیں سمجھا جاتا تھا' یہ صرف عالی دماغ فلسفیوں اور مذھبی پیشواؤں کا حق تھا - جو اصول انھوں نے مقرر کردئے تھے عقیدت اُن کی پیروی اپنا فخر سمجھتی تھی اور دخل درمعقولات کو گناہ جانتی تھی؛ اسی کا نتیجہ تھا کہ اگلے لوگ اس قدر ھم خیال تھے - گو ھمارے اور ان کے درمیان کچھہ بہت زمانہ نہیں گزرا لیکن حالات و اتفاقات نے ھماری اور اُن کی طبیعتوں میں زمین اور آسمان کا فرق کردیا ھے - تواضع' تسلیم' قناعت' تقلید اُن کی طبیعت کے خصوصیات تھے - خود بینی' سرکشی' تجسس' اجتہاد ھمارے مزاج کے خواص ھیں - وہ قدامت کے پجاری تھے' ھم جدت کے پرستار ھیں - معینہ اصول اور قدیم رسوم کی پابندی اُن کے لئے مایۂ ناز تھی - بنے ھوے

اُصولوں کو بگاڑنا اور بندھی ہوئی رسموں کو توڑنا ہمارے لئے فخر کا سرمایہ ہے - مشرقی اور مغربی فلسفے کی کشمکش اور ایشیائی اور یورپی تمدن کے تصادم نے ہماری طبیعتوں میں اضطراب اور خیالوں میں انتشار پیدا کردیا ہے - اس صورت حال کا ایک خاص سبب روز روز کے نئے ایجاد اور نئے انکشاف بھی ہیں کہ ہمارے خیال کو کسی نقطے پر قائم نہیں ہونے دیتے اور کسی بات پر جمنے نہیں دیتے - اس اضطراب اور انتشار کے زمانے میں اگلے لوگوں کی ہم خیالی سمجھ میں بھی مشکل سے آتی ہے' مگر واقعہ یہی ہے - لیکن پھر بھی اصول و کلیات سے قطع نظر کیجئے تو ایک عام ہم رنگی کے باوجود طبیعتوں میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے - یہ اختلاف طبائع ہمارے شاعروں میں بھی تھا اور ان کے کلام میں بھی ہے - میر کی 'آہ' سودا کی 'واہ' درد کی صوفیت' غالب کی فلسفیت' ناسخ کی پہلوانی' آتش کا بانکپن' انشا کا تمسخر' جراُت کی بے باکی اُن کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے —

اعتراض کا دوسرا جزو یہ تھا کہ اُردو شاعری غیر فطری ہے - یہ بات صرف اِس حد تک صحیح ہے کہ ہمارے شاعروں نے جذبات کے اظہار میں اکثر مبالغہ کیا ہے اور کیفیت و مناظر کے بیان میں اکثر فطرت کی متابعت نہیں کی ہے - مگر صرف اس بنا پر اُردو شاعری بالکل ناقص نہیں ٹھیر سکتی - شاعری کے دو عنصر ہیں' ایک محاکات دوسرا تخئیل - ہمارے قدیم شاعروں کی نگاہوں میں محاکات کا درجہ تخئیل سے بہت پست تھا - وہ اپنی شاعری میں فطرت کا اتباع فرض نہیں سمجھتے تھے؛ وہ اس دنیا کا نقشہ کھینچنا کوئی بڑا کام نہ جانتے تھے؛ وہ ایک نئی دنیا بنانا چاہتے تھے' اُنھیں نقالی میں لطف نہ آتا تھا؛ تخلیق میں مزہ ملتا تھا - شاعروں کی تخصیص نہیں اُس زمانے کا رجحان اِسی طرف تھا - دیو و پری کے افسانوں اور طلسمات کے بیانوں کا مقبول عام ہونا اِس دعوے کی دلیل ہے - اب فطرت پرستی کا زمانہ ہے - کیا شاعر' کیا افسانہ نویس' کیا تمثیل نگار

سب کے سب فطرت کی تصویریں اُتارنے میں لگے ہوے ہیں اور اسی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے قدیم شاعر اس تصویرکشی کے قائل نہ تھے، وہ تخئیل کو شاعری کا اصل جوہر سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ تخئیل کا جو زور اُن کے کلام میں دکھائی دیتا ہے وہ آج کل کی شاعری میں کمیاب ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بھی بعض نقادانِ سخن ہمارے قدیم شعرا کے ہم خیال ہیں۔ ذیل کا اقتباس جو "خمخانۂ کیفی"* کے مقدمے سے لیا گیا ہے ملاحظہ ہو:—

"شاعر درس فطرت کا ابجد خواں نہیں بلکہ وہ معلم ہے جو اپنی سحر طرازیوں سے خود فطرت کو نئے سبق دیتا ہے .... مرقعِ سخن میں رنگ بھرنے کے لئے فطرت سے استمداد کرنا شاعر کا عجز ہے اِس کے محسوسات سے تو یہ توقع ہے کہ وہ فطرت کی کوتاہیاں اُبھار اُبھار کر دکھاے۔ اُس کے ایک ایک رنگ میں سو رنگ کی بہار دکھاے .... اُس شاعر کو جس کا دائرۂ عمل فقط مناظر قدرت اور مظاہر فطرت کے عکس لینے تک محدود ہو جگت اُستاد نہیں کہہ سکتے، یہ تو ہفتخوان شاعری کی منزل اول ہے۔ سر منزل اُسی وقت نصیب ہوگا جب اُس کا قلم آینہ رونما کے بجاے خوردبین کا شیشہ بن جائے گا"—

* خمخانۂ کیفی پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی کی چند نظموں کا مجموعہ ہے جو سنہ ۱۹۲۴ع میں لاہور میں چھپا تھا۔ اس مختصر کتاب کا مختصر مقدمہ ناٹک ساگر کے مصنف شیخ محمد عمر اور شیخ نور الٰہی صاحبان نے لکھا ہے—

اُردو شاعری کو جس معنی میں غیر فطری کہہ سکتے ہیں وہ میں نے اوپر بیان کردئے ہیں لیکن معترضوں کے نزدیک اردو شاعری ہرحیثیت سے فطرت کے خلاف ہے - وہ سمجھتے ہیں کہ جو خیالات اور جذبات ہمارے شاعروں نے ظاہر کئے ہیں وہ اکثر و بیشتر غیر فطری ہیں - میں اپنے اُس مضمون میں جس کا عنوان تھا " اُردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ " جن اعتراضوں سے بحث کرچکا ہوں وہ سب گویا اسی اعتراض کے مختلف پہلو تھے - اس لئے ہر پہلو سے اس اعتراض کا جواب دیا جا چکا ہے ' لیکن مزید وضاحت کے خیال سے کچھہ باتیں اِس سلسلے میں اور لکھتا ہوں —

اُردو شاعری کے غیر فطری معلوم ہونے کا خاص سبب یہ ہے کہ اب ہماری طبیعتیں بدل گئی ہیں - جب اہل یورپ ہمارے ملک میں آئے اور اپنے ساتھہ نئی زبان ' نئے خیالات ' نئی معاشرت ' نیا فلسفہ' نئی حکومت ' نئے علوم وغیرہ لائے تو ہماری طبیعتوں میں بڑا انقلاب ہوگیا ' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ہر چیز کو کچھہ دوسری نظر سے دیکھنے لگے - اخلاق کا نظریہ ' سوسائٹی کا تخیل ' مذہب کا تعقل' حسن و قبح کا معیار ' باہمی تعلقات کے تصور' امداد و استمداد کا کُلیہ' ایثار و استیثار کے اُصول سب کچھہ بدل گئے - خود شاعری کی تعریف اُس کا موضوع ' اُس کے حدود ' نقد شعر کے اصول ' یہ سب چیزیں بھی بدل گئیں - اِس صورت میں جو بات اگلوں کے نزدیک عین فطرت تھی وہ اگر ہمیں خلاف فطرت معلوم ہوتو کیا عجب —

اسی اختلاف طبائع کے باوجود یقین کے ساتھہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری شاعری کا معتدبہ حصہ ایسا ہے کہ اگر ہم ماضی کو حال کی نگاہ سے نہ دیکھتے اور سخن فہمی کی صلاحیت رکھتے ہوتے تو ہمارے نزدیک بھی وہ فطرت کے خلاف نہ ٹھہرتا- شعر کو سمجھنے اور اُس سے لطف اُٹھانے کے لئے نکات زبان اور شاعرانہ انداز بیان سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے - اکثر شعروں کو سمجھنے میں نہ کسی علم

کی واقفیت کام آتی ھے نہ کسی فن کی مہارت ' اُن میں نہ فلسفے کے مسائل نظم کئے گئے ھیں نہ سائنس کے حقائق : وہ صرف جذبات و کیفیات کی تصویریں ھیں ' جن کے خط و خال صرف زبان دانی کی خوردبین سے دکھائی دیتے ھیں - میں ذیل میں چند شعر لکھتا ھوں جو سر سری نظر میں بالکل معمولی اور سادے سادے سے معلوم ھوتے ھیں لیکن زبان کے نکتوں اور بیان کی باریکیوں کے جاننے والوں کے لئے اُن میں دلچسپی کے بڑے بڑے سامان موجود ھیں :—

نہ ھم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے

پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

قواعد نحوی سے اِس شعر کا مطلب پوچھئے تو عجب نہیں کہ وہ اسے مہمل بتادیں - شاعر کہتا ھے کہ ھم نہیں سمجھے اور آپ کہیں سے نہیں آے ' اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھہ ڈالئے - معلوم ھوتا ھے کہ وہ کسی سے کہنا چاھتاتھا مگر ابھی صرف اتنا کہا تھا " نہ ھم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے " کہ اُس کی نظر مخاطب کی پیشانی پر پڑگئی - دیکھا کہ پسینہ بہ رھا ھے اپنی بات کاٹ کر کہنے لگا " پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے " لیجئے شعر ختم ھوگیا اور مطلب کچھہ نہ نکلا —

جو لوگ اداے مطلب کے نازک اور لطیف انداز سمجھتے ھیں اُن کے لئے یہ شعر معنی کا ایک دفتر ھے - اُن کی نگاھیں دیکھتی ھیں کہ ایک معشوق اپنے کسی چاھنے والے سے ملنے گیا - وھاں سے واپس آرھا تھا کہ ایک دوسرے عاشق سے آنکھیں چار ھوگئیں ' جس سے وہ اِس ملاقات کا حال پوشیدہ رکھنا چاھتا تھا - دل چور تھا معاً خیال گزرا کہ کہیں یہ سمجھہ نہ گیا ھو کہ میں کہاں سے آرھا ھوں اس خیال کا آنا تھا کہ شرم سے پسینے پسینے ھوگیا - عاشق نے اس کو رقیب کی گلی سے نکلتے ھوئے دیکھہ ھی لیا تھا بدگمانی اُس کے کان میں کچھہ کہہ چکی ھی تھی' اب جو معشوق کے چہرے پر نظر پڑتی ھے تو اُس کی جھیپی ھوئی نگاھیں اور عرق

آلودپیشانی اس کے گمان کو یقین سے بدل دیتی ہے - وہ دل میں کہتا ہے کہ یہ موقع اچھا ہے، مجرم بھی موجود ہے گواہ بھی حاضر ہے اور موقع واردات بھی سامنے ہی ہے، اسی وقت معشوق پر اُس کا جرم ثابت کردو ورنہ بعد کو کہو گے تو شاید مکر جاے - مگر آخر عاشق کا دل ہے وہ ایسا انداز بیان اختیار نہیں کرنا چاہتا جو معشوق کی نازک طبیعت پر گراں گزرے، اس لئے اپنا مطلب یوں ادا کرتا ہے —

نہ ہم سمجھے نہ آپ، آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

بیان کے رموز جاننے والے جانتے ہیں کہ کہاں 'نہیں' میں 'ہاں' نکلتی ہے اور کہاں 'ہاں' میں 'نہیں' اس موقعے پر عاشق نے کہا تو وہ جو شعر میں مذکور ہوا اور مطلب نکلا یہ کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ کہیں سے آرہے ہیں اور یہ بھی سمجھ گئے کہ کہاں سے آرہے ہیں - آپ ہم کو جھٹلا بھی نہیں سکتے، آپ کی پیشانی کا پسینہ ہمارے دونوں خیالوں کی تصدیق کررہا ہے --

اس شعر میں 'آپ' کا استعمال بھی ایک پر معنی پہلو لئے ہوئے ہے - جب کوئی بات ناراضی یا طنزسے کہی جاتی ہے یا تاکید یا تہدید مقصود ہوتی ہے تو بےتکلف سے بےتکلف لوگوں سے، یہاں تک کہ اپنے چھوتوں سے بھی 'آپ' کر کے بات کرتے ہیں - اس شعر میں 'آپ' کا لفظ عاشق کے دل کی حالت ظاہر کر رہا ہے اور معشوق کو اُس کی بات توجہ سے سننے پر مجبور کر رہا ہے —

دل پر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے
پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا (تعشق)

ایک زبان کا نہ جاننے والا تو کہیگا کہ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے - پہلے مصرعے میں تو یہ کہا کہ ہم دل پر داغ کا حال کیا کہیں اور دوسرے مصرعے میں ایک سوال پوچھہ بیٹھے - مگر ادب کے کسی نکتہ شناس

سے پوچھئے تو وہ اس شعر کو بلاغت کی ایک عمدہ مثال بتائیگا - کسی درد رسیدہ
سے کسی نے کہا کہ ذرا اپنے دل کا حال تو بیان کرو ' شاعر اپنا شعر اس سوال کے جواب
سے شروع کرتا ھے - وہ درد رسیدہ کہتا ھے کہ هم اپنے پرداغ دل کا حال تم سے کیا
کہیں' نہ هم کہہ سکینگے نہ تم سمجھہ سکو گے - اتنا کہنے کے بعد اُسے خیال آتا ھے کہ
ایک چیز ھے جو میرے داغ دار دل سے کسی قدر مشابہ ھے اور وہ لالے کا پھول
ھے - یہ خیال آنا تھا کہ اُس نے پوچھنے والے سے سوال کیا کہ تم نے کبھی لالے کا پھول
بھی دیکھا ھے - یعنی اگر تم نے لالے کا پھول دیکھا ھےتو تم میرے دل کا کچھہ
اندازہ کر سکوگے —

اس انداز بیان سے شعر میں کئی خوبیاں پیدا ھوگئی ھیں - اول تو محبوب
کے دل کی جسمانی اور نفسانی دونوں کیفیتوں کی تصویر کھنچ گئی ھے '
دوسرے' شعر میں ایک خاص اثر پیدا ھو گیا ھے - یہ بھی ایک پر لطف بات ھے کہ
پہلے مصرعے میں سوال سے جواب نکلتا ھے ' یہ ندرت بھی شعر کے حسن اور اثر میں
اضافہ کر رھی ھے - اگر پہلے سوال کیا جاتا اور پھر جواب دیدیا جاتا کہ ھمارا پرداغ
دل لالے کے پھول کا سا ھے تو یہ بات حاصل نہ ھوتی—

شعر کو سمجھنے میں لہجے کو بھی بہت دخل ھے - اگر شعر صحیح لہجے میں
پڑہ دیا جاے تو جو دلی کیفیتں شعر کے لفظوں میں پوشیدہ ھوتی ھیں وہ خود
بخود نمایاں ھو جاتی ھیں - اس شعر کا پہلا مصرع افسردگی اور مایوسی کے لہجے
میں پڑھئے اور کچھہ وقفے کے بعد دوسرا مصرع سوال کے لہجے میں پڑھئے ' مطلب
خود واضح ھو جاے گا —

پس معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ھے
خدا مجنوں کو بخشے مرگیا اور ھم کو مرنا ھے

(شاد لکھنوی پیرو میر)

اس شعر میں کہنا یہ تھا کہ مجنوں نے عشق کو بدنام کردیا کہ لیلیٰ کے بعد

مرا - لیکن اگر یہ بات اِنہیں لفظوں میں صاف صاف کہدی جاتی تو نہ کہنے والے کے دل کا کچھہ حال کُھلتا نہ سننے والے کے دل پر کوئی اثر پڑتا - شاعر نے جو طرز ادا اختیار کیا ھے اُس کی لطافت و معنویت کا کیا کہنا - کہنے والا پہلے دنیا کی ایک بات کہتا ھے کہ معشوق کے بعد مرنا عشق کو بدنام کرنا ھے' پھر مجنوں کی بخشش کی دعا کرتا ھے - سننے والوں کو یاد آ جاتا ھے کہ مجنوں لیلی کے بعد مرا تھا اور وہ بات مجنوں پر چھا جاتی ھے —

''خدا مجنوں کو بخشے'' یہ جملہ غور کرنے کے قابل ھے - اھل زبان جب کسی مردے کا ذکر کرتے ھیں تو ''خدا بخشے' الله بخشے' یا اسی معنی کا اور کوئی فقرہ اکثر استعمال کرتے ھیں - اس لئے اس شعر میں اس فقرے کے آنے سے بیان میں اصلیت اور کلام میں زور بڑہ گیا - اس کے علاوہ جب کسی مرے ھوے شخص کی برائی کا ذکر کرتے ھیں تو بھی اُس کی بخشش کی دعا انہیں لفظوں میں کرتے ھیں - اس شعر میں قائل کے نزدیک مجنوں شریعت عشق کی رو سے ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب تھا کہ معشوق کے بعد بھی زندہ رھا تھا - اس لئے اُس کا پہلے یہ جملہ کہنا کہ ''پس معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ھے'' اور اس کے بعد ھی یہ دعائیہ فقرہ کہنا کہ ''خدا مجنوں کو بخشے'' مجنوں کے اس گناہ کی طرف اشارہ کرنا ھے - اشارے اور کنائے میں بات کہنا بھی ایک طرح کی لذت رکھتا ھے —

''اور ھم کو مرنا ھے'' اس مختصر فقرے نے تو کلام کی معنویت کو دونا کردیا ھے - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ کہنے والا خود بھی کسی پر عاشق ھے' عشق کی سختیوں سے بھی خبردار ھے اور یہ بھی جانتا ھے کہ عشق کے امتحان میں پورا اُترنا کس قدر مشکل ھے - اس لئے کُھلے کُھلے لفظوں میں مجنوں کو الزام دیتے ھوے دل دھڑکتا ھے کہ کہیں ایسا نہ ھو کہ عشق کی دشوار گزار منزل میں میرا قدم بھی لغزش کر جاے اور میرے مرنے کے بعد ایسے ھی الزام مجھے دیئے جائیں - پھر تجربہ کہتا ھے کہ بڑے بول کا سر نیچا ھوتا ھے - اس وجہ سے بھی مجنوں سے

برگزیدۂ عشق کو کچھہ کہتے ہوے جی ڈرتا ہے کہ کہیں میری وہ تعلی جو اِس الزام میں مضمر ہے اس کی یہ سزا نہ ملے کہ مجھہ سے عاشقی کا کوئی بڑا فریضہ ترک ہو جاے اور لوگ مجھہ پر طعنہ زن ہوں - یہ خیال بھی زبان بند کئے دیتا ہے کہ جب مجنوں سا عاشق کامل فرائض عشق کو پورے طور پر ادا نہ کرسکا تو میں کس شمار میں ہوں—

عشق کی دنیا میں مجنوں کا مرتبہ مسلم ہے، اُس پر حرف گیری کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوتی؛ اس لئے اس شعر میں جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اس میں مجنوں کی ذات کا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس اخلاقی نکتے پر بھی نظر رکھی گئی ہے کہ مردے کا ذکر بدی کے ساتھہ کرنا معیوب ہے—

صبا نے دی ترے وحشی کی قبر پر جاروب
پھرے طواف بگولے ہزار بار آئے (تعشق)

مرنے کے بعد ایک عاشق کی روح معشوق سے خطاب کرکے کہتی ہے کہ تیرے وحشی کی قبر پر صبا جھاڑو دیتی ہے اور بگولے طواف کرنے آتے ہیں - اس شعر کا انداز بیان بھی عجیب ہے کہ ظاہر میں تو قبر پر ایک آبادی اور چہل پہل کا سماں دکھایا گیا ہے مگر اصلیت میں وہ ویرانی و بے کسی کا منظر نکلتا ہے ذرا غور سے دیکھئے تو یہ طرز بیان عجیب سے عجیب تر معلوم ہوتا ہے اور اس میں بڑی بڑی باریکیاں نکلتی ہیں—

صبا کا خاک اُڑانا اور بگولوں کا چکر لگانا جنگل کا سنسان منظر پیش نظر کردیتا ہے - آبادی سے دور ویرانے میں عاشق کی قبر کا ہونا اُس کی صحرا نوردی پر شاہد اور اُس کے وحشی ہونے پر گواہ ہے اور اُس کی وحشت جو لازمۂ عشق ہے اُس کی سچی محبت کا ثبوت ہے - صبا کے خاک اُڑانے کو قبر پر جھاڑو دینے سے اور بگولوں کے چکر کھانے کو قبر کا طواف کرنے سے تعبیر کرنا ایک اشارہ ہے، اس بات

کی طرف کہ عشق صادق کس احترام کا مستحق ہے۔ چاھئیے تھا کہ جو لوگ عشق کے مرتبے سے آگاہ ہیں وہ عاشق کی قبر کی زیارت کو آتے، اُس پر جھاڑو دیتے، اُس کا طواف کرتے، مگر دنیا دل والوں سے ایسی خالی ہوگئی ہے کہ اُس کی قبر پر بےکسی برس رہی ہے اور ویرانی چھائی ہوئی ہے —

"ترے وحشی" سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ کسی معمولی آدمی کی قبر نہیں ہے، تیرے عاشق کی قبر ہے؛ پھر وہ عزت و حرمت کی مستحق کیوں نہ ہوتی۔ انہیں لفظوں میں یہ شکایت بھی مضمر ہے کہ خیر 'وروں نے اگر اِس قبر کے احترام میں کوتاہی کی تو اُن کی ناواقفیت اُن کی طرف سے عذر خواہ ہوسکتی ہے لیکن تو تو اُس کے رتبے سے خوب واقف تھا اور تیرا ہی عشق اُس کی غربت کی موت کا باعث تھا، تیری طرف سے یہ تغافل اور یہ بےالتفاتی ضرور دل کو صدمہ پہنچاتی ہے —

اِن چند مثالوں سے مجھے یہ دکھانا تھا کہ اُردو شاعری کا ایک معتدبہ حصہ خاص کر اساتذۂ لکھنؤ جنھوں نے اپنی شاعری میں مضمون کی ندرت سے زیادہ بیان کی لطافت پر توجہ کی ہے ان کا زیادہ تر کلام ایسا ہے جس سے لطف اُٹھانے کے لئے اہل زبان کا روز مرہ، ان کے محاورے، مثلیں، کنائے، تلمیحیں، الفاظ کے محل استعمال، مترادفات کے نازک فرق، اِظہار جذبات کے طریقے، فصاحت کے رمز، بلاغت کے نکتے اِن سب چیزوں کا علم ضروری ہے۔ اگر اِن چیزوں کا علم ہوجائے تو بہت سے شعر جو بےمعنی، بےاثر اور خلاف فطرت معلوم ہوتے ہیں اُن میں معنی بھی پیدا ہوجائینگے، اثر بھی آجائیگا اور فطرت سے اختلاف بھی نہ رہیگا —

مختصر یہ کہ یہ اعتراض بھی ناواقفیت ہی نے پیدا کیا ہے۔ جو لوگ انگریزی ادب کے ماہر ہیں مگر اُردو کے مذاق سے آشنا نہیں ہیں انہیں صرف انگریزی شاعری سے لطف حاصل ہوتا ہے اور اُردو شاعری بےمزہ اور عیبوں کا مخزن معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ اُردو ادب کے رمز شناس ہیں مگر انگریزی مذاق سے بےگانہ ہیں

وہ اُردو کے ایک ایک شعر پر سر دھنتے ھیں اور انگریزی شاعری کو شاعری ھی نہیں سمجھتے لیکن جو لوگ اُردو اور انگریزی دونوں کا صحیح مذاق رکھتے ھیں وہ اُردو شاعری پر بھی جھومتے ھیں اور انگریزی نظموں پر بھی وجد کرتے ھیں۔ میں اِس سلسلے میں لکھنؤ کے نامور بیرسٹر پنڈت بشن نراین در مرحوم کے خیالات اُردو شاعری کے بارے میں آپ کے سامنے پیش کرتا ھوں - یہ بزرگ انگریزی کے زبردست ادیب اور انشاپرداز تھے ؛ اپنی مادری زبان اُردو سے بھی اُنس رکھتے تھے ' شعر بھی کہتے تھے ' ابر تخلص تھا؛ دنیا کے معاملات اور ملک کے حالات سے بخوبی واقف تھے : سیاسیات کے ماھر خصوصی اور وطن پرستی کے شیدائی تھے - اُن کی علمی قابلیت ' وسعت نظر' غیر معمولی ذھانت ' سلامت ذوق اور قوت تنقید سے ھندوستان کا علمی طبقہ بخوبی واقف ھے - اُنھوں نے پنڈت رتن ناتھہ سرشار کی تصانیف پر جو تبصرہ لکھا ھے اور اس میں فسانۂ آزاد کی جو تنقید کی ھے وہ اپنی نظیر آپ ھے - ایسے جامع شخص کی رائے اُردو شاعری کے بارے میں خاص اھمیت رکھتی ھے - اصل مضمون جس کا اقتباس اُردو میں ترجمہ کرکے ذیل میں لکھتا ھوں انگریزی زبان میں ھے - اِس کو اُردو کی کمزوری کہئے یا میری ناقابلیت ' بھر حال واقعہ یہ ھے کہ ترجمے میں اصل کی سی کیفیت پیدا نہیں ھوسکی اور بعض باریک اور نازک خیالات صاف طور پر ظاھر نہیں ھوسکے پھر بھی قابل نقاد کی رائے کا کچھہ اندازہ تو ھو ھی جائے گا - لکھتے ھیں :—

" حسن سے متاثر کرنے کی جو قوت شاعری میں ھے جہاں تک اُس قوت کا تعلق ھے یہ بات قابل لحاظ نہیں کہ شاعر کے جذبات صحیح ھیں یا علیل اور اس کے خیالات صحیح ھیں یا غلط۔ وہ جو کچھہ سوچتا ھے اگر اس کا احساس بھی کرتا ھے اور دوسروں سے زیادہ کرتا ھے' اگر اُس کی فطرت ایسی واقع ھوئی ھے کہ حواس اور ذھن کے معلومات ھمیشہ جذبات کی شکل اختیار کرلیا کرتے ھیں اور اگر ان جذبات کو الفاظ میں خوبصورت اور مترنم الفاظ میں منتقل کردینے کی قدرت بھی اُسے حاصل ھے تو وہ حقیقی شاعر ھے

اور ایک زبردست آلہ اُس کے ھاتھہ میں ھے' اب خواہ وہ اُسے نیکی کے لئے استعمال کرے خواہ بدی کے لئے - غدر سے پہلے کے اُردوشاعر اس معنی میں حقیقی صناع تھے ؛ وہ مخصوص خواھشیں رکھتے تھے ' مخصوص معیاروں کی پیروی کرتے تھے ' بعض عقاید پر دل سے ایمان رکھتے تھے ؛ زندگی کے بلند ترین مقصد اور اُس کے حصول کے بہترین ذرائع کے بارے میں اُن کو کوئی شک نہ تھا ' وہ اپنی سوسائٹی سے پوری ھمدردی رکھتے تھے ؛ اپنے انتہائی باغیانہ انداز خیال میں بھی اُس کے مسلمہ روایات پر کبھی اعتراض نہ کرتے تھے ؛ اُس کی خوشیوں اور غموں میں شریک تھے اور اُن کے سینوں میں بھی وھی جذبہ اور وھی کسمکش ھل چل مچائے ھوئے تھی جسکی آگ وہ اپنے چاروں طرف اپنے بھائیوں کے سینوں میں مشتعل دیکھتے تھے - صدیوں کی تربیت اور تجربے نے اُن کو یہ سکھایا تھا کہ مذھب ھی سب کچھہ ھے ' یہ دنیا محض ایک عکس ھے اور انسان کی زندگی صرف ایک خواب اور یہ کہ آجکل ترقی نہیں بلکہ ایک تدریجی تنزل ھورھا ھے - انسانی مسرت کا آفتاب نصف‌النہار پر پہنچ چکا اور اب غروب ھونے کے لئے عجلت کررھا ھے ؛ آدمی اپنی تقدیر کا مالک نہیں غلام ھے ' بادشاہ ظل الہی ھوتا ھے اور ھماری دنیاوی زندگی بالکل اُسی کے ھاتھہ میں ھے - زندگی کے وقتی اور عارضی خوابوں کے اُس طرف بہشتی خطے ھیں جہاں کے ھرباغ میں سیہ چشم حوریں گلگشت کر رھی ھیں اور جہاں کی ھر ھوا میں آسمانی موسیقی کے نغمے بھرے ھوے ھیں - اِن خیالوں کے ساتھہ وہ کچھہ ایسے جذبات بھی رکھتے تھے جو بالعموم مشرقی طبائع کی طرف منسوب کئے جاتے ھیں - یعنی رشک ' انتقام ' فخر ' نسب وغیرہ - وہ دوسروں کی خوشامد کرتے تھے اور اپنی خوشامد کروانا پسند کرتے تھے - وہ اپنی محبت و نفرت میں متشدد تھے ' عورت اُن کا کھلونا تھی ' حب وطن کا تصور تو ان کے دماغ میں نہ تھا مگر اپنی نھج کی دوستی میں وفادار تھے - اگر کوئی دشمن اُن کے شہر پر حملہ کردیتا تو انہیں غصہ نہ آتا لیکن اگر اُن کی قابل اعتراض عشق بازیوں میں کوئی دخل دینے کی جرأت کرتا تو اپنی

جان دیدینے کے لئے تیار تھے - وہ اپنے زمانے کے لوگ تھے اور جو نمایاں خیالات اور احساسات وہ نہایت جوش اور شدت کے ساتھہ محسوس کرتے تھے اُن کو خوب بڑھا چڑھا کے اپنی شاعری میں بیان کردیتے تھے - اِسی وجہ سے اُن کی شاعری کی خاص خوبی اُس کا خلوص ہے - وہ (شاعری) اُن کی اصلی فطرت کا اور جس سوسائٹی میں وہ رہتے سہتے ، چلتے پھرتے ، اور زندگی گزارتے تھے اُس کی حقیقی طبیعت کا صحیح عکس ہے - اُس (شاعری) میں برے جذبات بھی ہیں اس لئے کہ شعرا خود وہی جذبات رکھتے تھے ؛ اُس کا انداز بالعموم مایوسانہ اور حسرتناک ہے ، اس لئے شاعر خود افسردہ دل تھے - لیکن جو باتیں اُن کے دلوں کو سب سے زیادہ بےچین کردیتی تھیں ، جو باتیں اُن کے جذبات کو مشتعل کردیتی تھیں اور دماغوں میں آگ لگا دیتی تھیں وہ ان کی شاعری میں جگہ پاتی تھیں - اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم اُس (شاعری) کو پسند کریں یا نہ کریں اُس کی مقناطیسیت کا احساس کرنا ہی پڑتا ہے کیونکہ اُس میں خلوص ہے ، وہ شعرا کے دلوں کی اندرونی گہرائیوں سے نکلی ہے اور جو کچھہ اُنہوں نے اِس دنیا میں سوچا اور محسوس کیا اُس کا کچا چٹھا اُنہیں کے خیالات کے مطابق ہے " —

جولوگ اُردو شاعری کو محض تقلیدی اور غیر فطری سمجھتے ہیں ذرا انگریزی کے اس یگانۂ عصر ادیب کی رائے غور سے پڑھیں اور اپنی رائے پر نظر کریں —

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا



زندگی

از

(جناب مولانا وحیدالدین صاحب سلیم، پروفیسر جامعۂ عثمانیہ)

ذرے ذرے میں دواں روح رواں پاتا ہوں میں
زندگی کو ایک بحر بیکراں پاتا ہوں میں

غنچہ غنچہ نطق پر آمادہ آتا ہے نظر
پتے پتے کی زباں کو نغمہ خواں پاتا ہوں میں

زندہ ہستی کی خبر دیتی ہے رفتار نفس
بوئے گل کو زندگی کا ترجماں پاتا ہوں میں

برق کی جنبش ہو، یا باد صبا کا ہو خرام
زندگی کا ہر تموج میں نشاں پاتا ہوں میں

چپہ چپہ اس مکاں کا ہے مکینوں سے بھرا
زندگی کو شش جہت پر حکمراں پاتا ہوں میں

اُس سے آگے بھی ہیں روحیں اُڑتی پھرتی بیشمار
طائر سدرہ کا جس جا آشیاں پاتا ہوں میں

مردنی جس شے پہ ہے ظاہر میں چھائی، اس میں بھی
زندگی کا اک نیا جلوہ عیاں پاتا ہوں میں

ہو چکی ہے حکمراں جس نخل پر باد خزاں
اُس کی رگ رگ میں بہار بے خزاں پاتا ہوں میں

برقیوں کا رقص ہے ہنگامۂ جوش بقا
قالب ایتھر میں بھی آثار جاں پاتا ہوں میں
چار سو راہ سفر پر دوڑتی ہے جب نظر
زندگی کو کارواں در کارواں پاتا ہوں میں
لہلہاتی کھیتیوں کا جلوہ آتا ہے نظر
گڑگڑاتے سیل کا حملہ جہاں پاتا ہوں میں
جانے والوں کی تباہی کے نشانوں میں نہاں
آنے والی ہستیوں کی بستیاں پاتا ہوں میں
الغرض سمجھے ہو جن کو موت کی بربادیاں
زندگی کے انقلاب اُن میں نہاں پاتا ہوں میں

(نیم)

جب نیم کی شاخیں ٹھنڈی ہوا کھا کھا کے تھرکنے لگتی ہیں
پھر زریں کرنیں سورج کی پتوں پہ چمکنے لگتی ہیں
پتوں کی رگوں میں نیم کا رس چڑھتا ہے نہایت سرعت سے
یہ ریشہ دوانی دیکھ کے میں تصویر بنا ہوں حیرت سے
کیا فیض الہی کی کرنیں پڑتی نہیں مجھ پر شام و سحر
کیا موج نسیم رحمت حق چلتی نہیں مجھ پر آٹھ پہر
پھر کیا ہے کہ نیم کا جوش نمو پاتا نہیں اپنے سینے میں
دل مردہ ہے' افسردہ ہے' مشغول نہیں رس پینے میں
محروم ہے فیض سے دل میرا' فیضان میں تم غرقاب رہو
اے نیم کے متوالے پتو! سرسبز رہو' شاداب رہو

تبصرے



ادب

اخلاق و مذہب

ادب



خمکدۂ خیام

(از جناب آغا شاعر صاحب - شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب
لاہور - قیمت ۳ روپے)

اس نام سے آغا شاعر قزلباش نے حکیم عمر خیام کی منتخب رباعیوں کا ترجمہ اُردو رباعیوں میں کیا ہے ' شروع میں چھہ صفحے کا ایک دیباچہ ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انگریز مصنفوں نے خیام کی قدر صرف اس وجہ سے کی کہ وہ دہریت کی طرف مائل ہے ' اور پھر اس کی چند رباعیوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے' کہ خیام کا تصوف بہت بڑھا ہوا تھا - آغا شاعر صاحب کی یہ راے یک طرفہ ہے ' اگر وہ تحقیق سے کام لیں' اور یہ دیکھیں کہ خود مسلمان تذکرہ نویسوں اور مصنفوں نے (مثلاً نجم‌الدین رازی نے مرصادالعباد میں یا القفطی نے تاریخ‌الحکماء میں) خیام کے عقائد کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے تو شاید وہ اپنی ذاتی راے بدل دیں' علاوہ ازیں الحاقی رباعیوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے' حضرت ابو سعید ابوالخیر' بابا طاہر ہمدانی اور دوسرے بہت سے صوفی منش شعراء کی رباعیاں آج خیام سے منسوب کی جاتی ہیں—

آغا شاعر صاحب نے دیباچے کے صفحہ ۲ پر "آغائی ترجمہ" کی چند خصوصیات بتائی ہیں - سب سے پہلے انہوں نے ترجمے کا صحیح نقاد اس شخص کو قرار دیا ہے جو فارسی زبان اور اُردوے معلیٰ دونوں پر کافی عبور رکھتا ہو' پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ "مکھی پر مکھی مارنی مجھے نہیں آتی' ترجمہ لفظی نہیں ہے" - ہم کو بد قسمتی سے نہ "اُردوے معلیٰ پر کافی عبور" کا دعویٰ ہے' اور نہ فارسی پر' تاہم ترجمے کی جو

خامیاں ہمیں سرسری طور پر نظر آئیں وہ عرض ہیں—

صفحہ ۸

خیام	آغا شاعر
آمد سحرے ندا ز مے خانۂ ما	آئی یہ ندا صبح کو مے خانے سے
کاے رند خراباتی و دیوانۂ ما	اے رند شراب خوار دیوانے سے
برخیز کہ پرکنیم پیمانہ ز مے	اُٹھ جلد بھریں شراب سے ساغر ہم
زاں پیش کہ پرکنند پیمانۂ ما	کم بخت! چھلک جاے نہ پیمانے سے

اصل اور ترجمہ کا مقابلہ کیجئے' " پر کنند " اور " پر کنیم " کے پر لطف اور معنی خیز ایہام کی بو باس بھی ترجمہ میں نہیں ہے' پور "دیوانے سے" میں " دیوانۂ ما " کی بات کہاں آسکتی ہے ؛ چوتھے مصرعے میں تو بات اور بھی بگڑ گئی ہے خیام " پیمانۂ عمر " کے لبریز ہونے سے پہلے " پیمانۂ مے " کو لبریز کرنے کا متمنی ہے ' مترجم صاحب کی " شراب سے جلد ساغر بھرنے " کی تاکید محض اس لئے ہے کہ " چھلک جاے نہ پیمانے سے " اصل اور ترجمے میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا ہے —

صفحہ ۹

خیام	آغا شاعر
از جان و جہان ہرچہ در عالم ہست	یہ جان وجہاں اورجہاں کا سب کچھ
مقصود توی و بر محمد صلوات	مقصود تو ہی ہے ' بر محمد صلوات

اِس ترجمہ میں تو شاید مترجم صاحب کو بھی "مکھی پر مکھی مارنے کی عادت" کا اعتراف کرنا پڑے ' اصل میں " از " سے " مقصود " میں جو ربط تھا ' ترجمے میں وہ بھی غایب ہوگیا ' اور دونوں مصرعے بے جوڑ ہوگئے —

صفحہ ۱۰

خیام	آغا شاعر
ہرگاہ کہ خواہی کہ نشیند از پاے	جب تھک کے یہاں بیٹھنا تو چاہے گا
گیرد اجلت دست کہ بالا پیما	پکڑے گی اجل ہاتھ کہ سر ' اوپر جا

اصل کے " بالاپیما " کی جگہ "سر" اور پھر "اوپر جا " نہ تو مناسب ترجمہ ہے' اور نہ فصیح" اُردوے معلے"—

صفحہ ۴۶

خیام	آغا شاعر
در ہر دشتے کہ لالہ زارے بودہ است	صحرا میں جہاں لالہ رنگیں ہے کھلا
آں لالہ ز خون شہر یارے بودہ است	سلطان کا خون ہے کسی قیصر کا

" ز خون شہر یارے " کا ترجمہ " سلطان کا خون " غور طلب ہے ' اور پھر یہ ٹکڑا

کسی قیصر کا ' اپنی بے تعلقی کا شاکی ہے ۔

صفحہ ۵۸

خیام	آغا شاعر
ہر سبزہ کہ بر کنار جوے رستہ است	سبزہ جو جہاں کنار جو سے لپکا
گویا زلب فرشتہ خوے رستہ است	گویا ہے لب فرشتہ خو سے لپکا
پا بر سر سبزہ ہا بہ خواری نہ نہی	ذلت سے کبھی نہ رکھنا سبزے پہ قدم
کان سبزہ زخاک لالہ روے رستہ است	یہ سبزہ ہے خاک لالہ رو سے لپکا

نرا لفظی ترجمہ ہے ' اصل میں "لب فرشتہ خوے" اور "خاک لالہ روئے" سے خیام نے تناسخ ' کا عقیدہ ظاہر کیا ہے - "فرشتہ خو" اور "لالہ رو" کے آخر میں "ے" یاے تنکیری ہے مترجم صاحب نے لب فرشتہ خو ' اور "خاک لالہ رو" لکھکر مرکب اضافی اور مرکب توصیفی میں التباس پیدا کردیا اور رباعی کی جان (یعنی مسئلہ تناسخ کی طرف اشارہ)نکال لی —

صفحہ ۱۹۸

خیام	آغا شاعر
روزیست خوش و ہوا نہ گرم است و نہ سرد	کیا خوب ہے دن ' دھوپ نہ زیادہ سردی
ابر از رخ گلزار ہمیں شوید گرد	پڑتے ہی بھرن باغ کی سب گرد دھلی

اصل کے دوسرے مصرعے کی لطافت کا مقابلہ ترجمے کے دوسرے مصرعے سے کیجئے' زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے ' ایسے ہی موقعوں پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ غیر زبان کی شاعری کا اپنی زبان کے شعر میں ترجمہ کس قدر مشکل ہے اصل کی لفظی لطافتوں کو ترجمے میں باقی رکھنے کا تو ذکر ہی کیا ' مطلب کا ادا کرنا ہی بہت دشوار ہوجاتا ہے —

خیام	آغا شاعر
خشت سر خم ہزار جان می ارزد	خشت سر خم ہزار جان پرور ہے

فاضل مترجم نے "جان پرور" پر نوٹ لکھا ہے کہ "پرور بمعنی پالنے والا" اہل نظر اس نوٹ کو پیش نظر رکھیں کہ ان معنوں کے ساتھ "ہزار" کا لفظ ترجمہ میں کیا مطلب رکھتا ہے - اصل اور ترجمہ کی لطافت اور مفہوم میں جو زمین آسمان کا فرق ہے اس کے ظاہر کرنے کی صورت نہیں معلوم ہوتی —

آغا شاعر صاحب سے پہلے کئی اصحاب نے خیام کی رباعیوں کا ترجمہ اُردو رباعیوں میں کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہوسکے تاہم یہ رائے ہے کہ آغا صاحب کا ترجمہ

نہیں بہتر ہے ، لیکن بہتر ہوتا کہ فاضل مترجم بجائے ترجمہ کرنے کے' یہ کوشش کرتے کہ خیام کے مطالب کو طبعزاد اُردو رباعیوں میں ظاہر کردیا جائے' ہمیں یقین ہے کہ اس میں وہ موجودہ صورت سے زیادہ کامیاب رہتے —

کتاب ہز ہائی‌نس میر آف خیر پورنے چھپوائی ہے' لکھائی چھپائی بہت خوب ہے' کاغذ بھی اعلیٰ درجے کا ہے جلد بھی اچھی ہے اور اس پر طلائی حرفوں میں کتاب اور مترجم کا نام درج ہے —

(و)

سرگزشت ہاجرہ

(از جناب بیگم سید ہمایون مرزا صاحب (بیرسٹر ایٹ‌لا حیدرآباد) صفحے ۱۴۲ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

نام دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ کوئی افسانہ ہوگا ' لیکن اصل میں یہ تین سہیلیوں کی گفتگو ہے ' ہر سہیلی نے اپنا اپنا قصہ بیان کیا ہے —

افسوس ہے کہ ہمیں اس کتاب میں ربط مضمون کی کمی نظر آئی ' دوران گفتگو میں دنیا بھر کے مسائل چھڑ جاتے ہیں ' شادی کی رسمیں ' عید میلادالنبی ' مردوں اور عورتوں کا موازنہ ' تعلیم کے مسئلے ان سب پر سرسری گفتگو ہوتی ہے اور پھر آپ‌بیتی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے —

لائق مصنفہ نے اس کتاب میں تعلیم اور تربیت کے فرق کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے ' مسز عون کتاب کا کیرا ہیں ' لیکن امور خانہ داری میں بہت بد سلیقہ ہیں . سارا بھی اچھی خاصی تعلیم یافتہ ہیں ' مزاج میں ظرافت بھی ہے اور نفاست بھی ' لیکن ازدواجی زندگی میں وہ بھی کامیاب نہیں ہیں' ہاجرہ کی سیرت پر تعلیم اور تربیت دونوں کی جھلک موجود ہے ' اور غالباً ایک وجہ سے اس کتاب کا نام سرگزشت ہاجرہ رکھا گیا ہے ' ورنہ دراصل یہ چند تعلیم یافتہ سہیلیوں کی آپس کی گفتگو ہے ' جس کے دوران میں ہر سہیلی اپنے سوانح بھی بیان کرتی جاتی ہے —

کتاب کے شروع کے ۱۷ صفحوں میں تبصروں اور تقریظوں کی نقل کی گئی ہے ' سرمحمد اقبال ' بیگم صاحب خان بہادر عبدالقادر ' جناب نواب مہدی یارجنگ بہادر '

جناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل- جناب عبدالرحمن خاں صاحب صدر کلیہ جامعۂ عثمانیہ (حیدرآباد) ان سب نے کتاب کے متعلق جس جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ لکھدی گئی ہے —

کتاب میں چند نظمیں اور غزلیں بھی ہیں جو لائق مصنفہ کی کہی ہوئی ہیں، ان کے معیار کو دیکھتے ہوے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگر یہ نہ شریک کی جاتیں تو اچھا ہوتا، دو شعر ملاحظہ ہوں —

صفحہ ۱۳۴ محظوظ سامع ہوتا ہے سن کر حیا کا نغمہ
دیتا ہے کیا حلاوت شیریں سخن ہمارا

صفحہ ۱۲۷ تم رات کوبھی اپنے مکان پرنہیں رہتے کبھی صاحب
سو بار پکار آے کہ اے ماہ لقا ہو،

یا صفحہ ۱۳۴ کا ایک مصرعہ :—
آقاے نامدار ہے شاہ دکن ہمارا،

(و)

سفرنامۂ یورپ

(از جناب صغرا بیگم صاحبہ محل سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا (حیدرآباد) حصہ اول و حصہ دوم قیمت ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ - دفترالنساء ہمایوں نگر حیدرآباد - دکن)

یہ سفرنامہ دو حصوں میں ہے، بیگم صاحبہ نے سنہ ۱۹۲۴ء میں یورپ کا سفر کیا تھا اور چھہ مہینے تک وہاں کے مختلف حصوں کی سیر کی، اس مختصر مدت میں یورپ کے مختلف حصوں کی جو قابل توجہ باتیں نظر سے گزریں ان سب کا ذکر تفصیل کے ساتھہ سفرنامے کی دونوں جلدوں میں کیا گیا ہے—

پہلے حصے میں بمبئی، جہاز کا سفر، مارسیلز، پیرس، لندن، آکسفورڈ اور کیمبرج وغیرہ کا ذکر ہے - دوسرا حصہ تمام و کمال یورپ کے دوسرے ملکوں مثلاً جرمنی، سوئزرلینڈ، اٹلی وغیرہ کے حالات پر مشتمل ہے—

اُردو زبان میں اس سے پہلے بھی یورپ کے سفرنامے لکھے جا چکے ھیں، اور ایک اور معزز خاتون بیگم صاحبہ ھز ھائی نس نواب حمیداللہ خاں صاحب والیء ریاست بھوپال "سیاحت سلطانی" کے نام سے سنہ ۱۹۱۱ع میں ایک سفرنامہ لکھہ چکی ھیں، لیکن زیر تبصرہ سفرنامے کو اپنے پیش روؤں پر کئی حیثیتوں سے فوقیت حاصل ھے - یہ نہ صرف ان سب سے زیادہ مکمل اور مفصل ھے، بلکہ ایک خاص نقطۂ نظر سے لکھا گیا ھے - ھر ملک کے مدارس، خصوصاً مدارس نسواں کا بیان خاص طور پر فصاحت کے ساتھہ کیا گیا ھے، معاشرتی پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ھے، اور ممالک یورپ میں جو جو باتیں ھندوستان کے عالم نسواں کے لئے سبق آموز نظر آئیں، ان سب کا ذکر خصوصیت کے ساتھہ کیا گیا ھے، مثلاً بمبئی کے زنانہ مدرسے اور ان کی حالت، انگلستان کے مختلف مشہور کالج، جرمنی کی تعلیمی حالت، وھاں کا زچگی خانہ، زچاؤں کی پرورش، بیت المعذورین، کتب خانہ، غرض کہ جتنی کام کی باتیں نظر آئیں ان سب کا ذکر کیا گیا ھے —

سفرنامے کی زبان بہت سلیس اور آسان ھے، بالکل یہ معلوم ھوتا ھے کہ مصنفہ اپنی سہیلیوں کے ساتھہ بیٹھی حالات سفر سنا رھی ھیں۔ اس اعتبار سے یہ اُردو داں خواتین کے لئے خاص طور پر دلچسپ ثابت ھوگا - اگر طباعت پر زیادہ توجہ کی جاتی، اور تصویروں کا انتظام بھی کردیا جاتا تو اس سفرنامے کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی - موجودہ صورت میں بھی یہ کتاب اس قابل ھے کہ تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کے مطالعے میں رھے —

(و)

رقعات اکبر

(مرتبۂ محمد نصیر ھمایوں صاحب - قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاھور
قیمت ۱۰ آنے)

مولوی اکبر حسین 'اکبر' مرحوم کے رقعات اس سے پہلے بھی چھپے ھیں لیکن یہ اُن سے الگ ھیں - شروع میں دو صفحے کا دیباچہ خان بہادر (سر) شیخ عبدالقادر

صاحب نے لکھا ہے - اس کے بعد اکبر کے کچھہ مختصر حالات زندگی ہیں - یہ رقعات مولوی سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی، سید افتخار حسین صاحب بی - اے، مہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر، منشی شرف الدین احمد خاں صاحب، سر شیخ عبدالقادر کے نام ہیں - خطوں میں زیادہ تر بیماری اور مکروہات دنیا کا رونا ہے اور کوئی خط اس سے خالی نہیں تاہم اس میں ایک بات ہے - ظرافت یا زندہ دلی کا نام نہیں جو ان کی نظم میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے —

شاہد معنی

(مجموعۂ کلام حضرت باسط بسوانی مرتبۂ قاضی ظہیرالدین احمد ظہیر بسوانی۔
قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھہ آنے، غیر مجلد ایک روپیہ چار آنے)

اِس مجموعے میں حضرت باسط کی مختلف نظمیں شامل ہیں۔ کچھہ حمد و نعت میں ہیں کچھہ دینی اور اخلاقی ہیں اور کچھہ مشاہدات فطرت اور حسن و عشق کے متعلق ہیں - حضرت باسط ایک مشاق شاعر ہیں اور اپنے خیالات کے ادا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں - اس مجموعے میں بعض نظمیں پڑھنے کے قابل ہیں مثلاً روزہ، انوکھی لوری، خطاب گل بہ گلچیں وغیرہ جن میں شاعر نے اپنے دلی جذبات اور خیالات بڑی خوبی سے ادا کئے ہیں —

عروس غربت

(مولفہ ایم - اسلم - نسیم بک ڈپو، بارود خانہ لاہور - قیمت ایک روپیہ چار آنے)

یہ فرانس کے نامور شاعر اور ناول نویس وکٹرھیوگو کے ایک بے مثل اور مشہور ناول " لے مزرابلی " کا مختصر خلاصہ ہے - مؤلف نے بڑی خوبی سے اس کا خلاصہ کیا ہے

جس سے قصے کا سلسلہ قائم رہا ہے- قصہ پر اثر ہے اور بہت دلاویز عبارت میں لکھا گیا ہے- محمد دین تاثیر صاحب ایم - اے نے شروع میں ایک تمہید بھی لکھی ہے - اگرچہ اصل ناول ایک اور ہی چیز ہے تاہم یہ خلاصہ بڑی عام طور پر پڑھنے کے لئے بہت خوب ہے اور لڑکے لڑکیاں مرد عورت بلا تامل اسے پڑھ سکتے ہیں - اس میں تین تصویریں بھی ہیں جو لاہور کے مشہور مصورچغتائی صاحب کے قلم کا نتیجہ ہیں—

جیبی فہرست کتب، اُردو گشتی کتب خانہ

(مرتبہ مولوی فضل‌اللہ صاحب بی - اے٬ مہتمم و بانی کتب خانہ)

مولوی فضل‌اللہ صاحب کی ہمت پر آفریں ہے کہ انہوں نے بڑے ایثار سے کام لیکر حیدر آباد میں ایک گشتی کتب خانہ قائم کیا ہے جس کا مقصد اُردو کتابوں کا مطالعہ آسان کرنا اور بتدریج ایک عظیم‌الشان خالص اُردو کتب خانہ قائم کرنا ہے - افسوس ہے کہ آمدنی سے اس کا خرچ بڑھا ہوا ہے - اُمید ہے کہ حیدرآباد کے صاحب ثروت اور ذی علم اصحاب اس کی مدد کریں گے - چندہ صرف ایک روپیہ ماہانہ ہے - اگر اس کے ارکان کی تعداد میں ہی کافی اضافہ ہوجاے تو اس کا خرچ نکل سکتا ہے - یہ اُس گشتی کتب خانے کی جیبی فہرست ہے - فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہر فن اور علم کی کتابیں موجود ہیں اور مطالعہ کے شوقین اس سے پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں—

رنگ زمانہ

(مصنفہ منشی برج‌بھوکن لال صاحب محب دریا بادی - قیمت دس آنے)

منشی صاحب اُن پرانے اور وضع‌دار لوگوں میں سے ہیں جو اپنی تہذیب وشائستگی٬ اپنے ادب آداب اور اپنے اطوار اور طریقوں کے عاشق ہیں - وہ نئی چیزوں اور نئے فیشنوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اپنی قدیم تہذیب کو پامال ہوتے ہوے دیکھ کر اُن کا دل کُڑھتا ہے - ” رنگ زمانہ “ میں (جو اُن کے کلام کا مجموعہ ہے) منشی صاحب نے

نگی چھیڑوں کی خوب ہلسی اُڑائی ہے اور ظرافت کے پیرایے میں خوب خوب خبر لی ہے۔ ملشی صاحب کا سارا کلام ظریفانہ ہے ' جس کا اکثر حصہ اودھ پنچ میں شایع ہوچکا ہے یہ اکبر مرحوم کے مذہب کے پیرو ہیں - جو کچھہ لکھا ہے بہت غنیمت ہے اور دلچسپ ہے اور کیوں نہو کہ ملشی صاحب شاعری کی گھاتوں سے واقف اور پرانے مشاق ہیں —

بچوں کے پڑھنے کی کتابیں

ہماری زبان میں بچوں کے پڑھنے کی کتابوں کی بہت کمی ہے - اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بچوں کے لئے کتابیں لکھنا نہایت دشوار ہے - بچوں کی طبیعتوں کا سمجھنا ، اُن کی دلچسپی اور شوق کا دریافت کرنا ' پھر ایسے مضامین کا جمع کرنا اور ان کا ایسے الفاظ اور عبارت میں ادا کرنا جسے بچہ آسانی سے سمجھہ سکے اور اداے مضمون کا ایسا اسلوب اختیار کرنا جسے وہ شوق سے پڑھے' بہت ہی مشکل بات ہے-جس قدر بچہ چھوٹا ہوگا اُسی قدر اُس کے لئے کوئی کتاب لکھنا دشوار ہوگا - لیکن یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہمارے اہل قلم آج کل اس طرف متوجہ ہیں اور اس کمی کے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں - حال ہی میں ہمارے پاس قومی کتب خانہ (اسکاؤٹس اور ایجنسی) ریلوے روڈ لاہور نیز دارالاشاعت پنجاب لاہور کی طرف سے ایک خاصی تعداد ایسی کتابوں کی وصول ہوئی ہے جو چھوٹے اور بڑے بچوں کے پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہیں بعض کتابیں ان میں سے درحقیقت نہایت عمدہ ہیں - ان کتابوں کی تفصیل یہ ہے —

۱-ننھی کتاب ۲-منی کتاب ۳-دلاری کتاب ۴-پیاری کتاب

یہ چار کتابیں سید امتیاز علی صاحب تاج ' بی- اے کی لکھی ہوئی ہیں- یہ کتابیں بے مثل ہیں - چھپائی' لکھائی ' کاغذ بہت اچھا ہے - تصویریں بہت خوبصورت ہیں - مضمون اور کہانیاں ایسی دلچسپ ہیں کہ بچہ شوق سے پڑھے - اسلوب بیان بھی آسان اور بہت ہی دلکش ہے - ہم مؤلف کو مبارک باد دیتے ہیں کہ یہ کام انھوں نے ایسا کیا ہے کہ اس کی جتنی داد دی جاے کم - یہ کتابیں دارالاشاعت پنجاب لاہور سے شایع ہوئی ہیں —

اِسی دارالاشاعت سے اُردو کا قاعدہ ، اُردو کی پہلی کتاب ، اُردو کی دوسری کتاب اور اُردو کی تیسری کتاب شایع ہوئی ہے - قاعدے میں کسی قسم کی بھی سہولت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی - البتہ پہلی ، دوسری اور تیسری کتابیں اچھی ہیں اور مبتدیوں کے لئے مفید ہیں —

پارس

(لڑکوں کے لئے دلچسپ کہانیاں) اس کے چار حصے ہیں اور اس کے لکھنے والے مشہور فسانہ نویس سدرشن صاحب ہیں - کہانیوں کا بہت اچھا مجموعہ ہے —

بچوں کے لئے مہابھارت اور بچوں کے لئے رامایَن

یہ دونوں کتابیں بھی سدرشن صاحب نے تیار کی ہیں ان میں مہابھارت اور رامایَن کے قصوں کو بہت آسان زبان میں بچوں کے لئے لکھا ہے —

دنیا کے عجائبات

اس میں دنیا کی عجیب و غریب عمارتوں اور آثار کا ذکر ہے - اس کے مولف بھی سدرشن صاحب ہیں —

رستم و سہراب

اس میں سدرشن صاحب نے رستم و سہراب کا قصہ لکھا ہے —

امرت - پھول وتی - سدابہار پھول

ان تینوں کتابوں میں سدرشن صاحب نے دلچسپ اور اخلاقی کہانیاں جمع کردی ہیں —

شہید کربلا

شہادت کربلا کا حال دلچسپ عبارت میں حکیم محمد اکرم اور مرزا محمد سعید صاحب نے لکھا ہے —

شہر، شہری اور شہریت

اِس مختصر رسالہ میں شہریت کے متعلق آسان اور ابتدائی سبق ہیں —

موتیوں کی مالا۔ نعیم پچیسی

یہ دونوں کتابیں محمد اسمعیل صاحب کی تالیف ہیں - ان میں بہت سی دلچسپ کہانیاں ہیں —

سنہری گیت

(از وجاہت حسین صاحب وجاہت) اور

بچوں کے گیت

(محمد اسمعیل صاحب)
ان دونوں میں چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں—

اُما

(مصنفہ بابو کیشرود چندر چٹرجی)

گدھے کی سرگزشت

(مترجمہ محمد اسمعیل صاحب)

حجاب زندگی اور دیگر افسانے

(عابد صاحب)

زرداں

(احمد شجاع صاحب کے تاریخی قصے)

یہ سب قصے اور فسانے لڑکوں لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل ہیں —

اُردو کی آسان گرامر

(دو حصے)

منازل الترجمہ

(انگریزی اُردو ترجمے کی کتاب)

مخزن فارسی

(فارسی قواعد) یہ تعلیمی کتابیں ہیں۔اور طلبہ کے لئے مفید ہیں —

مراۃالاخلاق۔مخزن ادب

(میرزا محمد سعید صاحب اور شیخ محمد اکرم صاحب) پہلی کتاب میں اخلاقی اور معاشرتی مضامین ہیں۔ دوسری میں ادبی مضامین کا انتخاب ہے —

———:۞:———

اخلاق و مذهب

هندو اخلاقیات

[مصنفہ جے ۔ اے چنداورکر، بی ۔ اے ، ایم ۔ آر ۔ اے ۔ ایس قیمت ایک روپیہ بارہ آنے]

مسٹر جے ۔ اے چنداورکر مشہور مصنف ہیں اور یہ کتاب انہوں نے بڑی محنت اور غور سے لکھی ہے ۔ ایشیا اخلاق و مذہب کا مخزن ہے ، خاص کر ہندوؤں نے انسان کی روحانیت اور اعمال پر جو غور و فکر کیا ہے وہ انسانی دماغ اور تخیل کا بہترین نتیجہ ہے ۔ فاضل مصنف نے اس کا نچوڑ اس مختصر رسالے میں اس خوبی سے جمع کردیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہندوؤں کے اخلاقی نظام پر کافی عبور ہوجاتا ہے ۔ کیونکہ اس میں ویدوں، اپنشدوں، ہندو فلسفے کے چھہ مذہبوں، منو ، والمیکی، مہابھارت، چانکیا، شنکراچاریہ، بھگوت گیتا، بھرتری ہری، بودھ ، ہندو رشیوں کے اصول اخلاق نہایت خوبی سے بیان کئے گئے ہیں اور ہر مذہب و ملت کا شخص اسے پڑھ کر فائدہ حاصل کرسکتا ہے ۔ لایق مصنف قابل مبارکباد ہیں ۔ اُردو ترجمہ مولوی غلام ربانی صاحب نے بہت شگفتہ اور با محاورہ کیا ہے —

برہان

[از تصنیف جناب خواجہ مولوی محمد عبدالحی فاروقی صاحب ، اُستاد تفسیر و ناظم دینیات جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی ۔ قیمت ایک روپیہ]

یہ مولانا کی تفسیر قرآن کا ایک حصہ ہے یعنی اس میں سورۃالنور کی مبسوط تفسیر ہے ۔ اس سے قبل اس تفسیر کے متعدد حصے شایع ہوچکے ہیں اُسی ڈھنگ پر یہ حصہ بھی لکھا گیا ہے ۔ مولانا کی تفسیر اِس عہد کے لحاظ سے ایک بے مثل کتاب ہے ۔ بیان بھی بہت صاف اور سلجھا ہوا ہے اور تمام مسائل اس خوبی سے اور حکیمانہ طرز میں بیان کئے ہیں کہ پڑھنے میں لطف آتا ہے اور بصیرت پیدا ہوتی ہے —

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکتری انجمن ترقی اُردو، اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے —

(۱) " عطاے سلیم "

رسالہ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جاے گا -

(۲) " عطاے عبدالحق "

رسالہ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے، عطا فرمائیں گے —

(۳) " عطیۂ ہاشمی "

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالہ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی —

انعامات کا آغاز، سال رواں سنہ ۱۹۲۷ ع سے ہوگا- اور ہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کر کے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا- انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا —

المعلن

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ —

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے ایکو اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اُردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اُردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۹ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تاریخ تمدن

سر تامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہئین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھہ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی ملسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاهیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو هزار برس سے آج تک مسلم‌الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا هر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا هر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۲ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۴ آنہ —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے- معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے- مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب هیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً هندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے هیں٬ اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے- قیمت مجلد ۲ روپیہ—

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (هوا - پانی غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں —

کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا
حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں- مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلسچپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت دقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھہ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی، مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اورعلمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں-اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیاباب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے- اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی' آشوری' بابل- بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد- اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ہیں- اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمائیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیرمجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں]

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا نے ماضی و حال کے کلام کا انتخاب فرمایا ہے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ہے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایون نے شایع کیا ہے اور جلد بھی بہت خوبصورت ہے - قیمت فی جلد ڈھائی روپیہ —

قاموس المشاہیر
جلد اول و دوم

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردئے گئے ہیں - ہندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھہ روپیہ ' جلد دوم چھہ روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ -

مجموعۂ قصائد مومن

ہندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دہلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ -

گوتم بدھ

ہندوستان کے مشہور رہنما مہاتما بدھ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سید البشر

مصنفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

حکایۂ لیلیٰ مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

مقتل فریب مغربی محل خانے

مؤلفہ مولوی سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنو قیمت چار آنہ

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ھیں - اور یہی گویا ھماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ھے - اور اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ھے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارھروی نے نہایت محنت ' کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ھے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ھے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ھیں اکثر غلط اور نامکمل ھیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ھے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرھنگ ھے جس میں ان تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ھندی ' دکنی الفاظ کا حل ھے جو کلام ولی میں جا بجا آئے ھیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ھے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ھے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ھے ' دیوان کی ھر غزل کے نمبر کا حوالہ دیکر بتا دیا ھے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ھے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ھے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ھے ' قابل دید اور اس لائق ھے کہ ھر لائبریری اور قدر دان اُردو کے ھر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رھے - حجم تقریباً آٹھہ سو صفحات - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دھلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لا جواب مثنوی مدت سے نایاب تھی' بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا' اُردو کی خوش نصیبی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں—

سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی ' اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے - حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں ' جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں- یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید' قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر' سہل' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ' شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے - انجمن نے اپنے پریس میں' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے' کاغذ بہت عمدہ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے سکہ انگریزی ' غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ' یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ہے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا، نہایت عمدہ، حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے، قیمت مجلد دو روپے—

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:-

Astronomy, Botany, Economics. History, (Constitutional, Greece England etc); Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaelogy, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین، مترجمین اور معلمین کے لئے نا گزیر ہے—

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھہ روپے—

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھہ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے، سی، آئی، ای، سی، ایس، آئی، ایم، اے، بی، ایل، ایف، آر، ایس، چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

صداقت کا بیان کیا ھے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ھے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ، فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ھے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ھے - انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ھے -

تمدن هند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ھے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ھے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ھے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ھے - ساتھہ ھی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ، مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاهور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یاد گار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دهلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر ، اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے-قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ- مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

و کرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں هندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط هیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زهرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھہ لکھے تھے - یہ جواهر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار هیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات ' اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارهروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' هر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو هاتھوں هاتھہ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اهتمام و نفاست سے طبع هوا ہے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' هر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چلند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دهلی نے خاص اهتمام سے چھپوایا ہے-

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں —

سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' اُن کے مضامین خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے ' قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اُردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے - کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ —

اُردوے قدیم

مجلس دارالمورخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ‌زیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح خیالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس‌الله قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ' فارسی اُردو' انگریزی ' فرانسیسی ' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب وتالیف کیا ہے - قابل دید ہے - قیمت قسم اول دو روپیہ' قسم‌دوم ایک روپیہ‌آٹھ‌آنہ -

معراج‌العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جنہوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۹ آنہ —

مسکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو " ہون " کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلباے تاریخ ڈگری کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس‌الله صاحب' قیمت ۹ آنہ —

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و قدیم‌ترانی شاعر ظہیر فاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر ناقدانہ

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۹ آنہ —

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے- وہاں کی بدنظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھایا ہے ' مرتضی' مشفق' کاظمی - تین فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں- غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات- قیمت ڈیڑہ روپیہ —

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفی کمال پاشا کی کتاب " المسئلةالشرقیہ " کا اُردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ہیں- قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون‌الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سیدجمال‌الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوتی ہستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال‌الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار)

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا ' قیمت ۵ آنے —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں' علما و طلبا ' شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا ' اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت ڈیڑھ روپیہ —

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے با وجود فقر و فاقہ اسلام کے اُصول و ارکان کو مستحکم کیا - ان کی فیاضی' ہمدردی' قناعت' توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

پھل اور میوہ جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے - قیمت ۸ آنہ —

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام' تابعین' مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار' جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات سے کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں - قیمت ۴ آنہ —

روح الاجتماع ۴ روپیہ
ابن رشد ۴ روپیہ
گل رعنا ۵ روپیہ
سیر الانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ
شعر الہند مجلد ۵ روپیہ
شعر الہند غیر مجلد ۴ روپیہ

(مطبع کاویانی برلن)

تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رہنمائے پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دہلی)

الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۶ آنہ
سیرۃ الرسول ڈیڑھ روپیہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ڈیڑھ روپیہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام مہر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعۂ کلام جوہر ۶ آنہ

اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہار العرب (عربی) ۸ آنہ
انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۲ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد دوم ۲ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑھ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ڈیڑھ روپیہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زریں مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ
قسم دوم ۴ روپیہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

کتاب	قیمت
مکاتیب اکبر	۱ روپیہ
میلاے سخن	۱ روپیہ
حزن اختر	۸ آنہ
درس عمل	۴ آنہ
خواتین انگورا	۱ روپیہ
بیگمات بنگال	۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر	۳ آنہ
مشرقی ترکستان	۶ آنہ
سیاحت زمین	۱ روپیہ
سیاحت ہوا	۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنؤ)

کتاب	قیمت
فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد	۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری	۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ	۶ آنہ
مسلمانان اندلس	۱ روپیہ
اسرار رنگون	۱ روپیہ
ہوم رول	۵ آنہ
خوان دعوت	۱ روپیہ
مصنوعی شوہر	۲ آنہ
و کرم عروسی	۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب	۶ آنہ
الاحسان	۸ آنہ
ارض نہرین	۴ آنہ
تذکرۂ حزین	۴ آنہ
حیات نظامی	۴ آنہ
خطاب	۴ آنہ
میلاد نبوی	۴ آنہ
تصویر درد	۴ آنہ
شمع و شاعر	۲ آنہ
فریاد اُمت	۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

کتاب	قیمت
صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی	۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ	۱ روپیہ
سنجوگ	۱۰ آنہ
جواہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائنس	۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
اخترالنسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرونارت	۱ آنہ
رسوم دہلی	۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
پریم بتیسی حصہ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
چلدن ہار	۲ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کتاب	قیمت
گوهر مقصود	۹ آنه
لیلی	۲ روپیه
سواءالسبیل	۱ روپیه
سخندان پارس	۱۰ آنه
قوانین دولت	۴ آنه
مینا	۱۲ آنه
چترا	۱۲ آنه
امتیاز پچیسی	۸ آنه
دلپسند کهانیاں	۱۲ آنه
دلچسپ کهانیاں	۱۰ آنه

(تصانیف نورالهی و محمدعمر صاحبان)

کتاب	قیمت
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیه
ناتک ساگر [یعنی دنیاے ڈراما کی تاریخ] مجلد	۳ روپیه
تین توپیاں	۸ آنه
ظفر کی موت	۴ آنه
قزاق	۸ آنه
بگڑے دل	۸ آنه

(دوسری قابل قدر کتابیں)

کتاب	قیمت
رسائل شبلی	۱ روپیه ۸ آنه
کتب خانهٔ اسکندریه	۵ آنه
بشری	۶ آنه
زکری	۱۰ آنه
سیرالمصنفین	۲ روپیه
جهاں آرا بیگم	۸ آنه

رسالهٔ اُردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالهٔ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی هوئی کتابیں فی روپیه چارآنه کمی قیمت کے ساتھ دی جائینگی - اُمید هے که ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھائینگے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت هوتی هیں٬ ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نهیں کی جاسکتی —



(نوٹ) کل قیمتیں سکهٔ انگریزی میں هیں—

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کررهی هے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں که آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع هو وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار هوتے هی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانه کردي جایا کرے - همیں اُمید هے که قدردان زبان اُردو همیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے که اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع هو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانه کردی جایا کرے - یه انجمن کی بہت بڑی مدد هوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت هوجائے گي - همیں اُمید هے که همارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی‌خواہ هیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نه فرمائیں گے—

اِن معاونین کي خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع هوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانه هوں گی—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)